التدبيرات الالٰهية
في إصلاح المملكة الإنسانيّة
3rd edition
اصلاح انسان کی
خدائی تدبیرات
تحقیق شدہ عربی متن
سلیس ترین اُردو ترجمہ
شیخ اکبر محیی الدّین محمّد ابن العربی
الطائی، الحاتمی، الاُندلسی

ہماری یہ کتاب لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ جب میں نے شیخ الصالح ابو محمد الموروری سے شہر مورور میں ملاقات کی تو اُن کے پاس "سر الاسرار" (رازوں کا راز) نامی ایک کتاب دیکھی جو ذوالقرنین کے استاد نے اس وقت لکھی تھی جب وہ اپنے شاگرد کے ساتھ (سفر پر) جانے سے معذور تھا۔ لہذا ابو محمد نے مجھے کہا: اس مولف نے صرف دنیاوی مملکت کی تدبیر میں غور کیا ہے جبکہ میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ مملکتِ انسانی کی اُس سیاست سے اِس کا موازنہ کریں جس میں ہماری سعادت ہے۔ لہذا میں نے آپ کی فرمائش قبول کی اور اس کتاب میں (اس باطنی) مملکت کی تدبیر کے ایسے مطالب جمع کیے ہیں جو کہ اُس فلسفی (کے جمع کردہ مطالب) سے بہت زیادہ ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

التدبيرات الإلهية

في إصلاح المملكة الإنسانية

اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات

تصنیف

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی
الطائی، الحاتمی، الأندلسی

تصحیح عربی متن

احمد محمد علی

تحقیق و ترجمہ

ابرار احمد شاہی
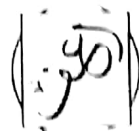
ابن العربی فاؤنڈیشن
www.ibnularabifoundation.org
0334-5463996

نام کتاب : اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات

تصنیف : شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الطائی، الحاتمی، الأندلسی

تصحیح عربی متن : احمد محمد علی

تحقیق و ترجمہ : ابرار احمد شاہی
0334-5463996

معاونت و پروف : ملک ہمیش گل، نذیر احمد
0334-5463991

ایڈیشن : تیسرا، جولائی ۲۰۲۰ء

نشر و اشاعت : ابن العربی فاؤنڈیشن

ہدیہ : انٹرنیشنل- US $ 45/-

ISBN: 978-969-9305-15-3
www.ibnularabifoundation.org

انتساب

كان سبب تأليفنا لهذا الكتاب أنّه لمّا زرتُ الشيخ الصالح أبا محمد الموروري، بمدينة مورور، وجدتُ عنده كتاب «سرّ الأسرار» صنعة الحكيم لذي القرنين لمّا ضعف عن المشي معه. فقال لي أبو محمّد: هذا المؤلّف قد نظر في تدبير هذه المملكة الدنياويّة، وكنت أريد منك أن تقابله بسياسة المملكة الإنسانيّة التي فيها سعادتنا. فأجَبته، وأودعت هذا الكتاب من معاني تدبير المُلكِ أكثر من الذي أودعه الحكيم، وبيّنتُ فيه أشياء أغفلها الحكيم في تدبير المُلك الكبير، وعلّقته في دون الأربعة الأيّام بمدينة مورور، ويكون جرم كتاب الحكيم في الرّبع أو الثّلث من جرم هذا الكتاب. فهذا الكتاب ينتفع به خادم الملوك في خِدمته، وصاحب طريق الآخرة في نفسه، وكلٌّ يحشر على نيّته وقصده، والله المستعان.

شیخ اکبر نے یہ کتاب اپنے شیخ اور دوست ابو محمد الموروری کی فرمائش پر لکھی۔ ان کا تعارف کرواتے ہیں کہ آپ شیخ ابو مدین کے خاص ساتھیوں اور خادموں میں سے تھے۔ شیخ ابو مدین آپ کو "مبرور حاجی" کہا کرتے تھے۔ اور شیخ اکبر نے آپ کو توکل کا قطب قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: توکل اور صدق میں آپ جیسا کوئی نہ تھا، ایک روز اللہ نے مجھے مقامات پر مطلع کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ مقام توکل کے وسط میں ہیں اور یہ مقام آپ کے ارد گرد گھوم رہا ہے۔ آپ کی کرامات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے شیخ اکبر کو کڑوا پانی پلایا لیکن وہ میٹھا اور شیریں ہو گیا۔ شیخ اکبر آپ کی صحبت میں اہل اللہ سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اس کتاب پر کی جانے والی کوششوں کو آپ کے حضور ہدیتاً پیش کرتے ہیں۔

اللہ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ابرار احمد شاہی

فہرست مضامین

اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات

باب نمبر ۱

باب نمبر ۲

باب نمبر ۳

باب نمبر ۴:

باب نمبر ۵

باب نمبر ۶

باب نمبر ۷

باب نمبر ۸

باب نمبر ۹

باب نمبر ۱۰

باب نمبر ۱۱

باب نمبر ۱۲

باب نمبر ۱۳

باب نمبر ۱۴

باب نمبر ۱۵

باب نمبر ۱۶

باب نمبر ۱۷

باب نمبر ۱۸

باب نمبر ۱۹

باب نمبر ۲۰

باب نمبر ۲۱

باب نمبر ۲۲

اظہار تشکر

الحمد للہ کہ آج ہم شیخ اکبر کی کتاب «التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية» "اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات" کا تیسرا ایڈیشن تحقیق شدہ عربی متن اور سلیس اردو ترجمے کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اُس پاک ذات کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اِس عمل صالح کی توفیق دی اور ایسے وسائل مہیا کیے جن کی مدد سے ہم اس منزل کو احسن طریقے سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ میں اس سلسلے میں ان لوگوں کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی حمایت اور تعاون کے بغیر اس منصوبے کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن نظر نہ آتا تھا۔

سب سے پہلے میں اپنے شیخ احمد محمد علی مصری کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مختلف مخطوطات کا موازنہ کر کے اس کتاب کے عربی متن کو ابتدائی شکل دی اور اِس تیسرے ایڈیشن میں متن کی تصحیح میں خاطر خواہ حصہ ڈالا۔

اس کے بعد میں ابن عربی سوسائٹی اُوکسفورڈ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے ہمیں اس کتاب کی بنیاد بننے والے عربی متن کے قدیمی مخطوطات کی فراہمی یقینی بنائی۔ اِسی طرح ہم ان تمام شخصیات اور مکتبات کے بھی مشکور ہیں کہ جن کے مخطوطات سے اس ایڈیشن کے عربی متن کو ٹھیک کرنے میں مدد لی گئی ہے۔

سلاست زبان اور پروف پر کام کرنے کی وجہ سے ہم ملک ہمیش گل، نذیر صاحب اور محترمہ سعدیہ بشارت کے مشکور ہیں۔ اللہ تعالی ان سب کو اس عمل کی بہترین جزا دے اور ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے آمین! یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

پیش لفظ

سب تعریف اس پاک ذات کے لیے جو وجود میں یکتا ہے، جس نے اپنی پہچان کے لیے کائنات بنائی، اِسے امکان کی سرحد میں قید کیا اور خود اِس پر محیط ٹھہرا۔ انسان کو عالم علوی اور سفلی کی جانب اپنا نائب بنا کر بھیجا، اِسے وجوب اور امکان کی کمان کے درمیان جامع برزخ بنایا، فرشتوں سے فرمایا: ﴿اور میں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں﴾ سو اِسے اپنے دو ہاتھوں سے تخلیق کیا۔ پھر اِس میں رکھی گئی جامعیت اور اختصار کے باعث اِسے کائنات کا حاکم اور مدبر بنایا، اور کائنات کو اِس کے لیے مسخر کیا۔ کائنات کی بلند ترین مخلوق کو اِس کے آگے جھکایا، ان سے فرمایا: ﴿آدم کو سجدہ کرو﴾ سب نے حکم کی تکمیل کی مگر ابلیس، وہ بدبختوں میں سے تھا چنانچہ اس نے انسان کے ظاہر سے دھوکا کھایا، الٰہی معاملات میں حق کا حکم رد کیا اور اپنا دماغ لڑایا، کہنے لگا ﴿میں اِس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے جبکہ اسے مٹی سے بنایا﴾[1] اُس کی بدبختی اُس کے آڑے آئی، کہ اپنی عقل سے اللہ کی حکم عدولی کر بیٹھا، جب اللہ نے فرمایا: ﴿جب میں اِسے برابر کروں اور اِس میں اپنی روح پھونکوں تو سب سجدے میں گر جانا﴾[2] یہ بات بھی غور طلب ہے کہ انسان کو یہ شرف اِس کے عنصری جسم نے نہ دلوایا؛ کہ اجسام کا تعلق تو عالم خلق سے ہے جبکہ یہ شرف تو اس قدسی راز کی بدولت ہے جس سے یہ اوصافِ وجوب اور اوصافِ امکان کا جامع کہلایا۔

پھر جب اِسے بلندی سے پستی کی جانب بلایا تو اِس کے جسم کی زمین میں اِس کی روح کو خلیفہ بنایا۔ روح کو جسم پر کلی اختیار دیا لیکن پھر نفس کے جنجال میں ڈال کر آزمایا۔ پھر اِس شہر جسم میں ایک سرکش کو پناہ دی، جس کے ذریعے اِس نفس کو بہکایا، تاکہ روح بھی اپنے رب کی محتاج

۱(ص:۷۶)

۲(ص:۷۲)

رہے، اور اِسے اپنا یہ قول یاد دلایا ﴿بیشک تیرے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے﴾[۱] خوش بخت ہے وہ جو اس شہر کا نظام الٰہی طریق پر چلائے، اور بد بخت ہے وہ جو غیروں کے ساتھ مل کر نقصان اٹھائے۔ پھر اپنے نائب (یعنی قدسی روح) سے ایسا تعلق استوار کیا کہ وقتاً فوقتاً رسولوں کی زبانی ہدایت اور آگاہی کے پیغامات بھیجے، تاکہ مخلوق پر اللہ کی بالغ حجت قائم رہے، فرمایا: ﴿خوشخبریاں سناتے اور خوف دلاتے رسول تاکہ ان پیامبروں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے﴾[۲]

درود اور سلامتی ہو اُن ہستیوں پر جنہیں اس نے منصب رسالت سے سرفراز کیا، خاص طور پر خاتم النبیین اور امام المرسلین، سیدنا محمد ﷺ پر جو ان سب میں کامل خلقت اور جامع نشات پر مبعوث ہوئے۔ آپ کا فرمان ہے: "روزِ قیامت میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں، اور میرے ہاتھ حمد کا پرچم ہو گا اور کوئی فخر نہیں۔"[۳] آپ کی وفات کے بعد آپ کی نیابت اور جانشینی وارثین رسالت اور علمائے ربانی کے ہاتھ آئی، کہ آپ نے فرمایا: "میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا جیسے ہیں۔" اور "بیشک علما انبیا کے وارث ہیں۔"[۴]

یہی تو ترجمان ہیں جنہیں ہدایت کے پرچم ملے، اور امداد ربانی حاصل ہوئی۔ یہی تو وہ پل ہیں جو خلق کو حق سے ملاتے ہیں، جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں، جو برائی سے بچتے اور بچاتے ہیں۔ انہی کے بارے میں اللہ نے فرمایا: وہ لوگ جو انبیا پر ایمان لائے اور اپنی اصلاح میں کوشاں ہوئے تو نہ انہیں خوف ہو گا اور نہ کوئی غم، یہی اللہ کے وہ دوست ہیں جنہوں نے تقوی کا دامن تھاما، اِن کے لیے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، اور ان کا بدلہ صرف اللہ کے پاس ہے۔

یہ شیخ اکبر کی ایک منفرد کتاب ہے، جس میں آپ نے مملکت انسانی کی اصلاح میں خدائی

۱(العلق:۸)

۲(النساء:۱۶۵)

۳(سنن ترمذی)

۴(سنن ترمذی)

تدبیرات کی بات کی ہے۔ اسی کتاب میں آپ نے جسم انسان کو شہر سے تشبیہ دی ہے، روح کو خلیفہ مقرر کیا، عقل کو وزیر اور خواہش کو سرکش امیر بنایا ہے۔ آپ نے اِن تمام مسائل کا ذکر کیا جن کا شہر جسم کی اصلاح میں اس خلیفہ روح کو سامنا ہے۔ یوں نشات انسانی کو کھولا، اور اس کے ظاہر اور باطن سے پردہ اٹھایا ہے۔ کہ اگر اِسے سمجھ لیا جائے تو پھر اس منزل کی طرف جانے میں آسانی ہے جو اسے دائمی سعادت سے ہمکنار کرے، بیشک اللہ ہی توفیق دیتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

تمہید مترجم

الحمد لله الذي لا إله إلا هو، والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وسلم تسليما كثيرا. امابعد: آج کے مبارک دن ہم آپ حضرات کی خدمت میں شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی ابن العربی کی کتاب «التدبيرات الإلهية في إصلاح المميكلة الإنسانية» "اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات" کا تحقیق شدہ تیسر ا ایڈیشن، عربی متن، سلیس اردو ترجمے اور شیخ البیتامی کی شرح سے منتخب شدہ حواشی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اس کتاب پر مزید تحقیق کا مقصد کتب شیخ اکبر کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنا ہے؛یعنی تحقیق کی چھانی سے چھان کر نہایت ہی سادہ انداز میں عاشقانِ شیخ اکبر اور ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے جو اس ابدی ولا فانی ہدایت الٰہی سے دنیا اور آخرت میں اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح کے خواہاں ہیں۔

ہمیں یہ بتاتے ہوئے بھی خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ ایڈیشن اس وقت روئے زمین پر اس کتاب کا مستند ترین اور مصدقہ ایڈیشن ہے۔ اس سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل گزارشات آپ حضرات کے پیش نظر کرتے ہیں:

آج سے پہلے یہ کتاب عالمی افق پر متعدّد بار شائع ہو چکی ہے، اور اس کی مندرجہ ذیل اشاعتیں معروف ہیں:

١. اس کا سب سے قدیمی ایڈیشن سن ١٩١٩ء میں نائبرگ کی تحقّق سے شہر لیڈن میں مطبع برل سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کی بنیاد اگرچہ ایک سے زائد مخطوطات پر تھی لیکن وہ قدیمی نہ تھے، لہٰذا متن میں سقم موجود رہا۔

٢. پھر عرب دنیا میں یہ کتاب مختلف اشاعتی اداروں کی جانب سے متعدّد بار شائع ہوتی رہی، ان میں مکتبہ بحسون ١٩٩٣ء، مکتبہ الثقافہ الدینیہ ١٩٩٨ء دار الکتب العلمیہ ٢٠٠٤ء اور سعید عبد الفتاح کی تحقیق سے سن ٢٠٠٢ء میں مکتبہ الانتشار سے شائع ہوئی۔ اگرچہ سعید عبد الفتاح نے اِس کتاب کی دوبارہ تحقیق کی لیکن مسئلہ وہی تھا؛ کہ مخطوطات

قدیمی نہ ہونے کے باعث متن میں اغلاط قائم رہیں۔ لہٰذا ایک بہتر اور مستند متن کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس کا اظہار محترمہ جین کلارک نے ہمارے ساتھ خط و کتابت میں بھی کیا۔

اِسی طرح اِس کتاب کے مختلف زبانوں میں متعدّد تراجم بھی ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں اسے سب سے پہلے ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا جو استنبول سے شائع ہوا۔ پھر سن ۱۹۹۲ میں مصطفی طاہر علی کا کیا گیا ترکی ترجمہ استنبول سے شائع ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں شیخ طوسن بیرک الجریری الخلوتی نے اس کے عربی مفاہیم کو انگریزی میں نقل کیا۔

جب سن ۲۰۰۸ء میں ہم نے ابن العربی فاؤنڈیشن سے اِس کتاب کا ترجمہ شائع کیا تو اس وقت ہمارے سامنے دو سے تین عربی ایڈیشن موجود تھے، اور ہم نے مقدمے میں یہ بات لکھی تھی کہ ہم کافی حد تک اس کتاب کے عربی متن سے مطمئن ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہم عربی متن کی تحقیق میں شامل ان باریکیوں سے آگاہ نہ تھے جو کسی متن کی تحقیق میں اپنائی جاتی ہیں یا جن کی بدولت کسی متن پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں جب ہم نے ابن العربی فاؤنڈیشن میں شیخ اکبر کی کتابوں کے مستند عربی متون پر کام شروع کیا تو ہماری یہ خواہش تھی کہ اپنی طبع شدہ اولین کتب کو بھی اس نئے انداز کے ساتھ شائع کیا جائے، تاکہ پچھلی طبعات میں رہ جانے والی خامیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اسی خیال کے پیش نظر ہم نے اس کتاب کے عربی متن پر کام سن ۲۰۱۳ء میں شروع کیا۔

منہج تحقیق عربی متن

اسے حسن اتفاق کہیے یا غیبی امداد کہ ابن عربی سوسائٹی کے تعاون سے ہمیں اس کتاب کے بہترین مخطوطات میسر آئے، جن میں سب سے اہم نسخہ یوسف آغا + چوروم ہے۔ مغربی خط میں لکھا یہ نسخہ نہایت ہی واضح تھا۔ ہم نے اسے نسخہ ام قرار دیا اور اس سے متن کی تیاری کا کام شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ متن کافی حد تک قابل بھروسا تھا۔ دوسرے مرحلے میں ہم نے اِس عربی متن کا دیگر تین یا چار نسخوں سے موازنہ کیا۔ ایک ایک لفظ کو چاروں نسخوں

میں دیکھا، کمی بیشی کو حاشیے میں لکھا اور اشکالات اور ابہامات کا ازالہ کیا۔ مخطوطات کے تقابل کا عمل صبر آزما ہوتا ہے لیکن اُس پاک ذات کی توفیق اور غیبی امداد شامل حال رہے تو ہر مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا ہے۔ عبارت کو حتمی شکل دینے کے لیے ہمارے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم اسے عبد العزیز المنصوب کے پاس یمن روانہ کریں اور وہ اِس کی نوک پلک سنواریں، اعراب اور علامات وقف کو چیک کریں اور آخری حتمی قابل اشاعت عبارت ہمارے سپرد کریں۔ اللہ کے کرنے سے یہ مرحلہ بھی نہایت خوبی سے سرانجام پایا۔ اس کے بعد ہم نے اسے سن ۲۰۱۴ء میں شائع کیا۔

اس کے بعد ہم دیگر کتب پر کام کرتے رہے اور سن ۲۰۱۸ء میں ہمیں ابن عربی سوسائٹی سے پتا چلا کہ انہیں اس کتاب کے مزید قدیمی نسخے ملے ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہ ارادہ کر لیا کہ اگلی اشاعت پر اس متن کو ان قدیمی مخطوطات سے ہم آہنگ کر کے شائع کیا جائے گا تاکہ کتاب میں اگر کوئی غلطی رہ گئی ہے تو وہ بھی نکال دی جائے۔ پھر سن ۲۰۱۹ء میں ہمیں مدینہ منورہ سے ایک صاحب نے اس کتاب کا ایک ایسا نسخہ بھیجا جس پر شیخ اکبر کے دستخط موجود تھے اور جو شیخ کے سامنے پڑھا گیا تھا۔ اسی طرح ابن عربی سوسائٹی نے بھی ہمیں سماعات والا ایک قدیمی نسخہ بھجوایا۔ یوں سن ۲۰۲۰ء میں کتاب کے تیسرے ایڈیشن اور متن کی از سرِ نو تحقیق کے کام کا آغاز ہوا۔

آج اس کام کے اختتام پر ہم اللہ کے شکر گزار ہیں کہ اس کی توفیق اور شیخ اکبر کی توجہات کے باعث کتاب کا متن تین ایسے نسخوں سے نقل کیا گیا ہے جو شیخ کے سامنے پڑھے گئے ہیں اور جن میں سے دو تو آپ کے ساتھیوں کی روایت ہیں۔ ۱- محمد بن یر نقش المعظمی کی روایت ہے، ۲- عبد الرحمن بن علی بن محمد اللواتی کی روایت ہے۔ اب ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ روئے زمین پر شائع شدہ حالت میں یہی اس کتاب کا سب سے بہتر متن ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک اعزاز کی بات ہے کہ شیخ اکبر محیی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی ترویج میں ابن العربی فاونڈیشن بین الاقوامی اداروں کو لیڈ کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنے تمام قارئین کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اردو ترجمہ منہج

سن ۲۰۰۸ء میں ہم نے اس کتاب کا پہلا اردو ترجمہ شائع کیا تھا، اور ہر اولیت ایک اعزاز ہوتی ہے۔ آج ۱۲ سال بعد بھی اردو میں اس کتاب کا یہی ایک ترجمہ دستیاب ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ وہ اِن شائع شدہ متون سے ترجمہ ہوا تھا لہذا اس میں بہتری کی گنجائش باقی تھی۔ پھر سن ۲۰۱۳ء میں طے یہ پایا کہ کتاب کا اول سے آخر تک ایک جدید ترجمہ کیا جائے گا۔ اِس کا بنیادی مقصد تو یہی تھا کہ اغلاط کو کم سے کم کیا جائے اور ترجمے کو مزید سلیس بنایا جائے۔ ہمارا یہ دوسرا ترجمہ بھی بہت بہتر تھا لیکن شیخ کے اسلوب سے ہٹ کر تھا۔ ترجمے میں روانی بالکل بھی نہ تھی، لہذا سن ۲۰۲۰ء میں اس کتاب کے ایک نئے ترجمے کی بنیاد رکھی گئی۔ اب اس جدید ترجمے کی خصوصیت اسلوب شیخ کی پیروی ہے؛ مثلاً نص میں جہاں مسجع و مقفیٰ رنگ ہے ترجمے میں بھی وہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جہاں شیخ حقائق کی بات کرتے ہیں وہاں ترجمے میں بھی وضاحت کو اولین ترجیح حاصل ہے۔ جہاں آپ نے عربی روزمرہ اور محاورے کا استعمال کیا ہے ترجمے میں اردو روزمرہ اور محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ غرض اپنی طرف سے پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ بھی اسلوبِ شیخ سے ہٹنے نہ پائے۔

پھر اس جدید ترجمے کی ایک اور خصوصیت اس میں موجود ہر لفظ کا اردو زبان کی معیاری کتب لغت سے تصدیق شدہ ہونا ہے۔ آپ کو اِس ترجمے میں استعمال شدہ ٪۹۹ فیصد الفاظ لغت کی کتابوں میں مل جائیں گے، جس کا فائدہ یقیناً عام قاری کو ہے۔ شیخ اکبر کے قدیمی تراجم پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان میں موجود اردو الفاظ لغت کی کتابوں میں بھی نہیں ملتے تو عبارت کا مطلب کہاں سمجھ آئے گا لیکن ہماری اس کتاب میں ہر لفظ کو مستند کتب لغت سے تصدیق کے بعد شامل کیا گیا ہے۔

ہم نے اس عبارت کو اشاعت کے بنیادی اصولوں سے مزین کر کے شائع کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. عربی عبارت میں موجود تمام قرآنی آیات کی حاشیے میں تخریج کی گئی ہے۔
۲. کتاب کے موضوعات کی اردو فہرست مرتب کی گئی ہیں۔

۳. کتاب کے آخر میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ، شخصیات اور کتب کا انڈیکس مرتب کیا گیا ہے تا کہ کسی بھی موضوع پر آسانی سے پہنچا جا سکے۔

۴. ایک خوش قسمتی یوں بھی ہمارے شامل حال رہی کہ اس کتاب پر دوبارہ کام کے دوران اس کی ایک نہایت ہی مستند شرح ہمارے ہاتھ لگی۔ یہ شرح شیخ عبد الغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ البیتامی نے لکھی ہے جو کہ متن کتاب سے دوگنا ضخیم ہے۔ شرح نے ہماری مدد اس طرح سے کی کہ جن مشکل مقامات پر حواشی کی ضرورت تھی وہ حواشی ہم نے اسی شرح سے اخذ کر لیے۔ ان حواشی کو لکھنے میں صرف وہی عبارات اخذ کی گئی ہیں جن کو اصل متن کی شرح محسوس کیا گیا ہے، عبارتی تسلسل کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی مگر یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ عبارت بھی اپنے اصل سیاق و سباق سے نہ ہٹنے پائے۔

۵. کتاب کا ترجمہ نہایت سلیس رکھا گیا ہے اور ہر مشکل عربی لفظ کے مقابل اردو لفظ لانے کی کوشش کی گئی ہے الّا یہ کہ وہ شیخ اکبر کی اصطلاح ہو۔ اردو ترجمے میں مفاہیم کی روانی اور سلاست پر توجہ دی گئی ہے لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مکمل ترجمہ کماحقہ کرنا ناممکن ہے۔ عربی متن ساتھ پیش کرنے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ کلام سے دلیل پکڑنے کی غرض سے اصل عربی سے رجوع کیا جائے اور ترجمے کو صرف فہم کا ایک ذریعہ سمجھا جائے، بلکہ جو حضرات عربی پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں انہیں عربی متن ہی پڑھنا چاہیے۔

۶. علوم شیخ اکبر کے ترجمے کا حق ادا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں، اور نہ ہی ہمارا یہ دعوی ہے۔ ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ ترجمہ شیخ اکبر کی عمومی فہم کے مطابق سلیس اور آسان ہو، لیکن اگر کسی مقام پر ہم عربی متن اور ترجمے کو شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کے مطابق پیش نہیں کر سکے تو ہم ان سے معافی کے خواستگار ہیں۔

۷. کتاب کو بڑے سائز پر بہترین صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اشاعت کتاب کے سلسلے میں بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھا گیا ہے۔

ہمیں نہایت خوشی ہے کہ اُس پاک ذات نے ہمیں اپنے عزم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دی، بیشک محض اس کی توفیق اور عطا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد، شیخ اکبر کے فیض اور اپنے مرشد کی

نظر کرم سے ہی ہم اِس منزل کو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہماری نیتیں ٹھیک رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا ہونے سے بچائے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸) یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہمارے اِس عمل کا بنیادی مقصد تیری رضا کا حصول اور لوگوں تک حق بات کا پہنچا دینا ہے، اِس لیے ہمارے عمل کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخش اور ہمیں آئندہ بھی اُن اعمالِ صالحہ کی توفیق دے جو ہمارے لیے تیری طرف سے اِس عمل کی قبولیت کی ایک نشانی ہوں۔

ابرار احمد شاہی

جون ۲۰۲۰ء

تعارف کتاب

التدبیرات الالٰہیہ کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے شیخ اکبر لکھتے ہیں: جب میں نے شہر مورور میں شیخ ابو محمد موروری سے ملاقات کی تو ان کے پاس "سر الاسرار" نامی کتاب دیکھی۔ اس کتاب کے مؤلف نے اس میں دنیاوی مملکت کی تدبیر پر بات کی تھی، شیخ ابو محمد موروری نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں انسانی مملکت پر اس سے ملتی جلتی کتاب لکھوں، لہذا آپ کی فرمائش پر شہر مورور میں صرف چار روز کے عرصے میں میں نے یہ کتاب لکھی۔

یہ ایسی کتاب ہے جس سے خاص اور عام سبھی نفع اٹھاتے ہیں، کہ اس سے بادشاہوں کا خادم اُن کی خدمت میں اور اُخروی سعادت کا متمنی اپنی اصلاح میں نفع پاتا ہے۔ اس کتاب میں شیخ اکبر نے حاضراتِ انسانی کی منزل کو بیان کیا ہے؛ ان حقائق پر روشنی ڈالی ہے جو حضرتِ انسان کی میراث ہیں، اُن اشارات کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے جن میں انسان کی پہچان ہے۔ صوفیائے کرام ہمیشہ سے انسان کو اپنے نفس پر غور کرنے کی دعوت، آفاق کے مشاہدے سے نکل کر انفس کی گہرائیوں میں غرق ہونے، دوئی کی تفریق سے نکل کر یکتائی میں محو ہو جانے کا درس دیتے آئے ہیں۔

محققین کا کہنا ہے: اے بندے! یہ کائنات تجھ میں موجود ہے، تو غور کیوں نہیں کرتا؟ ﴿اور خود تم میں (نشانیاں ہیں) کیا تم غور نہیں کرتے﴾ (الذاریات:۲۱) یہ ایک اجمالی قول ہے جس سے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اپنی ذات میں کائنات کا مشاہدہ کیسے کیا جائے؟ اِس کا جواب دیتے ہوئے شیخ اپنی کتاب "مواقع النجوم" میں فرماتے ہیں: جب کوئی صوفی یہ کہتا ہے کہ "میں کائنات کا نسخہ ہوں" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو کچھ اس بڑی کائنات میں ہے وہی سب ہر وقت اِس صوفی میں بھی موجود ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے اُس میں ہر اُس چیز کو قبول کرنے کی استعداد ہے جو دیگر موجودات میں نہیں۔ ہاں کائنات کی اکثر اشیا اِس میں اپنا وجود بھی رکھتی ہیں۔

اِس کتاب میں شیخ اکبرؒ نے کائنات کو انسانِ کبیر اور انسان کو کائناتِ صغیر کہا ہے، دلائل سے ثابت کیا ہے کہ انسان اِس کائنات کی روح ہے۔ جیسے روح جسم کی تدبیر کرتی ہے ویسے ہی انسان کائنات کا مدبر ہے، خالق کا نائب ہے، خالق سے فیض لے کر ادنی موجودات تک پہنچانا اس کی ذمہ داری ہے، کہ اسے منصب خلافت اور امامت عطا ہوا۔ پہلے باب میں شیخ اکبر نے روح کی ماہیت پر حکما اور عقلا کے اقوال کو جمع کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی قول کو مرجح قرار نہیں دیا۔ بس اتنا کہا ہے: جب اللہ نے روح کو ایجاد کیا تو اسے کہا، تو آئینہ ہے اور تجھ سے موجودات کو دیکھا جائے گا، تو آئینہ ہے اور تجھ میں اسماوصفات کو دیکھا جائے گا، تو مجھ پر دلیل ہے، تو میرا خلیفہ ہے، اب اس مملکت میں ہونے والے تمام حوادث کا تجھ سے پوچھا جائے گا۔

اس کے بعد حاضرت جسم کا باب ہے، جسم انسان کا قیام اسطقسات اور عناصر پر ہے۔ پھر عقلی اور شرعی دلائل سے بتایا کہ اس شہر جسم میں روح کا مقام قلب ہے نہ کہ دماغ۔ اللہ فرماتا ہے: میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہ سما سکا، جبکہ میں اپنے مومن بندے کے قلب میں سما گیا۔

پھر اس روح کا ایک ماتحت ہے جسے شیخ اکبر نے نفس کا نام دیا ہے۔ یہ پاکی ناپاکی کی جا اور امر و نہی کا مرکز ہے، یہ وہ مبارک رات ہے جس میں ہر پر حکمت معاملے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ ہر وہ فعل ہے جس میں موجودات میں سے کسی موجود کا حصہ ہے۔ یہ روح کا نائب اور اس کا ماتحت ہے۔ اگر یہ روح کی تابعداری کرے تو مملکت میں سکون اور آسودگی ہے لیکن اگر یہ اپنی من مانی کرے تو شہر جسم کی تباہی اور بربادی ہے۔

پھر شہر جسم میں روح کے مقابل ایک امیر ہے، اپنے لاؤ لشکر اور حاشیہ برداروں کے ہمراہ بے نظیر ہے۔ یہ روح کا حریف اور ہم پلہ ہے اور اس کا نام خواہش پُر تاثیر ہے۔ شہر جسم کے غیر آباد علاقوں میں اس کی حکمرانی اور تسلط ہے۔ یہ نفس پر فریفتہ ہے اور اِس کا کام نفس کو ورغلانا اور اپنے دام میں پھنسانا ہے۔ یہ شہر جسم پر کامل تسلط چاہتا ہے، لہذا نفس کو اپنے ساتھ ملاتا ہے، اسے روح کے خلاف بھڑکاتا ہے اور کسی نہ کسی صورت غدر چاہتا ہے۔

مزید اس شہر جسم میں روح کا ایک وزیر ہے، جس کی ذمہ داری مملکت کا نظم و نسق چلانا اور مملکت کے کونے کونے پر نظر رکھنا ہے۔ شہر جسم میں اس کا مسکن دماغ ہے۔ یہ روح کا وزیر

اور مشیر ہے۔ بقول شیخ اکبر: روح کو اپنے وزیر کی حفاظت کرنی چاہیے کہ اس کی بقامیں مملکت کی بقاہے۔ اس سے تمام امور مملکت میں مشورہ کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس کی رائے میں پختگی اور استحکام رکھاہے۔

پھر اس شہر میں ایک قاضی ہے، اس کا نام عدل ہے کہ یہی مملکت کی حیات ہے، یہ اللہ کا وہ میزان ہے جو زمین میں رکھا گیا اور جس سے روز قیامت وہ لوگوں میں فیصلہ کرے گا۔ اگر مملکت جسد ہے تو عدل اس کی روح ہے اور عدل کے بغیر مملکت خراب اور تباہ ہے۔

شہر جسم کا سب سے اہم منصب منصبِ کتابت ہے۔ یہ کاتب کا مقام اور مستقر ہے، اور کاتب ایک لطیف، کریم اور شریف موجود ہے، یہ نبی ادریس علیہ السلام کا ہم راز ہے، خلیفہ نے اسے خود سے مخصوص کیا اور اپنے انس کا ساتھی بنایا۔ شیخ فرماتے ہیں کاتب ایسا ہونا چاہیے کہ وہ عالم غیب کے اسرار چھپائے اور اپنی کتب میں وہی عبارات لائے جن کا انجام بہتر پائے، وگرنہ ذو معنی الفاظ کا استعمال یقینی بنائے، اور امام کے سامنے احتمالات رکھے، کاتب کی مہارت اور دانائی یہ ہے کہ حروف اور معانی میں برابری لائے، ایسے الفاظ کا چناؤ کرے جو سیدھے دل سے ٹکرائیں۔ کیونکہ مملکت کی نجات اسی کے ہاتھ ہے۔

اس کے بعد شہر جسم میں عاملین اور اصحاب محصولات ہیں، یہ تیرے حواس اور اعضا ہی ہیں۔ انہی سے اعمال سرزد ہوتے ہیں اور یہی مملکت کی نجات یا ہلاکت میں ذمہ دار ہیں۔ اعضا کے ادراکات حواس کے تابع ہیں، اور حس قوت خیال کی ماتحت ہے، خیال میں فاسد بھی ہے اور صحیح بھی، خیال ذکر کے تابع ہے، ذکر فکر کے تابع ہے اور فکر سلطان عقل کے تابع ہے۔ عقل تیری وزیر ہے اور تو بادشاہ ہے۔ تیرا کام ان سب کو اپنے تابع رکھنا ہے نہ کہ ان کے تابع ہو جانا، کہ ایسی صورت میں تیری مملکت کی تباہی اور بربادی ہے۔

تیرے عاملین کا قائد، ان کا منتظم اور مہتمم ایسا ہونا چاہیے جو حکمت عملی سے امور حکومت چلائے، جو تیرا کہا مانے اور تیرے حکم پر سب کو تابع بنائے، حکم کی بجا آوری کرے اور عدل و انصاف اپنائے۔ بقول شیخ یہ قائد اور منتظم علم ہی ہے اور اس کے ماتحت ثابت قدمی، میانہ روی، دوراندیشی اور نرمی ہیں۔ کہ جب یہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ جائے گا تو بہترین حکمت عملی سے نظامِ

عدل اپنائے گا۔ یہ صاحب بصیرت ہے، رعایا پر اتنا ہی بوجھ ڈالے جتنی اُن میں سکت ہے، اور بیشک تو اس کے نتیجے کو سراہے گا۔

پھر شہر جسم میں باغیوں کی جانب بھیجے گئے سفیر اور ایلچیوں کا بیان ہے۔ شیخ اکبر کے بقول وہ سفیر اور ایلچی یہ ہیں: توفیق، ہدایت، تفکیر، اعتبار، تدبیر، ثابت قدمی، میانہ روی، دور اندیشی، طلب بصیرت، یاد دہانی، خوف، امید، انصاف یا پھر اِن جیسے اوصاف والے، تیرے سفیروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اس کے بعد فوجی کمان داروں اور سپاہیوں کے مراتب کا بیان ہے۔ شیخ نے چاروں اطراف چار خواص کو تعینات کیا ہے۔ یہ اپنے فوجیوں اور سپاہیوں کے ہمراہ اس جہت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ جہات اور ان پر تعینات فوجی کمان دار یہ ہیں: خوف کو اپنے دائیں جانب تعینات کر، امید کو بائیں جانب، علم کو سامنے اور تفکیر کو اپنے پیچھے تعینات کر۔

اگلا باب جنگی حکمت عملی اور فوجی ترتیب کا ہے۔ جس میں بادشاہ اور بادشاہت دونوں کی حفاظت کا بیان ہے، بادشاہ ہے تو بادشاہت ہے، لہذا بادشاہت کی حفاظت بادشاہ کی حفاظت سے ہے۔ جب بھی جنگ کے لیے جا خود اس کی نگرانی کر صرف اپنے نائب اور فوجی بھیج کیونکہ دشمن تجھ سے لڑنے کا دم خم نہیں رکھتا وہ تو بس غدر سے تیری مملکت ہتھیانا چاہتا ہے، لہذا بغاوت سے چوکنا رہ۔

اس کے بعد ان مخفی رازوں کا بیان ہے جس سے دشمن اس شہر پر فتح یاب ہو سکتا ہے، اس میں عدد چار کو خاص اہمیت دی گئی ہے، پھر طاق اور جفت اعداد کی حقیقت بتائی گئی ہے، توحید احدیت اور توحید فردانیت کا فرق بتایا گیا ہے۔ یہ وہ اشارات ہیں جو کوئی عارف ہی سمجھ سکتا ہے۔

پھر انسانی مملکت کی بقا میں جسمانی اور روحانی غذاؤں پر بات ہے، سال کے موسموں کی تاثیرات اور نفس پر ان کے اثرات کا بیان ہے۔ مادی اور معنوی غذاؤں سے جسد اور عقل کی درستگی کے اشارات ہیں۔ علوم اور اعمال کی بحث ہے، سختیوں اور مصیبتوں کا بیان ہے۔

اگلا باب انسان میں رکھے گئے اسرار اور سالک کے احوال کی آگاہی ہے۔ اس کے پانچ ذیلی ابواب ہیں اور اسی پر کتاب کا اختتام ہے۔

سب سے پہلے مناسبت و اضافت کا باب ہے جس میں مناسبت کی دو اقسام ہیں، ظاہری اور باطنی مناسبت کا بیان ہے۔ پھر انسان اور عالم کی مشابہت کی داستان ہے۔ شیخ اکبر نے چار عوالم کا ذکر کیا ہے: ۱- عالم اعلی، ۲- عالم تغیر، ۳- عالم آباد کاری، ۴- عالم اضافت۔ ہر عالم میں موجود اشیا کی انسان سے مشابہت درج کی ہے۔

مشابہت کی چند مثالیں یہ ہیں: جیسے کائنات میں بڑھنا ہے تو اس کی مثال انسان میں ناخن اور بال ہیں۔ کائنات میں چار عناصر ہیں تو انسان کی تخلیق بھی چار اخلاط سے ہے۔ کائنات میں درندے اور وحشی جانور ہیں تو انسان میں بھی قہر غضب کمین اور حسد ہے۔ کائنات میں نیک روحیں اور فرشتے ہیں تو انسان میں اعمال صالحہ ہیں۔ زمین میں موجود پہاڑوں کی مثال انسان میں ہڈیاں ہیں۔ بہتے دریاؤں کی مثال اس کی رگوں میں دوڑتا خون ہے۔ جیسے کائنات میں سورج ایک روشن چراغ کی مانند ہے تو جسم کی زمین میں روح کی روشنی ہے؛ جب یہ جسم سے جدا ہوتی ہے تو جسم اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر کائنات میں چاند ہے تو انسان میں اس کی مثال قوتِ عقل ہے؛ جیسے چاند سورج سے روشنی اخذ کرتا ہے ویسے ہی عقل روح سے نور اخذ کرتی ہے۔ جیسے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے ویسے ہی عقل عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے اور پھر بڑھاپے میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ عالم علوی میں موجود عرش جو اسم الرحمن کی جائے استوی ہے اس کی مثال جسم انسانی میں قلب ہے جو کہ اسم اللہ کے استوی کا مقام ہے: "میں زمین اور آسمان میں نہ سما سکا لیکن اپنے مومن بندے کے قلب میں سما گیا۔"

اس کے بعد پتھروں کے خواص اور روحانی قوتوں کا تذکرہ ہے۔ اگلا باب بصیرت کی آنکھ سے عقل میں سرایت کر جانے والے نور سے متعلق ہے۔ کہ اس نور سے انسان عین الیقین اور حق الیقین کی طرف رہنمائی پاتا ہے۔ اس کے بعد انوارات کا بیان ہے جو نور حیات، نور عقل اور نور یقین ہی ہیں۔ پھر ان انوارات کے حجابات اور امراض کی آگاہی ہے۔ اگلے باب میں لوح محفوظ اور لوح محو و اثبات پر گفتگو ہے۔ اس کے بعد سماع کے اثرات اور حرکت کے اسباب کے مطالب ہیں۔ یہاں شیخ نے سماع عقل اور سماع نفس میں فرق کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں آپؒ نے مرید اور سالک کو بہت سی وصیتیں کیں ہیں جو راہ سلوک میں

فائدہ مند ہیں۔ اس باب کا پہلا حصہ آداب مرشد، جبکہ دوسرا حصہ تلاش مرشد سے متعلق ہے۔ آداب مرشد کا قاعدہ ہے کہ مرشد کے سامنے ایسا بن جا جیسے غسال کے ہاتھ میت ہوتی ہے، اور تلاش مرشد کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں پر نادم ہو کر رب کی طرف رجوع کر۔ نیکی کے کسی عمل کو حقیر مت جان، کیونکہ یہ منفعت کی راہ ہے، یہاں وہی برباد ہوا جو اپنی بربادی کا خواہاں ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس علم لدنی کے سمندر کے سامنے ہمارا سینہ کھول دے، ہمیں شیخ اکبر کی اصل محبت عطا فرمائے، اور شیخ کے علوم کو درست طریقے سے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

مخطوطات "التدبیرات الالٰہیہ"

التدبیرات الالٰہیہ کے اِس جدید متن کی بنیاد چھ سے زائد مخطوطات پر ہے۔ اور ہم نے انہیں دو زمروں میں تقسیم کیا ہے:

مخطوطات درجہ اول:

پہلے درجے کے مخطوطات سے مراد وہ نسخے ہیں جو براہِ راست نسخۂ اصلی سے نقل شدہ ہیں، یا جن کی کتابت شیخ کی حیات یا وفات کے ایک صدی کے اندر اندر ہوئی۔ یہ بہترین متن پیش کرتے اور زیادہ تر نسخہ اصلی سے نقل شدہ ہوتے ہیں۔ متن کی تیاری میں زیادہ بھروسا انہی مخطوطات پر ہوتا ہے۔ ان کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:

مخطوط چوروم ۷۵٦ اور یوسف آغا ۴۸۵۹ (رمز: ی): ایک جائزہ

ترکی کے دو مختلف کتب خانوں میں موجود یہ دو مخطوطات در حقیقت ایک ہی مخطوط کے دو حصے ہیں۔ التدبیرات الٰہیہ کا پہلا حصہ مخطوط چوروم ۷۵٦ میں ہے۔ یہ کل ملا کر ۸۹ صفحات ہیں جو باب نمبر ۱ سے لے کر باب نمبر ۱۷ تک ہیں۔ اور اسی مخطوط کا دوسرا حصہ یوسف آغا ۴۸۵۹ میں ہے جو باب نمبر ۱۷ سے لے کر کتاب کے اختتام تک کا حصہ ہے۔ یوں یہ دونوں حصے مکمل متن کتاب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ہم ان دونوں حصوں کو ایک مخطوط تصور کرتے ہیں۔

جب ہم نے سن ۲۰۱۳ میں یہ مخطوط عبد العزیز سلطان المنصوب کے سامنے رکھا تھا کہ وہ اِس پر ہماری رہنمائی کرتے تو ان کا پہلا تاثر یہی تھا کہ یہ شیخ اکبر کے ہاتھ کی لکھی تحریر ہے۔ میں نے ان سے مزید تحقیق کا مطالبہ کیا تاکہ اس نسخے کو شیخ اکبر سے منسوب کرنے سے پہلے تحقیق کے تمام تقاضے مکمل کیے جائیں۔ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو میری طرف بھیجی گئی اپنی ای-میل میں انہوں نے کہا تھا: "ابرار بھائی! میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں اور میری ٹیم اس بات پر

پوری طرح سے مطمئن ہے کہ یہ شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھا نسخہ ہی ہے۔ اور ہماری یہ بات کوئی ہوائی بات نہیں کیونکہ ہم لوگ شیخ اکبر کی طرز تحریر کو گہرائی سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے گزشتہ ۶ برس شیخ اکبر کی تحریر کے ساتھ بسر کیے ہیں، گیارہ ہزار صفحات (یعنی مکمل فتوحات مکیہ) سے زائد کی عبارت کو ایک سے زائد مرتبہ پڑھا ہے۔ لہٰذا ہم لوگ اسی بات پر متّفق ہوئے ہیں کہ اسے شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھا نسخہ ہی سمجھا جائے۔"

ان کے اس جواب سے مجھے کچھ تسلی ہوئی لیکن پھر بھی مزید وضاحت کے لیے میں نے ان کے سامنے یہ سوالات رکھے:

۱. میں نے پوچھا یہ کتاب کب تحریر کی گئی؟ آپ فرماتے ہیں: شیخ اکبر نے اپنی کتاب مواقع النجوم میں اس کا تذکرہ کیا ہے جو سن ۵۹۵ھ میں لکھی گئی۔ اس بات سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۵۹۱ھ - ۵۹۳ھ کے درمیان لکھی گئی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب آپ نے تالیف وتدوین کا کام شروع کیا۔ آپ نے یہ مدت اندلس میں ہی گزاری تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۹۰ سے لے کر ۵۹۵ ہجری تک کا عرصہ شیخ اکبر نے شمالی افریقہ یعنی کہ الجزائر، مراکش اور تیونس کے سفر میں گزارا۔

۲. اگر یہ شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھا نسخہ ہے تو کیا یہ وہی نسخہ ہے جو آپ نے شہر مورور میں چار ایام میں تحریر کیا یا پھر یہ اس سے نقل شدہ ہے؟ اس سوال کا جواب آپ فوراً تو نہ دے سکے لیکن چند روز بعد آپ نے یوں جواب دیا: آج دوبارہ اس نسخے کے صفحات کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ اس کتاب کا نسخۂ اصلی نہیں ہے بلکہ یہ بعد میں نقل ہوا ہے کیونکہ اگر آپ اس میں حواشی پر غور کریں تو آپ کو صفحہ ۶۵ میں "بلغت المقابلہ" صفحہ ۳۳، ۷۰ اور ۷۵ میں "بلغت" اور صفحہ نمبر ۱۵، ۱۶، ۲۵، ۳۵، ۴۵، ۵۰، ۵۵، ۶۵ اور ۷۵ میں "بلغ" کے الفاظ ملتے ہیں۔ مقابلہ یا موازنہ صرف کسی قابل بھروسا نسخے سے ہی کیا جاتا ہے، جبکہ مولف کے لیے سب سے زیادہ قابل بھروسا نسخہ اس کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ امر خارج از امکان نہیں کہ آپ نے نسخۂ اصلی؛ جو شیخ ابو محمد عبد اللہ الموروری کی فرمائش پر لکھا گیا تھا، انہیں ہی ہدیہ کر دیا ہو۔

۳. میں نے سوال کیا: اس نسخے پر کاتب کا نام یعنی کہ ختم کی عبارت درج نہیں؟ اس کی ایک

وجہ تو واضح ہے کہ کتاب کا یہ دوسرا حصہ چوری ہو گیا تھا، خدا جانے اب یہ حصہ کس کے پاس ہے! ہمیں جو مائیکرو فلم حاصل ہوئی ہے وہ کتاب کی حد تک تو مکمل ہے لیکن اس کے بعد والا آخری صفحہ غائب ہے، ممکن ہے کہ اسی آخری صفحے پر شیخ اکبر کے دستخط بھی ہوں اور ختم کی عبارت بھی ہو۔

لیکن جب ہم ابن عربی سوسائٹی کی ارکائیو میں اس نسخے کے بیانات پڑھتے ہیں تو یہ بات واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ شیخ اکبر کا نسخہ نہیں بلکہ وہ اسے "شاید" کے زمرے میں رکھتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ شہر موردر میں لکھا گیا نسخہ نہیں ہے۔ کیونکہ متن میں ان کتب کا حوالہ بھی موجود ہے جو شیخ اکبر نے بہت بعد میں تصنیف کیں، جیسے کشف المعنی عن سر اسماء اللہ الحسنی، انشاء الجداول، مناہج الارتقاء اور دیگر کتب۔ کشف المعنی تو بہت بعد میں لکھی گئی۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ شیخ اپنی کتب میں حذف اور اضافے سے کام لیتے رہتے تھے۔ پہلے مسودے میں کچھ چیزیں شامل کرتے تو کچھ نکال دیتے۔ ان سب کے خاطر خواہ شواہد ملے ہیں۔

خلاصہ کلام

مجموعہ یوسف آغا تین کتب پر مشتمل ہے، جس میں تدبیرات الٰہیہ، کتاب العبادلہ اور کتاب الاسفار شامل ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ مجموعہ چوری ہو گیا ہے اب صرف مکتبہ میں اس کی مائیکرو فلم موجود ہے جس میں صفحات کی ترتیب متاثر نظر آتی ہے۔ یہ مکمل مجموعہ شیخ صدر الدین قونوی کے مکتبہ کی زینت تھا اور فتوحات مکیہ کی طرح صدیوں اس مکتبے میں محفوظ رہا۔ ابن العربی فاونڈیشن کہ لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اس کتاب کی تحقیق میں اسی نسخے کو شامل کر کے بہترین عبارت اپنے قارئین کے لیے شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی ہمارا یہ عمل اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔

نسخہ لیڈن or87: (رمز: ل)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ اس کتاب کا بہترین نسخہ ہے۔ نسخے کے سرورق پر ہمیں جلی خط میں عنوان کتاب کے بعد یہ عبارت ملتی ہے: إنشاء الشيخ الإمام ... محمد ابن علي بن محمد العربي

الطائي الحاتمي الأندلسي، ختم الله له بالحسنىٰ. رواية عبد الرحمن بن علي بن محمد اللواتي، صاحبه عنه. جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ شیخ اکبر کے ساتھی عبد الرحمن بن علی بن محمد اللواتی کی روایت ہے اور انہی کے خط میں ہے۔ پھر اس کے نیچے اسی خط میں ایک سماعت ہے۔ سمع جميع كتاب التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية علىٰ منشئه الشيخ الإمام العالم المحقق أبي عبد الله محمد بن علي بن محمد ابن العربي الطائي الحاتمي ثم الأندلسي، ختم الله بالحسنىٰ، الشيخ شرف الدين أبو حامد عبد الله ... والفقيه برهان الدين عبد الله ابن علي بن أحمد الخولاني بقرأة ... إسماعيل بن سودكين النوري. وسمع بعضه جماعة ... المقري الموصلي، والفقيه... وأجازهم الشيخ ... مجالس آخرها السابع من سفر سنة ... جرىٰ الأمر علي ما ذكر وكتب ... في

اس سماعت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ نسخہ نہ صرف شیخ اکبر کے نسخے سے نقل شدہ ہے بلکہ اسے شیخ اکبر کے سامنے پڑھا بھی گیا ہے اور اس سماعت میں متعدّد اصحاب نے شرکت کی جن میں سب سے اہم آپ کے شاگرد اسماعیل ابن سودکین النوری ہیں۔ آخر میں مولف کی جانب سے اس سماعت کی توثیق بھی شامل ہے۔ لہذا یہ نسخہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

اگر ہم اس نسخے کو دیکھیں تو بہت خوبصورت انداز میں لکھا گیا خط ہے۔ عنوانات جلی خط میں واضح کیے گئے ہیں اور حاشیے میں جا بجا تصحیح کے نشانات ہیں۔ اسی طرح حاشیے میں مشکل اصطلاحات کے معانی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ پھر نسخے میں متعدّد ابواب کے اختتام پر موازنہ اور سماعت کے آثار بھی ملتے ہیں، جس سے یہ تو واضح ہے کہ نسخہ سماعات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کا ایک مکمل نسخہ ہے اور بہت بہترین متن پیش کرتا ہے۔ ہماری تحقیق میں اسے نسخہ ام کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

نسخہ نیشنل لائبریری فرانس Arabe 5917:

نسخہ لیڈن کے بعد یہ نسخہ بہت اہمیت کا حامل ہے سرورق پر درج معلومات کے مطابق یہ شیخ اکبر محیی الدین ابن العربی سے محمد بن یرنقش المعظمی کی روایت ہے۔ اس نسخے کے کاتب کا

رسم الخط شیخ اکبر سے اس قدر مماثلت رکھتا ہے کہ بعض محققین دھوکا کھا جاتے ہیں، اور اسے شیخ کی کتابت ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ نسخے میں عنوانات کو جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔ ویسے تو کتاب مکمل ہے لیکن ابتدائی ۳ صفحات کے بعد ۴ صفحات دستیاب نہیں یہ کسی دوسرے شخص نے بعد میں نقل کر کے نسخہ مکمل کرنے کی غرض سے اس میں شامل کیے ہیں۔ اور ان کے متن پر بھی بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔

حاشیے میں کاتب ہر خاص مقام پر "اُنظر" کا لفظ استعمال کرتا ہے گویا کہ وہ ان مقامات کی اہمیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات لفظ "اُنظر" کے ساتھ ایک جملے میں اشارہ بھی کرتا ہے کہ عبارت میں کیا کہا گیا۔ اسی طرح حاشیے میں جابجا موازنہ کیے جانے کے آثار نمایاں ہیں۔ اور جو عبارات متن میں درج ہونے سے رہ گئیں وہ حاشیے میں لکھی گئی ہیں تاکہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ اسی طرح حاشیے میں جابجا "بلغت مقابلہ" اور "بلغت قراءۃ" کے آثار بھی ملتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نسخے کو لکھنے کے بعد اس کا اصل سے موازنہ بھی کیا گیا ہے۔

نسخے کے آخر میں یہ عبارت موجود ہے: وصلى الله على سيدنا محمد خاتم النبين وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم تسليما كثيرا كثرا .... [تم قراءة] الكتاب الموسوم بالتدبيرات الإلهيه على مصنفه الشيخ الامام العالم الراسخ المحقق محيي الدين أبو عبد الله محمد بن علي بن محمد بن العربي الحاتمي الطائي رضي الله عنه وأرضاه. وكتب محمد بن الحسن ... المقدسي الأنصاري عفا الله عنه. اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کتاب شیخ اکبر محیی الدین محمد ابن العربی کے سامنے پڑھی گئی ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں ایک اور قرأت بھی موجود ہے جس میں یہ کتاب بدر الدین ابی علی الحسن بن ھود المغربی کے سامنے پڑھی گئی، لیکن یہ سن ۷۸۴ ہجری کی بات ہے۔

متن کی تیاری میں ہم نے اس نسخے پر مکمل بھروسا کیا ہے اور اسے پہلے دو نسخوں جیسا ہی پایا ہے۔ ایک آدھ مقامات پر اس کا متن ہمیں دیگر نسخوں سے ممتاز محسوس ہوا لیکن زیادہ تر یہ ان جیسا متن ہی پیش کرتا ہے۔

مخطوطات درجہ دوم:

دوسرے درجے کے مخطوطات سے مراد وہ نسخے ہیں جو براہِ راست نسخہ اصلی سے نقل شدہ نہیں، یا جن کی کتابت شیخ کی وفات کے صدیوں بعد ہوئی۔ اگرچہ یہ بھی اچھا متن پیش کرتے ہیں لیکن ہم انہیں شواہد کے طور پر لاتے ہیں، بعض اوقات ان نسخوں میں اغلاط کی کثرت کے باعث تمام متغیرات حاشیے میں درج نہیں کیے جاتے۔

کوپرولو-۷۱۳ (رمز: ک)

یہ مخطوط جمادی الاولی سن ۶۶۳ ہجری میں شیخ اکبر کی وفات سے ۲۵ سال بعد شہر قونیہ میں نقل کیا گیا ہے۔ کاتب کا نام ابن حسین الموروی ہے، عبارت خط نسخ میں خوبصورتی سے تحریر کی گئی ہے اور بہت حد تک اعراب سے مزین ہے۔ نسخے پر جا بجا حاشیے میں موازنہ کیے جانے کے آثار موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل کرنے کے بعد بھی اس کو اصل نسخے سے چیک کیا گیا ہے۔ مخطوط میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ موجودہ حالت میں یہ مکمل نہیں؛ مخطوط کے صفحہ 22a پر آٹھویں باب کی عبارت چل رہی ہے لیکن 22b پر سترہواں باب شروع ہوتا ہے یوں بیچ کے ۸ ابواب نسخے سے غائب ہیں۔

مخطوط پر کہیں بھی وضاحت سے یہ درج نہیں کہ اسے کس اصل سے نقل کیا گیا ہے لیکن محققین کی رائے میں یہ مکمل مجموعہ ہی مخطوط یوسف آغا ۴۸۵۹ سے نقل شدہ ہے۔ نسخے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے: «والحمد لله رب العالمين وصلّى الله علىٰ سيّدنا محمد وآله أجمعين. تم الكتاب علىٰ يدي الفقير ابن المروري عفا الله عنه في شهر جمادىٰ الأولىٰ من سنة ثلاث وستين وستمائة وهو ابن خمسين سنة، غفر الله له بمدينة قونية».

یہ نسخہ بھی مجموعہ یوسف آغا کی طرح ہو بہو ویسے ہی ایک مجموعے کا حصہ ہے جس میں تدبیرات الٰہیہ، کتاب العبادلہ اور کتاب الاسفار شامل ہیں۔ حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعے کے آخری دونوں رسالے نسخہ اصلی سے نقل کیے گئے ہیں۔

نسخہ شہید علی-۱۳۴۱ (رمز: ش)

خط نسخ میں لکھا گیا یہ نسخہ اس رسالے کا ایک نہایت ہی عمدہ نسخہ ہے۔ نسخے پر جا بجا حاشیے میں ایک کثیر تعداد میں موازنہ کیے جانے کے نشانات موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل کرنے کے بعد اس کو دوبارہ اصل سے چیک کیا گیا ہے۔ بعض حواشی میں مختلف اور مشکل عربی الفاظ کے فارسی معنی لکھے گئے ہیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ نسخہ جس شخص کے پاس موجود رہا اس کی مادری زبان فارسی تھی۔ نسخے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے: «علّقه الفقير إلىٰ الولي الغني أبو الرضا بن سيد علي بن محمد الجويني في جمادي الآخرة لسنة أربع وعشرين وسبعمائة. وقصدت أن أعلّقه في مثل مدّة تصنيفه تأسّيا بالمصنّف، أعاد الله علينا وعلىٰ جميع المسلمين من بركاته. فاتفق مثل ذلك تقريبا والحمد لله حق حمده، والصلاة والسلام علىٰ نبيّه محمد وعبده، بمقام سميساطية دمشق. ثم أقول: رأيت في النسخة المنقولة عنها، أنّه زعم كاتبها نقلَها عن خط المصنف والمقابلة به، فقلّدت الأصل. وإن وقفتَ علىٰ مواضع ما كانت تتمشىٰ إما أترك أي حيز علىٰ ما ظننتُ حالة التحرير، ولعل ذلك يزول بالتأمّل علىٰ فراغ، وبالله التوفيق». جس سے معلوم پڑتا ہے کہ کاتب ابو الرضا بن سید علی بن محمد الجوینی نے اسے ماہ جمادی الثانی میں سن ۷۲۴ھ میں شہر دمشق میں نقل کیا۔ اس بارے میں کاتب نے شیخ اکبر کی اتباع کرنے کی کوشش کی اور چار دنوں میں ہی اسے مکمل نقل کیا۔ پھر کاتب نے اسے اس نسخے سے نقل کیا جس نے اسے شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھے نسخے سے نقل کیا تھا۔ موازنہ کرنے کے دوران کاتب کو جن احباب کا تعاون شامل رہا ان کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں ان میں جعفر بن یوسف بن علی الحسینی الشیرازی اور الاخ الصالح جنید بن عثمان شامل ہیں۔

یہ نسخہ ایک بیش قیمت مجموعے کا حصہ ہے جس میں شیخ اکبر ابن العربی کی ۲۳ سے زیادہ کتب اور رسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ کاتب ابو رضا بن سید علی بن محمد الجوینی نے یہ پورا مجموعہ دمشق میں سن ۷۲۴ اور ۷۲۵ھ میں نقل کیا ہے۔ نسخے کے پہلے صفحے پر ایک فہرست مرتب کی گئی ہے جس میں مختلف کتب اور رسائل کے حوالے سے تاریخ اور مقام نسخ کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس نسخے میں موجود چار کتب اور رسائل - جن میں رسالة الأنوار، التدبيرات الإلهية، كتاب الكنه اور

الأمر المحكم والمربوط شامل ہیں۔ کے بارے میں حتماً درج ہے کہ یہ اس نسخے سے منقول ہیں جو شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھے نسخہ اصلی سے نقل کیا گیا تھا۔ کچھ دوسری کتب کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے کہ یہ نسخہ اصلی سے نقل شدہ ہیں لیکن اس اصلی نسخے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔

نسخہ فخر الدین الخراسانی (رمز: ف)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ پاکستان کے ایک ذاتی کتب خانے کی زینت ہے۔ یہ سن ۸۱۴ھ میں یمن کے شہر زبید میں نقل کیا گیا اور کاتب نے اسے شیخ اکبر کی دیگر بہت سی کتب و رسائل کے ساتھ نقل کیا ہے جن کی تعداد ۶۰ بنتی ہے۔ مجموعہ بڑے صفحے پر لکھا گیا ہے۔ اس مجموعے میں کتاب التدبیرات الالٰہیہ صفحہ نمبر ۲۰۰ سے لے کر ۲۳۷ تک ہے۔ انداز کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے یہ نسخہ جلدی میں نقل کیا ہے مگر حواشی میں موازنہ کیے جانے کے آثار بھی واضح ہیں جس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

اس نسخے کی خامی دو جگہ نمایاں ہے: ایک پہلے باب کا مکمل تیسرا پیراگراف ہی متن میں موجود نہیں، یہ وہی ۹ سطریں ہیں جن میں شیخ وجہ تالیف بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس باب میں آگے چل کر کاتب نے شیخ اکبر کی عبارت میں اپنے چند اشعار کا تذکرہ کر دیا ہے حالانکہ کاتب نے یہ واضح لکھا ہے کہ یہ اس کے اشعار ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں حواشی میں لکھا جاتا اور اصل متن کو ویسے ہی رہنے دیا جاتا۔ ان دو مقامات کے علاوہ نسخہ کافی حد تک اصل عبارت کے موافق ہے اور ہم نے اسے تدبیرات الٰہیہ کتاب کا ایک بہترین نسخہ پایا ہے۔ کتاب کے آخر میں یہ عبارت درج ہے: «تم الكتاب بحمد الله وحسن توفيقه والصلاة علىٰ سيّدنا محمد وآله وصحبه وسلّم. وكان ذلك برسم السيد الإمام العلامة الفرد الجامع المحقق زين الدين الهروي بلغه الله أماله وختم بالصالحات أعماله. علىٰ يد العبد الفقير إلىٰ الله علي بن يحيىٰ الشريف عفا الله عنه وعن والديه آمين آمين؟ وكان فراغه مستهل رجب ... من شهور سنة أربع عشرة وثمان مائة». جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی ذمہ داری محقق زین الدین الہروی نے اپنے سر لی ہے اور اسے یکم رجب سن ۸۱۴ ہجری کو مکمل کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم وصلى الله على محمد وآله وسلم تسليما

قال العبد الفقير الى رحمة الله

محمد بن علي بن العربي الحاتمي رضي الله عنه

الحمد لله الذي استخرج الانسان من وجود علمه الى وجود
عينه في اول ابداعه جوهره فنظر بها بعين الجلال
فذاب حياء منه عند ما حققت نظرة فسالت ماء اكثر فيه
جواهر علمه ودرره ثم ارسل منه مرآة الى مشرفه غمض
الامتزاج فاقام به صورة وسمي في الملأ الاعلى انسانا
فصوره وسوى سمعه وبصره واحكم ترتيب وجود كل
شيء في العالم الاكبر فيه ودبره واشهده شواهد
الاجسام كل شيء وقدره وزين سماء عقله بعد ما
فتقه ونضره وابان كونه في كونه واظهر وحجبه
عن سره بما هو اخفى وستره حكمة بالغة لمن
دقق النظر فيه واعتبره ثم تجلى له من حضرة الا
قتدار فبهره فاجعلها دليلا من نيران الهيبة تضمه
وقهره وغمسه غمسة في البحر الاخضر من غير ان
يشعره فلما اسرى الغمرة الالهية قد مازجت بشره
ثم كشف له عن حضرة الربوبية فحقق بها عمره
ورجاه رحمة الحياة الابدية دون كون ضمه ولا امله

نسخہ کوروم-۷۵۶ پہلا صفحہ رمز (ی)

في ذلك ولا بعد من شيء من الخير فان هذا الطريق طريق
الارباح ولا يعتمد على الله الا صادق وأربعة من احكمها
فقد فاز بجميع الخيرات كلها حرمة الفقراء وسلامة
الصدر والدعا للمسلمين بظهر الغيب وأن يكون متهم
على نفسه وقلما يسلم مريد في ابتدا حاله من الخواطر
الردية في كل ذلك من جانب الحق ومن جانب الخلق
فأكثر ما على المريد السعي في أن يسلم الناس من سوء ظنه
بهم وان كنت صادقا صحح الظاهر والكشف بالعبادة
والتجربة لذلك يخطر له خاطر سوء واحد وهو كما خطر
ان فاعلم انه من القاء الشيطان فتب الى الله تعالى منه واستغفر
الله وسله ان يعمر باطنك لا بالاشتغال بغفلته وكيف
وقد شغلك بمساويهم وانما الشيطان يحب أن يستدرجك
ويصرفك ليكذبك ويكرمك ليهينك فتحفظ وانما
ينقطع هذا بالزجر وينقطع ما كان في جانب الحق
عنك بالعلم //

تم الكتاب والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا
محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه اجمعين وسلم تسليما كثيرا كثيرا

نسخہ یوسف آغا-۴۸۵۹ آخری صفحہ رمز (ی)

نسخہ لیڈن Or87 سرورق رمز (ل)

...ما حتى لا يسعى لنفسه في شهوته والله سبحانه يريد ان تجمع بين
الامرين معًا بصدقهم فيلقي في نفسك فعل ما خطر لهم فتجد
ذلك وافعله وانت به اليهم فيحصل لهم درجة المجاهدة
ونيل المطلوب وتعلم ان تصديق الخواطر سوى ما كان
من الاخر في ذلك ولا تحتقر شي من الخير فان هذا الطريق طريق
الارباح ولا يملك على الله الا هالك و ان يعه من احكمها فقد فاز
جميع الخيرات كلها حرمة الفقر وسلامة الصدر والدعاء
للمسلمين بظهر الغيب وان تكون بعهم على نفسك وقل ما سلم
مريد في ابتداء حاله من الخواطر الردية في كل جانب من جانب الحق
ومن جانب الخلق فاكرما على المريد السعي في ان يسلم الناس
من سوء ظنه بهم وان كنت صادقا فصحيح الخاطر والكشف
بالعادة والتجربة لذلك فيخطر لك خاطر سوء في واحد وهو
كما خطر لك فاعلم انه من القاء الشيطان وتب الى الله تعالى
منه واستغفر الله وسله ان يعمر باطنك لا بالاشتغال
بخلقه ولكيف وقد اشغلك بما وهم وانما الشيطان يحب
ان ينتزيد ويصرفك البلايد ويكريك بهمك فتحقق
وانما ينقطع هذا بالذكر وينقطع ما كان في جانب الحق عنك بالعلم
ثم الكتاب والحمد لله رب العالمين وصلواته على سيدنا
محمد وعلى آله وصحبه وازواجه وذريته وسلم ودائم

بلغ سماعا على مؤلفه رضي الله عنه

نسخہ لیڈن Or87 آخری صفحہ رمز (ل)

بسم الله الرحمن الرحيم وصلى الله على محمد وآله وسلم تسليما

قال العبد الفقير إلى رحمة الله تعالى محمد بن علي بن العربي الحاتمي رضي الله عنه الحمد لله الذي
استخرج الإنسان من وجود علمه إلى وجود عينه في أول إبداعه جوهرة فنظر إليها بعين الجلال فذابت حياء
منه عند ما حققت نظره فسالت ماء أكثف من جواهر علمه ودرره ثم أرسل منه ميزابا إلى منزلة غصن
الامتزاج فأقام به صنعه وسمى ذلك الغصن إنسانا فصوره وشق سمعه وبصره وأحكم ترتيب وجود كل
شيء في العالم الأكبر فيه ودبره وأشهده بشاهد الإحسان كل شيء فقدره ورتق سماء عقله بعد ما فتقه
ونظره وأبان كونه في كونه وأظهره وحجبه عن سره بما هو لطفه وستره حكمة بالغة لمن دقق النظر
فيه واعتبره ثم تجلى له من حضرة الاقتدار فبهره فانجفل هاربا من نيران الهيبة فضمه وقهره وغمسه غمسة
في البحر الأخضر من غير أن يشعره فإذا سر العزة الإلهية قد مازجت بشرته ثم كشف له عن حضرة الديمومية
فحقق بها عمره وورثه رداء الحيوة الأبدية دون كون ضمه ولا أمد حصره وأعلى منازله للملائكة
وأوضح غرره فبايعته بالسجود إذ أمده بالأسماء ونوره وجعله في أرض الأجسام خليفة فأيده ونصره
ثم أبدع له العقل وزيرا فاستوزره ووهبه سر الخطاب في نار الشجرة وأعطاه عصا المجاز فأملك بها
أغراض السحرة ثم خوفه لدى قسطاس الانقسام وحذره وقسم موارده عليه قسمة منتشرة وأردفها
بأجناد إشارات إلهية غير منحصرة وأورد الخواطر على باب حضرته مقبلة ومدبرة فمنها قابلة لعيون
الإشارات ومنها مستنفرة وعمر مدينته في النمط الأوسط ومنها أقفره وأغناه بمطالعة أسرار
الملكوت وبها أفقره وأباح له التصرف في الأكوان بما به عنها زجره وسوى في قبضة الأخذ بين من آمن
وكفر وأشهده على تلك القبضة ذريته ونصب بذلك حجته للمعتدين فطوبى لمن عبره ثم شاء سبحانه
أن يذنب بآدم طهره فجعله برزخا جامعا للكفرة والبررة وأقامه في عالم التركيب داعيا على منابر التذكرة
وأيده بالعلوم الإلهية وغمره ونهاه عن إفشاء ما يظهره أمره فقال ألا تنظرون في عوالم الحكم
إلى السموات أفلاكها مسخرة والأرضين بحارها مسخرة والفلك المشحون أجراه في بحر الكون عند ما أوسقه
وعمره نور تجري بين يديه بحار وخوف كتب عليها الصانع بقلم العلم المحيط في الرجل الأيمن من عمل
مثقال ذرة خيرا يره وفي الرجل الأيسر ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره ذلك دليل [illegible] بالطاعة لمن هداه

نسخہ کوپرولو ۱۳۱۷ صفحہ اول رمز (ک)

بسم الله الرحمن الرحيم صلى الله على محمد وآله

الحمد لله الذي استخرج الانسان من وجود علمه الى وجود عينه في اول ابداعه مرة
فنظرها بعين الجلال فذاب حياءً منه عندما تحقق نظره فسال التماءً الكون فزجوا هو
علمه وقدرته ثم ارسل منه ميزاباً الى شربه غصن الامتزاج فاقام به صغره وسمى ذلك
الغصن انساناً فصوره وشق سمعه وبصره واحكم ترتيب وجود كل شيء في العالم الاكبر
فيه ودبره وانشاه ليشاهد الانسان كل شيء بقدرته ورزقه عقله بعدما
فتقه ونظره وابطن كونه في ابويه وظهره وحجبه عن سره بما هو الخفي من حكمه بالغة
لمن دقق النظر فيه فاعتبره ثم تجلى له من حضرة الاقتدار فبهره فاحتمل هارباً من
نيران الهيبة فصمته وقهره وغمسه غمسةً في البحر الاخضر من غير ان يشعره فاذا ستر
القدرة الالهية مدها نحت بشره ثم كشف له عن حضرة الربوبية فحقق بها عمره ورداه
رداء الحياة الابدية دون ان يكون ضمنه [illegible] واعلى منازل [illegible] له واوضح غرره
فتابعته بالسجود اذا مده بالاسماء ونوره وجعله في ارض الاجسام خليفةً فاتبع ونصره
ثم ابدع له العقل وزيراً فاستوزره ووهب له سر الخطاب في بيان التجرد واعطاه
عصا اعجازه فاهلك بها الخواطر النفسية ثم خوفه لدى سطوات الانتقام وحذره وقسم
موارده عليه قسمةً منشرة واورد فيها باحبادا نسائرات الهية غير منحصرة واورد الحق الظاهر
على باب حضرته [illegible] ومدينته فمنها قابلة لعيون الاشارات ومنها مستقر [illegible]
مدينته في النمط الاوسط ومنها انفس واعطى عناه مطالع اسرار الملكوت وبها
افقر واباح له التصرف في الاكوان بما به عنها انجره وسوى في قبضة الاجل بين من
آمن به وكفره واستمسك على تلك القبضة وقرره ونصب ملكه جسراً للعبور وطوبى لمن عبره
ثم شاء سبحانه ان [illegible] بما به ظهر فجعله برزخاً جامعاً بالكون والبروز واقامه في عالم
الترتيب داعياً على منابر التذكرة وايده بالعلوم الالهية وعصمه ونهاه عن انسا

واثان

نسخہ شہید علی ۱۳۴۱ صفحہ اول رمز (ش)

رموز مستخدمة في التحقيق

﴿ ﴾	آيات قرآنية
« »	حديث شريف
( )	إضافات أدخلت على الأصل

رموز المخطوطات وفقا لأهميتها

مخطوطات درجة الأولى:

١. نسخة كوروم – ٥٧٦ ويوسف آغا – ٤٨٥٩ (رمز: ي)

٢. نسخة ليدن – OR87 (رمز: ل)

٣. نسخة نيشنل لائبريري فرانس –Arabe 5917 (رمز: م)

مخطوطات درجة الثانية:

١. نسخة كوبرولو – ٧١٣ (رمز: ك)

٢. نسخة شهيد علي – ١٣٤١ (رمز: ش)

٣. نسخة فخر الدين الخراساني (رمز: ف)

التدبيرات الالٰهية

في إصلاح المملكة الإنسانيّة

اصلاحِ انسان کی

خدائی تدبیرات
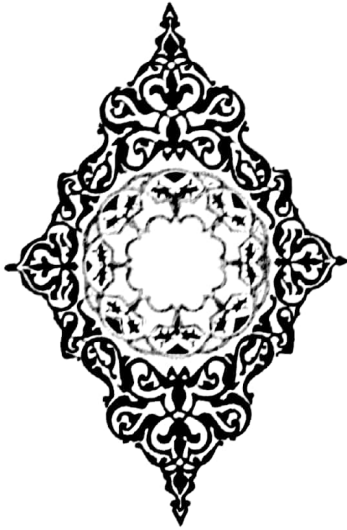
التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية[١]

بسم الله الرحمن الرحيم وصلّىٰ الله علىٰ محمد وآله وسلّم تسليما[٢]

قال العبد الفقير إلىٰ رحمة الله تعالىٰ.[٣]

محمّد بن علي بن العربي الحاتمي[٤] رضي الله عنه[٥]:

الحمد لله الذي استخرج الإنسان من وجود علمه إلىٰ وُجود عينه في أوّل إبداعه جوهرة، فنَظَرَهَا بعين الجلال فذابتْ حَياءً منه عِندما حققّت نظرَه، فسالت ماءً أكَنَّ فيه جواهرَ علمِه ودرره، ثمّ أرسل منه مِيزابًا إلىٰ مَشْرَبة غصْن الامتزاج فأقام به

---

[١] ل: إنشاء الشيخ الإمام ... محمد ابن علي بن محمد العربي الطائي الحاتمي الأندلسي، ختم الله له بالحسنىٰ. رواية عبد الرحمن بن علي بن محمد اللواتي، صاحبه عنه.

سمع جميع كتاب التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية علىٰ منشئه الشيخ الإمام العالم المحقق أبي عبد الله محمد بن علي بن محمد ابن العربي الطائي الحاتمي ثم الأندلسي، ختم الله بالحسنىٰ، الشيخ شرف الدين أبو حامد عبد الله ... والفقيه برهان الدين عبد الله ابن علي بن أحمد الخولاني بقرأة ... إسماعيل بن سودكين النوري. وسمع بعضه جماعة ... المقري الموصلي، والفقيه... وأجازهم الشيخ ... مجالس آخرها السابع من سفر سنة ... جرىٰ الأمر علي ما ذكر وكتب ... في

م: إنشاء العبد الفقير إلىٰ الله تعالىٰ محمد بن علي بن محمد ابن العربي الطائي رواية ... محمد بن يرنقش المعظمي عنه.

[٢] ل: اللهم إني أسئلك عونك وكفايتك فهبهما لي برحمتك. م: وصلواته علي سيدنا محمد الكريم وسلم. ف: الحمد لله رب العالمين. س: اللهم انها تلك عزتك ولقائك.

[٣] ك: + تعالىٰ.

[٤] م: + الطائي. ف: + الطائي ثم المرسي عفا الله عنه وعنا به. ش : – محمّد بن علي بن العربي الحاتمي.

[٥] ش، ف: – رضي الله عنه.

اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم بہت بہت دُرود و سلام ہوں محمد ﷺ اور آپ کی آل پر

اللہ تعالی کی رحمت کا محتاج بندہ

محمد بن علی بن العربی الطائی الحاتمی، اللہ اس سے راضی ہو، کہتا ہے:

سب تعریف اللہ کی جس نے انسان کو اُس کے علمی وجودِ سے (اُس کے) عینی وجودِ میں اِس کی اول تخلیق میں ایک موتی (کی طرح) نکالا۔ پھر اِسے جلال کی آنکھ سے دیکھا تو یہ اُس کی نظر پڑتے ہی حیا سے پگھل کر پانی کی طرح بہہ چلا جس میں اُس نے اپنے جواہر علمی اور موتیوں کو چھپایا۔ پھر اِس میں سے ایک نالی مخلوط عناصر والی جڑ[1] تک پہنچائی تو اِس کی کجی کو دور کیا،

---

[1] انسان کے مادی جسم کی طرف اشارہ ہے۔

صَعرَه[١]، وسمّىٰ ذلك الغصن إنسانا فصوّره، وشقّ سمعَه وبصرَه، وأحكم ترتيب وجود كلّ شيء في العالِم الأكبر فيه ودبّره، وأشهده بشاهد الإحسان[٢] كلَّ شيء فقرَّرَه[٣]، ورتق سماءَ عقله بعد ما فتقه وفطرَه، وأبان[٤] كونه في كونه وأظهرَه، وحجبه عن سرّه بما هو أخفىٰ وسترَه، حكمة بالغة لمن دقَّق النظر فيه واعتبرَه، ثمّ تجلّىٰ له من حضرة الاقتدارِ فبهرَه، فأجفل هاربا من نيران الهيبة فضمّه وقهرَه، وغمسه غمسةً في البحر الأخضر من غير أن يشعره، فإذا سرّ القدرة الإلهيّة قد مازجت بشَره، ثمّ كشف له عن حضرة الدّيموميّة فحقّق بها عُمُرَه، وردّاه رداء الحياة الأبديّة دون كونٍ ضمّه ولا أمدٍ حصره، وأعلىٰ مناره للملائكة وأوضح غرره، فبايعته بالسجود إذ أمدّهُ بالأسماءِ ونوّره، وجعله في أرض الأجسام خليفة فأيّده ونصرَه، ثمّ أبدع له العقلَ وزيرا فاستوزره، ووهبه[٥] سرّ الخطاب في نار الشجرة، وأعطاه عصا إعجازه فأهلك بها الخواطر السّحرة، ثمّ خوّفه لدىٰ قسطاس الانقسام[٦] وحذَّرَه، وقسم موارده عليه قسمة منتشرة، وأردفها بأجناد إشارات إلهيّة غير منحصِرة، وأورد الخواطر علىٰ باب حضرته فمقبلة ومدبِرة؛ فمنها قابلة لعيون الإشارات ومنها مستنفِرة، وعَمَر مدينته في النّمط الأوسط ومنها أقفره، وأغناه بمطالعة أسرارِ الملكوت وبها أفقره، وأباح له

---

[١] ش، ف: صغره.

[٢] أي بالإحسان وهو الكشف والمشاهدة والعلم اللدني.

[٣] ف، ش: فقدره.

[٤] ف، ش: وأبطن.

[٥] ش: ووهب له.

[٦] ش: الانتقام.

اِس شاخ کا نام انسان رکھا، اسے صورت بخشی اور دیکھنے سننے والا بنایا، عالَم اکبر کی ہر شے کا وجود اِس میں محکم کیا اور اِس کی تدبیر کی، پھر کشف اور مشاہدے سے اُسے ہر چیز پر گواہ بنایا اور اقرار لیا، اِس کی عقل کے آسمان کو بنانے اور پھاڑنے کے بعد جوڑا، اپنے وجود کو اُس کے وجود میں رکھا اور اُسے ظاہر کیا، لیکن اُسے اِس کے راز سے محجوب رکھا کہ یہ مخفی اور مستور تھا، اِس میں اس کے لیے بالغ حکمت ہے جس نے اِس میں غور کیا اور عبرت پکڑی۔ پھر حاضرتِ اقتدار سے اِسے جلوہ دکھایا تو چکا چوند کیا، جب وہ آتشِ ہیبت کے خوف سے بھاگا تو اُسے دبوچا اور دبایا، پھر اُسے سبز سمندر[1] میں بغیر احساس کے غوطہ دلایا، تب جا کر قدرتِ الٰہی کا راز اُس کی جِلد سے باہم ٹکرایا۔ پھر اِس پر حاضرتِ دیمومیت کو کھولا تو اس نے اپنی (اصل) عمر[2] کا راز پایا، پھر اُسے اِس طرح سے حیاتِ ابدی کی شال اوڑھائی کہ نہ وجود کا اِس پر قابو رہا اور نہ مدت نے اسے محصور کیا۔[3] فرشتوں کے لیے اِس کے مقام کو بلند اور اِس کی علامات کو واضح کیا، چنانچہ جب اِسے اسما کی امداد سے منور کیا تو انہوں نے سجدے سے اِس کی بیعت کا اعلان کیا، پھر اِسے اجسام کی سرزمین میں (اپنا) نائب بنایا تو اِس کی نُصرت اور امداد کا سامان کیا، پھر اس کے لیے عقل نامی وزیر تخلیق کر کے اُسے اِس کا وزیر بنایا، اِسے درخت کی آگ سے ہم کلامی کا راز دیا، اپنے اعجاز کی وہ لاٹھی عطا کی جس سے اِس نے جادوئی خیالات کا خاتمہ کیا، پھر میزانِ انقسام (یعنی شرع) سے اِسے چوکنّا کیا اور ڈرایا، اِس (میزان) کے منافع کو انسان پر پھیلا کر تقسیم کیا، اور اشاراتِ الٰہی کے لامتناہی لشکروں کو اِن کے تعاقب میں لگایا، خیالات کو اپنے دَرِ حضوری (یعنی قلب) تک پہنچایا، کچھ اِس (در) تک آتے ہیں اور کچھ پیٹھ پھیر کے بھاگ جاتے ہیں؛ کچھ اِشارات کے چشموں کو قبول کرتے ہیں اور کچھ ان سے چھٹکارا چاہتے ہیں، اِس شہرِ انسانی کو درمیانی طرز پر آباد کیا اور اِسی سے اُسے ویران کیا، اُسے اَسرارِ ملکوت پر مطلع ہونے سے بے نیاز کیا اور انہی سے اسے محتاج بنایا،

---

[1] یعنی اسے وہ کچھ دکھایا جو حجابات کے پیچھے سے پہلے بتایا۔

[2] یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انسان بھی ازلی ہے۔

[3] یہ انسان کے ابدی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ردائے حیات سے مراد روح انسان ہے۔

التصرّف في الأكوان بما به عنها زجرَه، وسوّىٰ في قبضَةِ الأخذِ بين مَن آمن به وكفره، وأشهده علىٰ تلك القبضةِ وقرّره، ونصب ملكه جسرا للعبورِ فطوبىٰ لمن عبَره، ثمّ شاء سبحانه أن يدنّسه بما به طهّره، فجعله برزخا جامعًا للكَفرة والبررة، وأقامه في عالم التركيب داعيا علىٰ منابر التذكرة، وأيّده[١] بالعلوم الإلهيّة وغمَره[٢]، ونهاه عن إفشاءِ ما[٣] بظهوره أمَره، فقال: ألا تنظرون في عوالمكم إلىٰ سماواتٍ أفلاكها مسخّرة، وأرضين بحارها مسجّرة، وفُلك مشحون أجراه في بحر الكون عندما أوسقه وعمّره[٤]، فهو يجري بين رجلي رجاءٍ وخوفٍ، كتب عليها الصانع القديم بقلم العلم المحيط في الرجل الأيمن: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ﴾[٥] وفي الرجل الأيسر: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾[٦] فليبادر بالطاعة لمن هداه النّجدين وبصّره، وليَشكُره[٧] علىٰ رزقٍ قسَمه فيسّره وعسّره، وليبحث عن[٨] الكنز الذي حجبه بالجدار الجسماني وستَره، ثمّ ليتدبّر كيف أحياهُ حين أقبره، وأماته في الوقت الذي أنشره، وأظلّه[٩] بجلابيب حنادس ملابسِ غيوب النور الذي به أقمره، ودلّ علىٰ النجيّ واللّدنيّ بآيتي مَحْوٍ وَمُبصرة، ثمّ صيّر آيَةَ المحو في بعض الأحايين منوَّرة، وذلك في الليالي المقمرة، عند تقابلهما في الكرة، ثمّ أظهر ذلك السرّ فيمن ضرب بعصىٰ الاختبار حجرَ الأسرار ففجّره.

---

[١] ل: وأمده. م (حاشية): وأمدَّه نسخة.

[٢] ش: وعمره.

[٣] ص ٣.

[٤] ش: وغمّره.

[٥] [الزلزلة: ٧]

[٦] [الزلزلة: ٨]

[٧] ك، ش: وليشكر.

[٨] ي، ل، م (متن)، ك: علىٰ.

[٩] ف: أظلمه.

اُس کے لیے موجودات میں تصرف جائز قرار دیا اور اِسی (تصرف) سے اسے روکا، اپنی مٹھی میں دونوں کو برابر کیا، جو اس پر ایمان لائے اور جنھوں نے کفر کیا، اُسے اِس مٹھی پر گواہ بنا کر اُس سے اقرار لیا، اُس کی اِس مملکت (یعنی جسم) کو پار کرنے والا پُل بنایا، پس خوش نصیب ہے وہ جس نے اِسے پار کیا، پھر حق نے چاہا کہ اُسی سے اِسے گندا کرے جس سے اِسے پاک کیا، لہذا اسے کافروں اور نیکوکاروں کی جامع برزخ بنایا، اِسے عالم ترکیب میں یاد دہانی کے منبروں کا داعی بنایا، اِسے علومِ الٰہی کی تائید بخشی اور اِنہی سے محجوب کیا، اِسے (وہ راز) افشا کرنے سے منع کیا جس کے ظہور کا اُسے حکم دیا، فرمایا: کیا تم اپنی دنیاؤں میں غور نہیں کرتے؛ کہ آسمانوں کے افلاک مسخر ہیں اور زمینوں کے سمندر اُبل رہے ہیں، اُس نے بھری کشتی کو وجود کے اِس سمندر میں چلایا، یہ امید اور خوف کی دو ٹانگوں پر چلتی ہے، اُس قدیم صانع نے علمِ محیط کے قلم سے اس کی دائیں ٹانگ پر یہ لکھا: ﴿جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا تو اُسے دیکھ لے گا﴾ اور بائیں ٹانگ پر لکھا: ﴿اور جو کوئی ذرّہ برابر برائی کرے گا تو اُسے موجود پائے گا﴾ لہذا جسے دونوں راستے دکھا دیئے گئے اُسے چاہیے کہ فرمانبرداری کی جانب آئے، اور اِس رزق پر اُس کا شکر ادا کرے، اُس نے ایسا تقسیم کیا کہ آسانی بھی کی اور تنگی بھی۔ اُسے چاہیے کہ وہ خزانہ ڈھونڈے جسے (حق) نے اِس جسمانی دیوار کی اوٹ میں چھپایا۔ پھر غور کرے کہ وہ قبر میں اِسے کیسے اٹھائے گا، اور فنا میں بقا کیسے پائے گا، اُسی نے اس پر تاریکیوں کا سایہ کیا جو تاریک لباس کی مانند ہیں، اور پھر انہی سے اسے روشن بھی کیا، پھر تاریک اور روشن دو نشانیوں سے (اپنے) بھید اور لدنی کی طرف اشارہ کیا، پھر بعض مقامات پر تاریک نشانی (یعنی چاند) کو منور صورت بخشی؛ ایسا چاندنی راتوں میں ہوتا ہے جب یہ دونوں (یعنی چاند و سورج) زمین کے سامنے ہوتے ہیں، پھر اِس راز کو اُس کے لیے ظاہر کیا جو جانچ پڑتال کی لاٹھی سے اسرار کے پتھر پر ضرب لگائے تو اِسے پاش پاش کر ڈالے۔

فَانْظُرْ إِلَىٰ شَجَرٍ قَاضٍ عَلَىٰ حَجَرٍ وَانْظُرْ إِلَىٰ ضَارِبٍ مِنْ خَلْفِ أَسْتَارِ

فسبحان مَن أَوْدَعَ هذه الأسرارَ في وجود حضرة الإنسان المقدَّسة المطهَّرة. فما أغفله عن القيام بشكرها ﴿قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ﴾[1] والويل لمن زهد في اعتبار وجوده وحقَّره، والصَّغار له فما أذلّه وأصغره، فليته كما كَفَره شَكَره، فيكون من الذين خَلَطُوا عملا صالحا وآخر سيّئا، فانتظموا في سلك "عسىٰ" المدّخرة، في الدار الباقية المؤخَّرة.

والصلاة علىٰ سيّدنا محمّد وعلىٰ آله وصحبه ومن تابعهُ وآزره، الملتحفين في أبرادِ المعارفِ الربّانيّة المُحبَّرة، المُطَرَّزة بعَلَم العِصمة المُشَهَّرة، ما سبّح المَلَكُ ربَّهُ وذكَره، وزَهِد أهل العناية في الحُلوة الخَضِرَة.

أمّا بعد: حقّق اللهُ سِرَّك بحقائق الوِصال، وجعلك من الساجدين له في الْغُدُوِّ[2] وَالْآصالِ، فإنّي بنيت هذا الكتاب؛ الصغيرَ الحجم، اللطيفَ الجرم، العظيمَ الفائدة، الكثير[3] العلم، المستخرج من العلم اللّدنيّ، والقَابِ العدنانيّ، المسمّىٰ في الإمام المبين الذي لا يدخله ريب ولا تخمين[4] «بالتدبيرات الإلهيّة في إصلاح المملكة الإنسانيّة» وهو يشتمل علىٰ مقدّمة وتمهيدٍ، وأحد وعشرين بابًا من التوحيد[5]، في تدبير المُلك الذي لا يبيد، علىٰ[6] التدبير الحِكَمِي والنظام الإلهيّ، وجاء غريبا في شأنه، ممزوجا رمزُه ببيانه، يقرأه الخاصّ والعامّ، ومن كان في الحضيض الأوهد ومستوىٰ الجلال[7]

---

[1] [عبس: ١٧]

[2] ش: بالغدوّ.

[3] ل، م، ف: الكبير. في ي: بدلت الكبير إلىٰ الكثير، ش: الكبير والكثير معًا.

[4] ف: + ورحمته.

[5] م: فوق الكلمة التوحيد: دقائق. ش: وهي إحدىٰ وعشرين بابا من دقائق التوحيد.

[6] ف: + تركيب.

[7] ك، ش: الإجلال.

"اُس پودے کو دیکھ جو پتھر پر اگا اور پردے کے پیچھے فاعل حقیقی پر غور کر"

پس پاک ہے وہ جس نے اس اسرار کو مقدس اور مطہر انسانی وجود میں رکھا۔ اور یہ (انسان) ان کے شکر سے کس قدر غافل ہے ﴿ہلاک ہو یہ انسان کتنا ناشکرا ہے﴾ بربادی ہے اُس کے لیے جس نے اپنے وجود پر غور نہ کیا اور اِسے حقیر جانا، حقارت اسی کا نصیب ہے، یہ کتنا کم تر اور حقیر ہے، کاش جیسے اِس نے ناشکری کی ویسے ہی شکر گزار ہوتا، تو اِس کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہوتا جنہوں نے اچھے اور بُرے ملے جلے عمل کیے، اور یہ بھی دار باقی یعنی آخرت میں "شاید" کے زمرے میں آنے والوں میں شامل ہو جاتا۔[1]

دُرود ہوں ہمارے آقا محمد ﷺ، اُن کی آل، اصحاب، اور ہر اُس شخص پر جس نے آپ کی اتباع اور مدد کی، وہ جو معارفِ ربانی کی منقش شالوں میں لپٹے ہیں، وہ جن پر عصمت الٰہی کے کڑھائی دار پرچم پھیلے ہیں، جب تک فرشتہ اپنے رب کی تسبیح اور ذکر کرے، اور اہلِ عنایت اس دنیا کی رنگینیوں سے اپنا دامن بچائیں۔

اما بعد: اللہ تیری روح پر وصل کے حقائق کھولے، اور تیرا شمار صبح و شام اُس کے سجدہ گزاروں میں کرے۔ میں نے اِس کتاب کو کم ضخامت اور چند صفحات پر استوار کیا، لیکن اِس میں بڑا فائدہ اور کثیر علم ہے، کہ یہ عِلمِ لَدُنّی اور قابِ عدنانی سے نکالی گئی ہے، اور امام مبین - کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں - میں اِس کا نام "التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية" (اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات) ہے۔ یہ مقدمہ، تمہید اور توحید کے اُن اکیس ابواب پر مشتمل ہے، جو نہ ختم ہونے والی بادشاہت کی پُر حکمت الٰہی تدبیر بتاتے ہیں، یہ اپنی شان میں حیرت انگیز ہے کہ اِس کا بیان رَمز آمیز ہے، اِسے خاص اور عام سبھی پڑھتے ہیں، چاہے وہ پست زمین کا باسی ہو، یا پھر بزرگی اور عظمت کے تخت پر فائز، ﴿ہر شخص نے اپنے پینے کا پانی معلوم کر لیا﴾

والإكرام. ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ﴾[1]

ففيه للخواصّ إشارة لائحة، وللعوامّ طريقة واضحة، وهو لُباب التصوّف، وسبيل التعرّف، لحضرة التشوّف[2] والتعطّف،[3] يلهج به الواصِل والسَّالِك، ويأخذ حظّه منه المَمْلُوك والمالِك، يُعْرِب عن حقيقة الإنسان وعلوّ منصبه على سائر الحيوان، وأنّه مختصَرٌ من العالم المحيط، مركّب من كثيفٍ وبسيط، لم يبق في الإمكان شيء إلّا أُودِعَ فيه، في أوّل منشئه ومبانيه، حتّى برز على غاية الكمال، وظهر في البرازخ بين الجلال والجمال، فليس في الجُود بُخلٌ، ولا في القدرة نقصان، صحَّ ذلك عند ذوي العقول الراجحة بالدليل والبرهان، ولهذا قال بعض الأئمّة: «وليس أبدع من هذا العالم في الإمكان»، والله يؤيّدنا بالعصمة ولطيف الحكمة، إنّه فيّاض النعمة واسع الرحمة.

---

[1] [البقرة: ٦٠].

[2] م: بحضرة التشرف. ك: لحضرة التشرف.

[3] يعني للكشف والمشاهدات.

اس میں خواص کے لیے ظاہری اشارہ ہے تو عوام کے لیے واضح طریقہ ہے۔ یہ تصوف کا جوہر اور معرفت کا وہ راستہ ہے جو کشف و مشاہدات تک جاتا ہے۔ سالک اور واصل اس پر فریفتہ ہیں، جبکہ آقا اور غلام اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ انسان کی حقیقت اور تمام ذی حیات سے اس کا بلند مرتبت ہونا بتاتی ہے؛ کہ انسان اِس عالمِ محیط کا اختصار ہے، کہ انسان کثیف اور بسیط کا امتزاج ہے، اور یہ کہ امکان میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس (انسان) کی اول نشأت اور بنیاد میں نہ رکھی گئی ہو، یہاں تک کہ انتہائی کمال پر (انسان) کا اظہار ہوا، اور یہ برازخ میں جلال اور جمال کے مابین آشکار ہوا، سخاوت میں کوئی بخل نہیں اور قدرت میں کوئی کمی نہیں۔ اُن عقل مندوں کے نزدیک بھی بات یہی ہے جو دلیل اور برہان سے چیزوں کو تولتے ہیں، اسی وجہ سے ایک امام نے کہا: "امکان میں اس سے بہتر عالم نہیں۔" اللہ ہمیں عصمت اور لطیف حکمت کی توفیق بخشے، بے شک وہی کثیر نعمتوں اور وسیع رحمتوں والا ہے۔

تمهيد الكتاب

اعلم – وفّقك الله لطاعته – أنَّ الله سبحانه قد شاءَ أن يبرز العالمَ في الشّفعيّة، ليَنفرد سبحانه بالوتريّة، فيصحّ اسم الواحد الفرد، ويتميّز السيّد من العبد.

ولمّا وقفت – أوقفكم الله علىٰ حقائق نفوسكم، وأطلعكم علىٰ ما أودعه[1] فيكم من لطيفِ حكمته وغريب صنعته – علىٰ قوله تعالىٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[2] فأخذت في الفكر والاعتبار في هذه الآية فرأيت الإنسان من جُملة الثمرات، ينمو كنمائها ويتغذّىٰ كغذائها ثمّ ينتهي كنهايتها[3]. ويؤخذ[4] منه الفوائد كالأخذ[5] منها، ثمّ يأخذ في النقص كنقصها، ثمّ يهرم كهرمها، ثمّ يموت كموتها، ثمّ رأيناه يولَّد كتوليدها، فيؤخَذ بذرٌ منها فيُزرع، فيحدث فيه الشباب كذلك حتّىٰ يصير إلىٰ[6] مثل حالها، فقد يؤخذ منه كما أُخِذَ منها، وقد يترك فينقطع النّسل من تلك الثمرة المعيّنة، وكذلك الإنسان في التوالدِ[7] والتناسل علىٰ ذلك المهيع.

---

[1] م، ي، ك: أودع. وربما صححت في ي: أودعه

[2] [الرعد: ٣]

[3] ي، ك: – ويتغذّي كغذائها ثمّ ينتهي كنهايتها.

[4] ي، ك، ش: تؤخذ.

[5] ك: كما تؤخذ.

[6] ي: – إلىٰ.

[7] ل، ش، ف: التولد.

تمہید کتاب

جان لے-اللہ تجھے اپنی اطاعت کی توفیق دے-بیشک اللہ سبحانہ کی مشیت یہی تھی کہ یہ عالم جوڑا جوڑا ظاہر ہو، تاکہ وہ پاک اکیلا بے جوڑا ہو، اُس کے لیے اسم "الواحد الفرد" درست ہو، اور آقا و غلام کا فرق واضح ہو۔

اور جب میں آگاہ ہوا، اللہ تمہیں بھی تمہارے نفوس کے حقائق سے آگاہی بخشے، تمہیں بتائے کہ اُس نے تمہارے اندر اپنی لطیف حکمت اور عجیب و غریب صنعت سے کیا کیا جمع کر رکھا ہے۔ (جب میں) اللہ کے اِس قول پر مطلع ہوا: ﴿اُس نے زمین پھیلا کر بچھائی، اِس میں نہریں بنائیں، اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کیے، وہ رات کو دن سے چھپاتا ہے، بیشک ان میں غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴾ جب میں نے اِس آیت میں غور کیا تو مجھے پتا چلا کہ انسان بھی دیگر پھلوں کی طرح ایک پھل ہے، انہی کی طرح بڑھتا ہے، انہی کی طرح غذا لیتا اور انہی کی طرح ختم ہو جاتا ہے، اس سے بھی ویسا ہی فائدہ لیا جاتا ہے جیسا اِن پودوں سے لیا گیا، یہ بھی انہی کی طرح گھٹتا ہے، انہی کی طرح بوڑھا ہوتا اور انہی کی طرح مر جاتا ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ (انسان) انہی کی طرح اپنی نسل بڑھاتا ہے، جب اِس سے بیج لے کر بویا جاتا ہے تو اِس پر بھی اسی طرح جوانی آتی ہے، حتی کہ یہ بھی پہلوں کے جیسا ہو جاتا ہے، ہو سکتا ہے اس سے بھی بیج لیا جائے جیسا کہ پہلوں سے لیا گیا، اور ہو سکتا ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے؛ تو اس پھل کی نسل ختم ہو جاتی ہے۔ انسان بھی توالد و تناسل میں اسی طرح سے ہے۔

فقلنا هذه شجرةٌ فأين أختها الذي يصحّ به[1] شفعيّتها، وإطلاق هذه الآية عليها فكرًا واعتبارًا؟ فتتبّعنا وجود الحِكمة في الإنسان وتفضيله على سائر الحيوان، وتقصّينا أسرارَه وحِكَمَه ولطائفَه، ورأيناها بأعيانها في العالم المحيط الأكبر، قَدَمًا بقدمٍ، فلم نزل نقابله حرفًا حرفًا، ومعنًى معنى، حتّى وجدناه كأنّه هو. فعلمنا أنّ الثمرة الواحدة: العالم الأكبر المحيط، والثمرة الأخرى: الإنسان الذي هو العالم الأصغر[2]. فطلبنا على ذلك تنبيها من الكتاب العزيز، فوقفنا على آيات نيّرات، منها: ﴿وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[3] ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ﴾[4] ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ[5] وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾[6] ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾[7] ﴿يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾[8] فحمدنا الله – سبحانه – على ما ألهم وأنْ علّمنا ما لم نكن نعلم، وكان فضل الله عَظِيما.

فانظر – نوّر الله بصيرتك – إلى ما تفرّق في العالم الأكبر تجده في هذا العالم الإنساني؛ من مُلك وملكوتٍ، حتّى إذا ظهر في العالم، مثل النماء وجدته في الإنسان، كالشّعر والأظفار وشبه[9] ذلك. وكما أنّ في العالم ماءً مالحًا وعذبا وزعاقا ومُرًّا، وذلك موجود كلّه في الإنسان: فالمالح في عينيه، والزعاق في منخريه، والمرّ في أذنيه، والعذب في فمه. وكما أنّ في العالم ترابا وماءً وهواء ونارًا، ففي الإنسان ذلك بعينه ومنها خُلِقَ

---

[1] ش، ف: التي تصح بها.

[2] ف: الصغير.

[3] [الذاريات: ٢١]

[4] [فصلت: ٥٣]

[5] م: السماوات.

[6] [ص: ٢٧]

[7] [المؤمنون: ١١٥]

[8] [الطلاق: ١٢]

[9] ش: وغير.

ہم کہتے ہیں: یہ (کائنات) ایک درخت ہے، سو اِس کا بھائی کہاں ہے جس سے اس کا جوڑا ہونا درست ہو، اور فکر و اعتبار سے اس آیت کا اس پر اطلاق ہو۔ سو ہم نے انسان میں حکمت کے وجود کا تعاقب کیا، اِس کے تمام جانداروں سے افضل ہونے (پر غور کیا)، اِس کے اسرار، لطائف اور حکمتوں کا کھوج لگایا، تو ان سب کو محیط عالم اکبر میں قدم بقدم موجود پایا، ہم حرف بحرف اور معنی بمعنی اس کا موازنہ کرتے گئے، یہاں تک کہ اِسے ڈھونڈ نکالا، جیسے کہ یہ وہی ہے۔ پس ہمیں پتا چلا کہ ایک پھل تو یہ محیط عالم اکبر ہے اور دوسرا پھل انسان یعنی عالم اصغر ہے۔ جب ہم نے کتابِ عزیز سے اس پر آگاہی چاہی تو ہم روشن آیات کے سامنے کھڑے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں: ﴿اور خود تم میں (نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں﴾ ﴿ہم انہیں آفاق اور خود ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے﴾ ﴿ہم نے آسمان، زمین اور ان کے مابین کسی شے کو باطل تخلیق نہیں کیا﴾ ﴿کیا تم یہ سوچتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث (فالتو) پیدا کیا ہے﴾ ﴿وہ ان کے مابین حکم اتارتا ہے﴾ ہم نے اِس الہام پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے ہمیں وہ بتایا جو ہم پہلے نہ جانتے تھے، اور اللہ تو بڑے عظیم فضل والا ہے۔

اللہ تیری بصیرت کو منور کرے، اگر تو عالمِ اکبر کے مُلک اور مَلکوت پر غور کرے گا تو اِنہیں اِس عالم انسانی میں موجود پائے گا۔ اگر کائنات میں بالیدگی (یعنی نشوونما) ہے تو انسان میں اِس کی مثال بال اور ناخن وغیرہ (کا بڑھنا) ہے، جیسے اِس کائنات میں میٹھا، تلخ، کڑوا اور کھارا پانی ہے تو یہ سب انسان میں بھی موجود ہے: کھارا اِس کی آنکھوں میں، تلخ اِس کے نتھنوں میں، کڑوا اِس کے کانوں میں اور میٹھا اس کے منہ میں۔ جیسے اِس کائنات میں مٹی، پانی، ہوا اور آگ ہے تو انسان میں بھی یہ (تمام عناصر) موجود ہیں اور انہی سے اس کا جسم تخلیق ہوا۔

جسمه.

وقد نبّه عليها الحكيم - سبحانه - في الكتاب العزيز، وهو[1] قوله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾[2] ثمّ قال تعالى: ﴿مِنْ طِينٍ﴾[3] وهو امتزاج الماء بالتراب[4]، ثمّ قال جلّ اسمه: ﴿مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾[5] وهو المتغيّر الريح؛ وهو الجزءُ الهوائيّ الذي فيه، ثمّ قال: ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ﴾[6] وهو الجزء الناريّ، وهذه حكمة منه سبحانه ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾.[7]

وكما أنّ في العالم رياحًا أربعًا: شمالا وجنوبا وصَبا ودبورا[8]، ففي الإنسان أربع قوىٰ: جاذبة وماسكة وهاضمة ودافعة. وكما أنّ في العالم سباعا وشياطين وبهائم، ففي الإنسان: الافتراس وطلب القهر والغلبة والغضب والحقد والحسد والفجور والأكل والشّرب والنكاح والتمتّع، كما قال عزّ وجلّ: ﴿يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾[9] وكما أنّ في العالم ملائكة بررة سفرة ففي الإنسان طهارة، وطاعة، واستقامة. وكما أنّ في العالم من يَظهر للأبصار ومن يَخفىٰ، ففي الإنسان ظاهر وباطن، عالم الحسّ وعالم القلب، فظاهره مُلك وباطنه ملكوت. وكما أنّ في العالم سماءً وأرضا ففي الإنسان علوٌّ وسفلٌ.

---

[1] ل: وهي.

[2] [غافر: ٦٧]

[3] [الأنعام: ٢]

[4] ش: التراب بالماء.

[5] [الحجر: ٢٦]

[6] [الرحمن: ١٤]

[7] [الروم: ٥٤]

[8] ي، ف، ش: شمال وجنوب وصبا ودبور.

[9] [محمد: ١٢]

اس حکیم (ازلی) نے اپنی کتابِ عزیز میں اِس جانب یوں توجہ دلائی، فرمایا: ﴿وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا﴾ پھر فرمایا: ﴿چکنی مٹی سے﴾ یہ پانی اور مٹی کا امتزاج ہے، پھر اس پاک نام والے نے کہا: ﴿سڑے ہوئے گارے سے﴾ یہ بدبو دار ہوا ہے، یہ اِس میں ہوا کا ہونا ہے، پھر کہا: ﴿اُس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے تخلیق کیا﴾ یہ آتشیں جزو ہے، اور یہی اس سبحانہ کی حکمت ہے ﴿وہ اپنی مشیت کے مطابق تخلیق کرتا ہے اور وہ جاننے والا قدرت والا ہے﴾

جیسے کائنات میں چار ہوائیں ہیں: مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی، تو انسان میں بھی چار قوتیں ہیں: جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ اور دافعہ[1]۔ جیسے کائنات میں درندے، شیاطین اور جانور ہیں، اسی طرح انسان میں: شکار، قہر، غلبہ، غضب، کمین، حسد، سرکشی، کھانا، پینا، نکاح اور مزے لینا ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وہ اسی طرح کھاتے پیتے اور مزے کرتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے﴾ اور جیسے کائنات میں نیک اور روشن چہروں والے فرشتے ہیں اسی طرح انسان میں طہارت، طاعت اور استقامت ہے۔ جیسے کائنات میں کچھ آنکھوں پر ظاہر اور کچھ آنکھوں سے مخفی ہے، اسی طرح انسان کا ظاہر اور باطن ہے؛ ''عالَم حس'' اور ''عالَم قلب''، اُس کا ظاہر مُلک اور اُس کا باطن ملکوت ہے۔ جیسے کائنات میں ارض و سما ہے ویسے ہی انسان میں بلندی اور پستی ہے۔

[1] جاذبہ (Attraction) ماسکہ (Retention) ہاضمہ (Digestion) اور دافعہ (Repulsion)

وامشِ بهذا الاعتبار على العالم تجد النسخة[1] الإلهيّة صحيحة ما اختلّ حرفٌ ولا نقص معنًى، ولم نجد له في مقابلة الأزل إلّا الأبد؛ فهو غير متناهي الطّرف الآخر شرعًا، وسبق علم قديم باقٍ بإبقاء الله - عزّ وجلّ -[2] له.[3]

قال العبد: وجرت المتصوّفة - رضوان الله عليها - في هذا النظر والاعتبار، مجرى العرب في كلامها من الاستعارات والمجازِ[4] بأدنى شَبَهٍ[5] وأيسر صِفَةٍ تجمع[6] بينهما، وفي القرآن من هذا القبيل كثيرٌ؛ إذ القرآن جارٍ على لغة العرب، كما قال - عليه السلام -: «إنّما أُنزل القرآن بلساني؛ لسان عربيّ مبين» ومثله قوله تعالى: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾[7] ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ﴾[8] ﴿كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ﴾[9] ﴿كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾[10] ﴿جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ﴾[11] ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا﴾[12] ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾[13] فلم تزل الصوفيّة - رضي الله عنها - في اعتبارها على هذا المنهج.

---

[1] ش: + المنتجة.

[2] ش: تعالى.

[3] علم الأشياء على ما هي عليها في العلم وهو الأعيان الثابتة.

[4] ش: والمجازات.

[5] ف: تشبيه.

[6] ل، ك: يجمع.

[7] [مريم: ٤]

[8] [النور: ٣٩]

[9] [إبراهيم: ١٨]

[10] [البقرة: ٢٦٤]

[11] [الكهف: ٧٧] ي، ف، ك: - فأقامه.

[12] [يوسف: ٨٢]

[13] [الأعراف: ١٤٣]

اس کائنات پر اسی طرح سے غور کر، تو نسخۂ الٰہی کو درست پائے گا جس میں نہ کسی حرف کا فرق ہے اور نہ معنی میں کوتاہی۔ ہم اس کے لیے ازل کے مقابل صرف ابد پاتے ہیں؛ پس شرعاً اس (نسخہ الٰہیہ) کی بھی کوئی انتہا نہیں، اور علم قدیم اللہ عزوجل کی بقا کے باعث سابق اور باقی تھا۔[1]

بندہ کہتا ہے: اللہ اہل تصوف سے راضی ہو، انہوں نے اِس غور و فکر میں وہ طریقہ اپنایا جو عربوں نے اپنے کلام میں استعارات اور مجاز کے ساتھ روا رکھا؛ کہ جب وہ دو چیزوں میں مشابہت اور دو صفات میں مماثلت دیکھتے تو اُن دونوں کو ملا دیتے۔ قرآن میں ایسا بہت کچھ ہے؛ کیونکہ قرآن عربوں کی زبان میں نازل ہوا، جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "بے شک یہ قرآن میری زبان میں اُترا ہے، یعنی خالص عربی زبان میں" اور اللہ کے یہ اقوال اس کی مثالیں ہیں: ﴿سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا﴾ ﴿اُس سراب جیسا جو چٹیل میدان ہو﴾ ﴿اُس راکھ جیسا جس پر تیز ہوا چلے﴾ ﴿اِس کی مثال اس پتھر کی سی ہے جس پر مٹی ہو﴾ ﴿وہ دیوار گرا چاہتی تھی﴾ ﴿اُس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے یا اُس قافلے سے جس کے ساتھ ہم آئے﴾ ﴿سو جب اُس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی﴾ پس صوفیا رضی اللہ عنہم اپنے غور و فکر میں ہمیشہ یہی منہج اپناتے آئے ہیں۔

[1] یعنی انسان اعیانِ ثابتہ میں قدیم اور باقی تھا کیونکہ یہ سب اللہ کے علم کی بدولت قدیم اور باقی تھا۔

فلنلخّص لك ولنقرّب كيف تنظر العالم في الإنسان على ما تقدّم؛ وذلك أن تنظر إلى ما خرج عنك من الموجودات، فإذا وقع عينُك على موجودٍ مَّا فاطلبْ على الصفة الّتي غلبت على ذلك الموجودِ حتّى شُهِر بها، وإذا عرفت تلك الصفة الّتي أنبأتْ عنه ودلّتْ عليه؛ فإمّا صفة نفسيّة له، وإمّا صفة غالبة عليه، ثمّ تنظر تلك الصفة بعينها فتجدها في الإنسان لا محالة، فتُطلِق على الإنسان - عند مشاهدة تلك الصفة - اسم الذي هي صفته؛ مثل البلادة التي هي غالبة على الحمارِ دون غيره من الحيوان؛ فتقول في الإنسان: «حمارًا» إذا رأيناه بليدا، أو «أسدًا» إذا رأيناه شديدا طالب الافتراسِ.

ومثل هذا النظر أيضا في الأسرار الشريفة مثل أن تنظر إلى الشمس والقمر، فتجعل الشمس للروح والقمر للنفس؛ وذلك أنّ النفس ذات كمالٍ ونقصٍ على حسب ما يرد في داخل الكتاب، فكمالها بالعقلِ والعلم، ونقصها بالجهل والشهوات، وكما أنّ نقص القمر قد يكون سببه الأرض وهو الأسفل من العالم، كذلك نقص النفس إنّما هو من ارْتكاب الشهوات ومحلّها أسفل سافلين، وكما أشرقت الأرض بنور الشمس، كذلك أشرقت الأجسام بنور الروح، فكشفت الأشياء على ما هي عليه، إلى أمثال هذا ممّا يطول ذكره.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: ولمّا أردنا أن نأخذ في مقابلة النسختين: العالم الأكبر والأصغر على الإطلاق في جميع الأسرار العامّة والخاصّة، رأينا أنّ ذلك يطول، وغرضنا من العلوم ما يوصِل إلى النجاة في الآخرة إذ هي[1] الدنيا فانية داثرة؛ فعدلنا إلى أمرٍ تكون فيه النجاة، ويتمشّى معه المرادُ؛ الذي بنينا عليه كتابنا؛ وهو أنّا نظرنا الإنسانَ فوجدناه مكلَّفا مسخَّرا بين وعد ووعيدٍ، فسعينا في نجاته ممّا تُوُعِّدَ به، وتخليصه لما وَعَدَ اللهُ؛ فاضطرّنا الحال في إقامة القسطاس عليه من العالم الأكبرِ، فقلنا:

---

[1] ف: هذه.

اب ہم مختصراً تجھے بتاتے ہیں کہ تو انسان میں کائنات کا مشاہدہ کیسے کر سکتا ہے؛ وہ یوں کہ تو ان موجودات پر غور کرے جو تجھ سے خارج ہیں، اور جب تیری نظر کسی موجود پر پڑے تو اُس موجود میں وہ غالب صفت ڈھونڈ جس بنا پر وہ مشہور ہے، جب تو وہ صفت جان گیا جو اُس (موجود) کے بارے میں بتاتی یا اُس پر دلالت کرتی ہے؛ پھر یا تو یہ اس کی ذاتی صفت ہو گی یا اُس پر غالب ہو گی۔ پھر (انسان میں) بعینہ اس صفت پر غور کر، تو لازماً اسے انسان میں بھی پائے گا۔ لہٰذا انسان میں اس صفت کو دیکھتے ہوئے اُس (انسان) پر اِس نام کا اطلاق کر جس موجود کی یہ صفت ہے؛ مثلاً کند ذہن ہونا دوسرے جانوروں کی نسبت گدھے کی غالب صفت ہے، مگر جب ہم کسی انسان کو کند ذہن دیکھتے ہیں تو اسے بھی "گدھا" کہتے ہیں اور جب کسی کو وحشی اور شکار کرنے والا دیکھتے ہیں تو "شیر" کہتے ہیں۔

اسی طرح عالی اسرار پر بھی غور کیا جاسکتا ہے؛ مثلاً جب تو سورج اور چاند کو دیکھ، تو سورج کو روح اور چاند کو نفس قرار دے؛ وہ اس لیے کہ نفس میں کمال اور نقص دونوں موجود ہیں، جیسا کہ اِس کتاب میں آگے آئے گا، اِس کا کمال عقل اور علم سے جبکہ اِس کا نقص جہالت اور شہوات سے ہے۔ جیسے چاند کے گھٹنے کا ایک سبب زمین ہے، اور (زمین) کائنات کا پست ترین حصہ ہے، اسی طرح نفس کا نقص شہوات کے ارتکاب میں ہے اور یہ اسفل السافلین یعنی پست ترین مقام میں سے ہیں۔ جیسے زمین سورج کی روشنی سے روشن ہوتی ہے، اسی طرح اَجسام روح کے نور سے منور ہوتے ہیں، اور پھر چیزیں ویسی نظر آتی ہیں جیسی وہ (حقیقتاً) ہوتی ہیں، یا اس طرز کی دیگر مثالیں جن کا ذکر طویل ہے۔

مؤلف کہتا ہے - اللہ اس سے راضی ہو -: جب ہم نے ان دو نسخوں: عالم اکبر (یعنی کائنات) اور عالم اصغر (یعنی انسان) کا تمام عام اور خاص رازوں میں بے قید موازنہ کرنا چاہا تو دیکھا کہ یہ سلسلہ طول پکڑ جائے گا۔ جبکہ علوم سے ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ ہمیں آخرت میں نجات دلا سکیں، کیونکہ یہ دنیا تو فانی اور ختم ہونے والی شے ہے۔ لہٰذا ہم اس معاملے کی طرف لوٹے جس میں ہماری نجات ہے، جس کے ساتھ مراد ہے اور جس پر ہماری اس کتاب کی بنیاد ہے؛ وہ یہ کہ جب ہم نے انسان کو دیکھا تو اِسے وعد اور وعید کے درمیان مکلّف اور مسخر پایا،

أين ظهرت الحكمة من الخطاب والوَعْد والوعيدِ من العالم الكبير، فرأينا ذلك في حضرة الأمر والنّهي حضرة الإمامة ومقرّ الخلافة، فَوَجدنا الخليفةَ شاهدًا، فيه ظهرت الحكمة وآثار الأسماء، وعلى يديه تنفعل أكثر المكوَّنات المخلوقة للباري تعالى.

فتقصّينا الأثر وأمعنّا النظر في حظّ الإنسان من هذه الحضرة الإماميّة فوجدنا في الإنسان خليفة، ووزيرًا، وقاضيا، وكاتبا، وقابض خراج وجبايات، وأعوانا ومقاتلة أعداء، وقتلا وأسرا، إلى أمثال هذا ممّا يليق بحضرة الخلافة الّتي هي محلّ الإرث، وفي الأنبياء انتشرت راياتها، ولاحت أعلامها[1]، وأذعن الكلّ لسلطانها، ثمّ خفيت بعد الأنبياء - صلوات الله عليهم - فلا تظهر أبدًا إلى يوم القيامة عمومًا. لكن قد تظهر خصوصًا؛ فالقطب معلوم غير معيّن، وهو خليفة الزمان ومحلّ النظر والتجلي، ومنه تصدر[2] الآثار على ظاهر العالم وباطنه، وبه يُرْحَم من يُرْحَم، ويُعَذَّب من يُعذَّب، وله صفات إن اجتمعت في خليفة عَصْرٍ فهو القطب، وعليه مدارُ الأمر الإلهيّ، وإن لم تجتمع فهو غيرهُ، ومنه تكون المادّة لملك ذَلِك العَصْرِ. وهذا كلّه في الإنسان موجود. ونحن - إن شاء الله - نورده في هذا المجموع أحسن إيراد مختصرًا كافيًا مقنعًا، والله ينفع العبد بما قصد ويسلك به الطريق الأقوم[3] الأسدّ.

---

[1] ف: علامتها.

[2] م: يصدر.

[3] ي، م، ك: - الأقوم.

لہذا ہم نے کوشش کی کہ وعید سے اُس کی جان چھڑوائیں اور وعد سے اُسے ہمکنار کروائیں؛ حال نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اِس پر "عالمِ اکبر" سے ایک میزان قائم کریں، سو ہم نے کہا: "عالمِ اکبر" میں وَعد و وعید اور خطاب کی حکمت کہاں ظاہر ہوئی؟ تو یہ ہمیں حاضرتِ امر و نہی؛ حاضرتِ امامت اور خلافت کے محلِ اقامت میں نظر آئی، ہم نے خلیفہ کو گواہ پایا، اِسی میں حکمت اور اسما کے آثار ظاہر ہوئے، اور اسی کے ہاتھ پر باری تعالیٰ کی اکثر مخلوقات متاثر (منفعل) ہوئیں۔

جب ہم نے اس مقام کا مزید کھوج لگایا اور حاضرتِ امامت سے ملنے والے انسانی حصے پر باریکی سے غور کیا تو ہمیں انسان میں خلیفہ، وزیر، منصف (قاضی)، کاتب (سیکرٹری)، ٹیکس کلکٹر (محصول جمع کرنے والا)، محافظ، دشمنوں کا مقابلہ کرنے والا، قاتل اور قیدی نظر آیا، یا اِس طرز کی دیگر وہ مثالیں جو حاضرتِ خلافت کے لائق ہیں، اور یہ حاضرت ہی جائے وراثت ہے، انبیا میں اِس کی علامات ظاہر ہوئیں اور اس کے جھنڈے لہرائے، کہ ہر ایک نے اِس کی قوت کے سامنے اپنا سر جھکایا۔ پھر انبیا علیہم السلام کے بعد یہ (خلافت) مخفی[1] ہو گئی، اب یہ قیامت تک عمومی طور پر ظاہر نہ ہو گی، لیکن مخصوص لوگوں میں ظاہر ہوتی رہے گی؛ قطب معلوم تو ہے پر غیر معین ہے، وہی وقت کا خلیفہ اور مرکز نگاہ و تجلی ہے۔ اس عالم کے ظاہر اور باطن پر اِسی کے ہاتھوں آثار صادر ہوتے ہیں، اسی سے جس پر رحم کرنا ہو، رحم کیا جاتا ہے اور جسے عذاب دینا ہو، عذاب دیا جاتا ہے۔ اُس میں چند (مخصوص) صفات ہیں، اگر یہ خلیفۂ وقت میں ہوں تو وہ قطب ہوتا ہے، اُسی پر امر الٰہی کا دار و مدار ہے، اور اگر یہ (صفات کسی ظاہری خلیفہ میں) نہ ہوں تو وہ قطب نہیں ہوتا، البتہ وقت کے بادشاہ کو اِسی قطب سے امداد پہنچتی ہے۔ یہ سب تو انسان میں بھی موجود ہے۔ اور ہم - ان شا اللہ - اس (کتاب) میں یہ سب بہتر طریقے سے لائیں گے جو اختصار میں کفایت اور قائل کرنے والا ہو گا، اللہ بندے کو اس کی نیت کے مطابق اجر دے اور اسے سیدھی راہ پر چلائے۔

---

[1] یعنی ظاہر سے باطن میں منتقل ہو گئی۔

مقدّمة الكتاب

التصوّف - صافاك الله - أمره عجيب، وشأنه غريب، وسِرّه لطيف، ليس يُمنَح إلّا لصاحب عناية وقَدَم صِدْق، له أمورٌ وأسرار، غطّىٰ عليهنّ إقرار وإنكار، وسُقنَا هذه المقدّمة توطئةً لعلوم[1] التصوّف على الإطلاق؛ فإنّ الإنكار عليه شديد، وشيطان المخالِف له مَرِيدٌ، علىٰ أنّا ما سُقنا من هذه العلوم في هذا الكتاب إلّا النزر اليسير في آخره وإشارات تتخلّله، فسُقْنا هذه المقدّمة لتلك الإشارات، ومن أراد أن يقف من تواليفنا علىٰ جُلّ أسرار هذه الطريقة الشريفة فليُطالع كتاب: «مناهج الارتقاء إلىٰ افتضاض أبكار البقاء، المخدَّرات بخيمات اللقاء» وبنيناه علىٰ ثلاثمائة بابٍ وثلاثة آلاف مقامٍ، لكلّ باب عشر مقامات، كلّها أسرار بعضها فوق بعض.

فرجونا - وفّقك الله - في سياق هذه المقدّمة في هذا الكتاب، الّتي هي كالعلاوة عليه، أن يقف عليه السالك ابتداءً؛ فتكون[2] له عصمة من الإنكار علىٰ كلام أهل[3] الطريقة، وما يقف عليه في داخل هذا الكتاب فيقع منه التسليم، فربّما يُفتَح له قُفُل السِّرِّ الذي وقف عنده وسَلَّمه، فلهذا ما أوردناها. جعلنا الله ممّن حَسُنَ إسلامه، وسَلَّم ما لم يبلغه عِلْمُه، آمين بعزّته.

فاعلم - شرح الله سبحانَه صدرَك - أنّ مبنىٰ هذا الطريق علىٰ التسليم والتصديق، حتّىٰ قال بعض السادة القادة: «لا يبلغ الإنسانُ دَرَج الحقيقة حتّىٰ يشهد فيه ألف صدّيق أنّه زنديق» ثمّ تَأَيّد قول هذا السيّد بقول الشريف الرضي حفيد علي

---

[1] ي: لعلم.

[2] ف: فيكون.

[3] ش: + هذه.

مقدمہ کتاب

اللہ تجھے پاک صاف کرے، تصوف کا معاملہ عجیب، اس کی شان غریب اور اس کا راز لطیف ہے۔ یہ صرف "صاحبِ عنایت" اور "ازلی سچے" کو ہی عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے کچھ ایسے پُر اسرار معاملات ہیں جن پر انکار اور اقرار کے حجابات ہیں۔ ہم اس مقدمے کو پورے علمِ تصوف کے حرف اول[2] کے طور پر لائے ہیں؛ کیونکہ اس (تصوف) کا بڑا شدید انکار ہے، اور مخالف شیطان اِس سے برسرپیکار ہے، حالانکہ ہم نے اِس کتاب میں ان علوم کا بہت تھوڑا سا حصہ درج کیا، وہ بھی کتاب کے آخر میں، یا بین بین چند اشارات ہیں، لیکن یہ مقدمہ ہم نے انہی اشارات کے لیے لکھا۔ جو کوئی ہماری تالیفات میں اس بلند پایہ طریق کے بڑے بڑے اسرار سے آشنائی چاہتا ہے تو اُسے ہماری کتاب "مناهج الإرتقاء إلىٰ افتضاض أبكار البقاء المخدرات بخيمات اللقاء" کا مطالعہ کرنا چاہیے، ہم نے اسے تین سو ابواب پر مرتّب کیا، جن میں تین ہزار مقامات ہیں، ہر باب میں دس مقامات؛ اور یہ سب کے سب اسرار ہیں، جن میں سے بعض دیگر بعض سے اوپر ہیں۔

اللہ تجھے توفیق دے، ہم یہ امید کرتے ہیں کہ سالک سب سے پہلے اِس کتاب کے مقدمے کو پڑھے گا، جو اِس کا پیش لفظ ہے؛ تاکہ وہ اہل طریقت کے کلام ـ اور جو کچھ اِس کتاب کے اندر ہے اُس ـ پر انکار کرنے سے بچ جائے اور اِس کو مان لے۔ ہو سکتا ہے اُسے کسی ایسے راز سے آگاہی ملے جس پر اُس نے غور کیا ہو اور وہ اِسے قبول بھی کر لے، ہم نے یہ مقدمہ اسی لیے لکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو بہترین طرز پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آئے وہ (اُس کے اہل تک) پہنچاتے ہیں، آمین بعزتہ۔

جان لے ! ـ اللہ سبحانہ تیرا سینہ کشادہ کرے ـ کہ اِس راستے کی بنیاد تسلیم اور تصدیق پر ہے، حتیٰ کہ ایک قائد اور امام نے یہ کہا: "انسان حقیقت کی سیڑھی پر اُس وقت تک نہیں

بن أبي طالب – رضي الله عنهما[1] –:

يا رُبَّ جَوْهَرِ عِلْمٍ لَوْ أَبُوحُ بِهِ   لَقِيلَ لِي أَنْتَ مِمَّنْ يَعْبُدُ الوَثَنَا

وَلَاسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُسْلِمُونَ دَمِي   يَرَوْنَ أَقْبَحَ مَا يَأْتُونَهُ حَسَنَا

فاشترط في إنكار هذا العِلق النفيس رجالا سمّاهم مسلمينَ قد وقفوا مع التخييل والتلبيس، وكيف لا يُنْكَر هذا الطريق! وهل يبقىٰ أثر للباطل عند ظهور الحقّ؟! ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾[2] ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾[3]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَعْطَاكَ سُورَةً   تَرَىٰ كُلَّ مَلْكٍ دُونَهَا[4] يَتَذَبْذَبُ

بِأَنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوكُ كَوَاكِبُ   إِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ كَوْكَبُ

﴿قُلِ اللهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ﴾[5] «حسنات الأبرار سيّئات المقرّبين» «إنّه لَيُغان علىٰ قلبي فأستغفر اللهَ مائة مرّة» فانظر هذين الشيئين[6] في عالم الحسّ الداخل تحت ذُلِّ الحصر فكيف بعالم الملكوت! فكلّ من تكلّم من غير هذا المقام فإنّه صاحب أضغاث أحلام، ألم تر إلىٰ قول الجنيد: «إنّ المحدَث إذا قورن بالقديم لم يبق له أثر» وشتّان بين من ينطق عن درسه ونفسه وبين من ينطق عن ربّه ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾[7]

---

[1] ل: عنه. يقول الشيخ الأكبر في الباب ٣٠ في الفتوحات المكية ، وإلىٰ هذا العلم كان يشير علي ابن الحسين بن علي بن أبي طالب زين العابدين عليهم الصلاة والسلام.

[2] [يونس: ٣٢]

[3] [الإسراء: ٨١]

[4] ش: دونه.

[5] [الأنعام: ٩١]

[6] أي قول حسنات الأبرار سيّئات المقرّبين وقول إنّه لَيُغان علىٰ قلبي فأستغفر اللهَ مائة مرّة.

[7] [النجم: ٣]

پہنچتا جب تک ایک ہزار صدیق اِس کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ وہ زندیق ہے۔" پھر اِس سردار کے اس قول کی تائید علی کے پوتے علی زین العابدین-اللہ ان دونوں سے راضی ہو- کے اِس شعر سے بھی ہوتی ہے:

اگر میں علم کے جوہر کو ظاہر کروں تو مجھے یہ کہا جائے گا کہ تو بُت پرست ہے، اور مسلمان میرے خون کو حلال جانیں گے، کہ جس عمل کو وہ برا سمجھتے ہیں اسے خوشی خوشی کریں گے۔

آپ نے اِس نفیس (علم) کے منکروں کو مسلمان کہا حالانکہ وہ اپنے خیالات میں اوہام کا شکار تھے۔ اِس راہ کا انکار کیسے نہ کیا جاتا؟ کیا ظہورِ حق کے بعد بھی باطل کا کوئی نشان رہتا ہے؟ ﴿حق کے بعد تو صرف گمراہی ہے﴾ ﴿کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا جب اللہ نے تجھے رفعت بخشی، تو اس (رفعت) سے کم مرتبت ہر بادشاہ مخمصے کا شکار ہو گیا؛ (اور ایسا کیوں نہ ہو) کیونکہ تو سورج ہے اور یہ بادشاہ ستارے ہیں، جب سورج نکلتا ہے تو کبھی کوئی ستارہ بھی نظر آیا۔

﴿کہہ دے اللہ، اور پھر انہیں ان کی بے ہودگیوں میں کھیلنے دے﴾ "نیکوکاروں کی حسنات مقربین کی سیئات ہیں" "بیشک میرے دل پر بھی داغ آتا ہے تو میں اللہ سے ۱۰۰ مرتبہ استغفار کرتا ہوں" عالم حِس کی اِن دو چیزوں پر غور کر، کہ یہ عالم تو خود احاطے میں ہے، عالم ملکوت کا کیا حال ہو گا! اور جو کوئی اِس مقام کے سوا بات کرتا ہے تو وہ بے تکی بات کرتا ہے۔ کیا تو نے جنید (بغدادی) کے اِس قول پر غور نہیں کیا: "اگر حادث کا موازنہ قدیم سے کیا جائے تو حادث کا نشان تک نہیں رہتا۔" اُن دونوں میں کس قدر دوری ہے؛ ایک وہ جو اپنے مطالعے اور اپنے نفس سے بولتا ہے اور دوسرا وہ جو اپنے ربّ سے بولتا ہے ﴿وہ تو اپنی خواہش سے بولتا ہی نہیں﴾

فإيّاك وطلب الدليل من خارجٍ فتفتقر إلى المعارج، واطلبه من ذاتك لذاتك تجد الحقّ في ذاتك. أرأيتَ لمّا ثبتت نبوّة رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم - واستقرّ في نفوس العقلاء أنّه - صلّى الله عليه وسلّم - ينطق عن الله تعالى لا عن هوى نفسه، كيف دخلوا في رقّ الانقياد والتسليم، وتصرّفتْ عليهم وظائف[1] التكليف، ولم يسألوا ما الدليل ولا ما العلّة. ولقد كان الصّحابة - رضي الله عنهم - يسألونه عن أشياء حتّى نُهوا عن ذلك في قوله - تعالى -: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾[2] فقال الصحابي: نهينا أن نسأل رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم -.

فإن تعرّض لك أيّها الأخ المسترشد من ينفّرك عن الطريق فيقول لك: طالبهم بالدليل والبرهان، يعني أهل هذه الطريقة، فيما يتكلّمون به من الأسرار الإلهيّة. فأعرض عنه، وقل له مجاوبا في مقابلة ذلك: ما الدليل على حلاوة العسل؟ ما الدليل على لذّة الجماع وأشباههما؟ وخبِّرني عن ماهيّة هذه الأشياء؟ فلا بدّ أن يقول لك: هذا علم لا يحصل إلّا بالذّوق فلا يدخل تحت حَدٍّ ولا يقوم عليه دليل. فقل له: وهذا مثل ذلك. ثمّ اضرب له مثالا آخر، وقل له: لو كان لك دار بنيتها بيدك وما اطّلع عليها أحد غيرك، ففشي ذكرها واتّصل بأسماع الناسِ خبرها، ثمّ اصطفيتَ أحدًا من خواصّك، فأدخلتَه إيّاها حتّى عاينها وأحاط بما أطلعته منها عليه[3]، وهو بمرأى من الناس عند إدخالك إيّاه، ثمّ خرج إليهم وقعد يصف لهم ما رأى فيها، هل يصحّ[4] أن يقال له: ما الدليل في ذلك المقام على ما تذكره[5] أنّه على هذه الصفة؟ هذا لا يصحّ،

[1] ل، م رسم الكلمة: وصائف أو وضائف.

[2] [المائدة: ١٠١]

[3] ل: عليها.

[4] ش: + لهم.

[5] ش: ما الدليل على ما تذكره في ذلك المقام.

لہٰذا خارج سے دلیل کا طالب مت بن، تو واسطے کا محتاج ہو گا، بلکہ اسے اپنے اندر اپنے لیے کھوج، تجھے حق تجھ ہی میں ملے گا۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی نبوت پایہ ثبوت کو پہنچی اور اہل عقل کے نفوس میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں نہ کہ اپنی خواہش سے، تو کیسے وہ سب تسلیم و رضا کی غلامی میں آئے اور دین کے کاموں میں لگ گئے، اُنہوں نے تو کبھی دلیل اور علت کے بارے میں نہیں پوچھا۔[۳] بے شک آپ کے اصحاب آپ سے چیزوں کے بارے میں پوچھا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے اِس قول سے انہیں روک دیا: ﴿اے ایمان والو! ان چیزوں کے بارے میں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں برا لگے﴾ ایک صحابی نے کہا: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا ہے۔“

اے راہِ سلوک کے متلاشی! اگر تجھے کوئی اس راہ سے متنفّر کرنے کی کوشش کرے، تجھے یہ کہے کہ اہلِ طریقت سے اَسرار الٰہیہ سے متعلق باتوں میں دلیل اور برہان کا مطالبہ کر، تو اس سے منہ موڑ لے، اور اس کے جواب میں اسے یہ کہہ: شہد کے میٹھا ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور جماع کی لذت یا اِس جیسی دوسری لذتوں کی کیا دلیل ہے؟ اور (یہ کہ) مجھے ان چیزوں کی ماہیت بتا؟ وہ لازماً تجھے یہی کہے گا: یہ علم تو صرف ذوق سے ہی جانا جاتا ہے؛ نہ اس کی کوئی تعریف ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔ پھر اُسے کہہ: (تصوف) بھی اسی طرح ہے۔ پھر اُسے یہ مثال دے: اگر تو نے اپنے ہاتھ سے ایک گھر بنایا، اور تیرے سوا کسی نے اُسے نہ دیکھا، لیکن اِس کا ذکر چلا اور لوگوں میں اُس کا چرچا ہوا، پھر تو نے اپنے کسی خاص بندے کو چُنا، اُسے اِس گھر میں داخل کیا یہاں تک کہ اس نے یہ دیکھ لیا اور جان گیا کہ اس میں کیا کیا ہے، وہ لوگوں کے سامنے اس میں داخل ہوا تھا، اور باہر آ کر اُس نے انہیں بتایا کہ یہ اندر سے کیسا ہے، تو کیا اُس سے یہ پوچھنا درست ہو گا: اِس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ جگہ ویسی ہی ہے جیسی تو نے ہمیں بتائی؟ یہ پوچھنا درست نہیں۔ اگر کوئی یہ بات کرے گا تو لوگ اسے احمق اور بے وقوف ہی کہیں گے، اور کہیں گے: اس بات پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ ہماری غایت تو یہی ہے کہ ہم نے ایسے شخص کو دیکھا جسے ایک صاحب نے اپنا گھر دکھایا، اور باہر نکل کر اُس نے لوگوں کو بتایا کہ اس نے کیا کیا دیکھا، اب جس

ولو طالبه أحدٌ بذلك حمَّقه الناس وسَخَّفُوه، وقالوا: هذا شيء لا يقوم عليه دليل. غايتنا أن رأينا رجلا أدخله صاحب الدار، وخرج فوصف ما رأىٰ، فمن حَسَّنَ الظَّنَّ به، وثبتت عنده عدالتُه؛ صدَّقه في قوله. ومَن لم فلا يلزمه ذلك ولا يَحسُنُ من أحد أن يُنكِر عليه مقالته. فإذا أردت أن تقف علىٰ ما ادّعاه هذا الرجل فارغب إلىٰ صاحبها يدخلك إيّاها فتُشَاهد مَا شاهد، ليس[1] غير ذلك.

فكذلك يا أخي، هذا العلم السَّنِيُّ، الذي هو نتيجة التقوىٰ، إذا رأينا رجلا قد اتّقىٰ اللهَ، ووقف عند حدوده، واتّصف بالزّهدِ والورع وأشباه ذلك، ثمّ نطق بعد هذا بعلمٍ لا تسعه عقولنا، وهبه الله - سبحانه - إيّاه، فالواجب علينا التسليم والتصديق فيما ادّعاه وتحسين الظنّ به، وترك الاعتراض عليه؛ فإنّ الله - تعالىٰ - قد يخصّ من يشاء من عباده بما شاء[2] من علومه، كما قال: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ﴾[3] وقال: ﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾[4] ومسألة موسىٰ والخضر - صلّىٰ الله عليهما - فيها مَقنَع، أعني في الاختصاص ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾[5]

هل صدر قط أو سُمِعَ عن الصحابة أنّهم سألوا النبيَّ - صلّىٰ الله عليه وسلّم[6] -: ما العلّة[7] أنّ الظّهر أربع، والمغرب ثلاث، ولِمَ أُسِرَّ في بعض وجُهِرَ في بعض؟ ما سمعنا بهذا، وإنّما لم يكن ذلك؛ لأنّه قد ثبتت عصمته، وبان صدقه، وعُلِم أنّه لا ينطق

---

[1] ش: فليس.

[2] ش، ف: يشاء.

[3] [البقرة: ٢٦٩]

[4] [الكهف: ٦٥]

[5] [الأنبياء: ٢٣]

[6] ل، م: عليه السلام. ش: سألوه - عليه السلام -.

[7] ش: + علىٰ.

نے اس (شخص) کے ساتھ نیک گمان رکھا اور جس کے نزدیک وہ سچا تھا، تو اُس نے اِس کی بات کو سچ جانا، اور جس کے نزدیک ایسا نہیں تو اُس پر ایسا لازم نہیں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اُس کی بات کا انکار کرے۔ اگر تو بھی وہ سب دیکھنا چاہتا ہے جو اِس شخص نے دیکھا تو صاحبِ مکان کے پاس جا کہ وہ تجھے بھی اندر لے جائے اور تو بھی وہ دیکھ پائے جو اُس نے دیکھا، (حقیقت جاننے کا) اِس کے سوا کوئی طریقہ نہیں۔

اسی طرح اے بھائی! یہ بلند مرتبہ علم تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ جب ہم کسی شخص کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا دیکھیں، وہ اُس کی حدود کا خیال رکھے، زہد پرہیز گاری یا ان جیسی دیگر صفات سے متّصف ہو، پھر اِس کے بعد وہ کسی ایسے علم سے بات کرے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور جو اسے اللہ کی طرف سے عطا ہوا، تو ہم پر لازم ہے کہ اِس کی بات کو سچ جانیں، اِسے قبول کریں اِس کے ساتھ اچھا گمان رکھیں اور اس پر اعتراض نہ کریں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے علوم سے مخصوص کرتا ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وہ جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی دیتا ہے﴾ اور فرمایا: ﴿اور ہم نے انہیں علم لدنی سکھایا﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر۔ دونوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ کا معاملہ اختصاص میں قائل کرنے والا ہے۔ ﴿اللہ سے پوچھا نہیں جاتا جبکہ اُس کے سوا ہر ایک سے پوچھا جاتا ہے﴾

کیا اصحاب نبی نے ایسا کیا، یا اُن سے یہ سنا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا ہو: اس کی وجہ کیا ہے کہ ظہر چار رکعت ہے اور مغرب تین رکعت؟ اور کچھ نمازوں میں جہری قرات جبکہ کچھ میں سری قرات؟ ہم نے تو ایسا نہیں سنا، اور نہ کبھی ایسا ہوا؛ کیونکہ آپ کی عصمت پایہ ثبوت تک پہنچی اور آپ کا سچ واضح ہوا، پھر یہ بھی جانا گیا کہ آپ تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں۔ پس جب جب ہم تجھے آپ کے وارث سے دلیل طلب کرتا دیکھتے ہیں؛ وہ (وارث) جس

عن نفسه. فمهما رأيناك تطلب الدليل والعلّة علىٰ مَن ورثه ولازَم التقوىٰ الذي يدلّ[١] علىٰ صحّة علمه كدلالة المعجزة علىٰ صدق الرسول، علمنا أنّ صفة الصدق ما استقرّت لديك ولا نُبِذَتْ قطّ إليك، فسلِّم إليهم أحوالهم، ولا تنكر أقوالهم، ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾[٢] عسىٰ الله أن يفتح لك بابا من عنده.

فصل من ذلك

ولا تنكر عليهم - وفّقك اللهُ - النّطقَ بالغيب مع إيمانك بالمثال المحسوس الذي نَصَبَ اللهُ - تعالىٰ - لك؛[٣] أنّ المرآة إذا صقلت وجُلي عنها الصّدأ، وتجلّت صورة الناظر فيها، أليس يرىٰ نفسه حسنا أم قبيحا؟

فإن جاء أحد خلفه تجلّت صورته في المرآة، فعند ما نظر إليها[٤] - والحاضرون معه - قال: خلفي إنسان أو شيءٌ علىٰ صورة كذا وكذا، حتّىٰ يستوفي ما رأىٰ، وهو لم يره بعينه الرؤية المعهودة، والتصديق بهذا واجب؛ فإنّه محسوس. كذلك المعقول نظير المحسوس؛ فيعمد الإنسان إلىٰ مرآة قلبه فيجلوها من صدأ الأغيار، ويميط عنها كلّ حجاب يحجبها عن تجلّي صور المعقولات والمغيّبات بأنواع الرياضات والمجاهدات، فإذا صفت وتجلّت[٥]؛ تجلّىٰ فيها كلّ ما قابلها من المغيّبات؛ فنطق عمّا شاهد ووصف ما رأىٰ، ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ﴾[٦] وهذا مثال علىٰ التقريب، ولولا التطويل لتكلّمنا علىٰ ضروب المكاشفة وأصنافها، لكن يكفي هذا القدر. فمن أراد أن يقف علىٰ أنواعها علىٰ الكمال من تواليفنا فليقف علىٰ «جلاء القلوب».

---

[١] م: تدل.

[٢] [طه: ١١٤]

[٣] ل، ف: + وذلك.

[٤] م، ل، ف: فعند ما نظر إليها قال - والحاضرون معه -:

[٥] ش، ف: وانجلت.

[٦] [النجم: ١١]

نے تقوی کا دامن تھاما اور جو اِس کے درست علم[4] کی نشانی ہے، جیسا کہ معجزہ صدقِ رسول کی نشانی ہے، تو ہمیں پتا چلا کہ تجھ میں تصدیق کی صفت نہیں، اور نہ یہ (صفت) تجھے کبھی حاصل تھی۔ لہٰذا ان کے احوال انہی کے ذمہ چھوڑ اور اِن کے اقوال کا انکار نہ کر، ﴿کہہ: اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما﴾ ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنی طرف سے تجھ پر کوئی دروازہ کھول دے۔

فصل

اللہ تجھے توفیق دے، جب وہ غیب کی بات کریں تو اُن کا انکار مت کر، حالانکہ تو اس محسوس مثال پر بھی ایمان رکھتا ہے جو اللہ تعالی نے تیرے لیے بنائی؛ وہ یہ کہ جب آئینے سے زنگ اتر جائے، اور وہ صاف شفاف ہو جائے، تو کیا دیکھنے والا اِس میں اپنی صورت کی اچھائی یا برائی نہیں دیکھ سکتا؟

اب اگر کوئی اِس شخص کے پیچھے کھڑا ہو تو آئینے میں اُس کی صورت بھی دکھائی دیتی ہے، اور جب وہ اُسے آئینے میں دیکھتا ہے تو دیگر لوگوں کی موجودگی میں کہتا ہے: میرے پیچھے کوئی انسان ہے یا اِس شکل و شباہت کی کوئی شے ہے وغیرہ وغیرہ، اور وہ اسے ٹھیک بیان کرتا ہے حالانکہ اُس شخص نے اِسے براہ راست نہیں دیکھا ہوتا، جیسا کہ عرف عام میں دیکھا جاتا ہے، لیکن (اس طرح سے دیکھنے) کی تصدیق بھی لازم ہے؛ کیونکہ یہ (دیکھنا بھی) محسوس جیسا ہے۔ اسی طرح معقول بھی محسوس جیسا ہے؛ جب انسان اپنے دل کے آئینے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اِسے اغیار کے زنگ سے پاک کرتا ہے، مجاہدات اور ریاضات سے ہر اُس حجاب کو اٹھاتا ہے جو معقولات اور مغیبات کی صورتوں کو اِس آئینے میں جلوہ افروز ہونے سے روکتا ہے، پھر جب یہ صاف شفاف ہو جاتا ہے ؛تو جو غیبی اشیا اِس کے سامنے آتی ہیں اِس میں ظاہر ہوتی ہیں؛ پھر وہ جو مشاہدہ کرتا یا دیکھتا ہے، اُسے بیان کرتا ہے ﴿دل نے جو دیکھا اُسے جھوٹ نہ جانا﴾ یہ ایک ملتی جلتی مثال ہے، اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کشف کی اقسام اور اصناف پر (تفصیل سے) بات کرتے، لیکن اتنی بات ہی کافی ہے۔ جو ہماری کتابوں میں اصنافِ کشف پر کامل آگاہی چاہتا ہے تو اُسے ''جلاء القلوب'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ثمّ يا ليت شعري! طالبُ الدليل على هذا العلم المشاهَد، هل أحاط علما بمعاني الكتاب والسّنّة، حتّى يقال له هو من كذا، هل أحاله دليل العقل؟ فغاية العاقل الذي حصل له عقل التكليف ووقف عند أحكامه: من واجب وجائز ومستحيل، أن يجعل ما نطق به هذا الصوفي من قبيل الجائز، وإنّما صار واجبا عندهم لا من حيثُ نفسه إلّا من حيث العلمُ القديم بأنّه سيكون، فإذا أتى هذا الصوفي بالجائز، أو بموقّفَات العقول؛ إذ النبوّة والولاية فوق طور العقل. فالعقل إنّما يقف أو يجوز؛ لأنّه ما أتى بشيء يَهُدُّ به ركنا من أركان التوحيدِ ولا ركنا من أركان الشريعة. فما حرم المستمع له في معرض الإنكار إلّا قلّة التصديق، فالصفة راجعة عليه، والصوفي منزَّه عمّا نُسب إليه.

فدَرَاكِ يا أخي دَرَاك، قبل حلول الهلاك، ويموت الإنسان على ما كان عليه ويحشر على ما مات عليه، وحَذَار حَذَار، من فوات هذه الأسرار، والاستضاءة بهذه الأنوارِ. فافترش أيّها الطالب الحبيب بساطَ التسليم، واخرج بالحرّيّة عن رقّ الإنكار، واقعد على كرسيّ الفكر، وأفرغ عليك حلّة المجاهدة، واجعل على رأسك تاج الموافقة والمساعدة، وانظر النّطق من غير محلّ الخطاب تجد[1] الحقّ، وانظر المستمع تجده مُسْتَمِعًا مُسْمِعًا مخاطِبًا مخاطَبًا، فإذا كان هو المتكلِّم والمستمع؛ فأنت عدم وإن كنت موجودًا، كما أنت حاضر وإن كنت مفقودًا. ولذلك أشار - صلّى الله عليه وسلّم - مخبرا عن ربّه «ولا يزال العبد يتقرّب إليّ بالنّوافلِ حتّى أحبّه فإذا أحببته كنت سمعه وبصره» فمن يكن الحقّ بصره فكيف يخفى عليه شيء؟! ومن كان لسانه فكيف ينتهي كلامه؟!.

---

[1] ل، م، ف: تجده.

کاش میں جانتا! کیا مشاہدے سے حاصل اِس علم پر دلیل طلب کرنے والے نے کتاب وسنت کے معانی کا احاطہ کر رکھا ہے کہ اِسے بتایا جائے کہ یہ اس طرح سے ہے؟ یا کیا یہ (علم) عقلی دلیل کے مخالف ہے[1]؟ وہ عاقل جسے عقلِ تکلیف حاصل ہے، اور جو اِس کے احکام؛ یعنی واجب، جائز اور مستحیل کے پاس ٹھہرا، اُس کی انتہا تو یہی ہے کہ جو کچھ یہ صوفی اُسے بتائے وہ اِسے جائز کے درجے میں رکھے۔ یہ (علم) تو صرف اِن (صوفیا) کے نزدیک واجب ہے، نہ کہ اپنی ذات میں، ہاں مگر علمِ قدیم کی حیثیت میں، کہ ایسا ہو گا۔ لہٰذا جب یہ صوفی کوئی جائز بات کرے جو عقل کی حدود سے پرے ہے؛ کیونکہ نبوت اور ولایت عقل کی حد سے پرے ہیں، تو عقل توقف کرتی ہے یا پھر مان لیتی ہے؛ کیونکہ اس (صوفی) نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے ارکانِ توحید یا ارکانِ شریعت کے کسی رکن کو زد پہنچی۔ لہٰذا انکار کے معاملے میں اُس کا سامع تصدیق کی کمی کے باعث ہی محروم رہا، اور یہ صفت بھی اُسی (منکر) کی طرف لوٹتی ہے، جبکہ وہ صوفی اُس شے سے پاک ہے جو اُس کی طرف منسوب کی گئی۔[5]

لہٰذا اے بھائی! ہوش کے ناخن لے، قبل اس کے کہ ہلاکت آن پہنچے، اور انسان اِسی بد ظنی میں مارا جائے، اور اُسی حالت میں اس کا حشر ہو جس میں وہ مارا گیا، لہٰذا خبر دار خبر دار، کہیں یہ اسرار نہ کھو جائیں اور یہ انوار نہ مٹ جائیں۔ پس اے طالب اور حبیب، تسلیم و رِضا کی بساط بچھا اور غلامیٔ انکار سے آزادیٔ (اقرار) کی جانب آ، فکر کی کرسی پر بیٹھ، اور مجاہدے کا لباس پہن، اپنے سر پر موافقت اور معاونت کا تاج رکھ، اور اُس بولنے والے پر غور کر کہ جس کا کلام الفاظ کا محتاج نہیں[2] تو حق پائے گا، (پھر اس کلام کے) سننے والے پر غور کر، تُو اُسے سننے والا سنانے والا، مخاطِب اور مخاطب پائے گا۔ اگر وہی بولنے والا اور سننے والا ہے؛ تو پھر تُو عدم ہے، حالانکہ موجود ہے، جیسا کہ تو حاضر ہے حالانکہ مفقود ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے ربّ سے خبر دیتے ہوئے اشارہ کیا: "میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ میرا

---

[1] کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے پھر عقلی دلیل بھی دی جائے۔

[2] یعنی اپنے قلب میں تجلیات حق پر غور کرے۔

فتحقّق هذه المقدّمة وقف عندها، ترشد وتحمد عاقبة أمرك إن شاء الله تعالى، فوفِّر دواعيك - وفّقك الله[١] - لما نورده عليك في هذا الكتاب، والله ينفعنا وإيّاك بالعلم ويجعلنا من أهله، آمين بعزّته.

قال المؤلِّف - عفى الله عنه -: لمّا فرغنا من هذه المقدّمة والتمهيد، رأينا أن نقدّم فصلا في فهرسة الأبواب رغبة في التّيسير، لمن أراد أن يقف على سرٍّ ما يعيَّن منها، فينظر بابه في الفهرسة فيسهل عليه مَطلَبُه إن شاء الله - تعالى[٢] -.

[١] ف: + تعالى.

[٢] ل، ش: - تعالى.

محبوب بن جاتا ہے، اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کی سماعت اور بصارت ہوتا ہوں" اب جس کی بصارت خود حق تعالیٰ ہو تو اُس سے کوئی چیز کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور جس کی زبان (حق تعالیٰ ہو) تو اُس کی بات کیسے ختم ہو سکتی ہے؟

اس مقدمے کی حقیقت سمجھ اور اسی کے پاس ٹھہر، تیری رہنمائی ہو گی اور تو اپنے انجام کو سراہے گا، ان شا اللہ تعالیٰ۔ اللہ تجھے توفیق دے، وہ سب کرنے کے لیے پُر عزم رہ جو ہم اس کتاب میں تجھے بتائیں گے۔ اللہ ہمیں اور تمہیں اِس علم سے فائدہ پہنچائے اور ہم (سب کو) اِس کا اہل بنائے۔ آمین بعزتہ۔

اللہ اسے معاف فرمائے، مؤلف کہتا ہے: جب ہم اِس مقدمے اور تمہید سے فارغ ہوئے تو ہم نے سوچا کہ آسانی کے لیے یہاں ابواب کی فہرست بھی درج کر دی جائے، تاکہ جو کوئی اس کتاب میں کسی خاص راز کا متلاشی ہو تو وہ فہرست میں وہ باب دیکھ کر آسانی سے اپنا مدعا پائے، ان شا اللہ تعالیٰ۔

فصل في فَهْرَسَة الأبواب

- الباب الأوّل: في وجود[1] الخليفة الذي هو ملِك البدن، وأغراض المتصوّفة فيه، وتعبيرهم عنه؛ وهو الروح.
- الباب الثاني: في اختلاف العلماء في ماهيّته وحقيقته.
- الباب الثالث: في إقامة مدينة الجسم وتفاصيلها الذي هو مُلْكُ هذا الخليفة.
- الباب الرابع: في ذكر السبب الذي لأجله وقع الحرب بين العقل والهوىٰ.
- الباب الخامس: في الاسم الذي يخصّ الإمامَ وحده في[2] صفاته وأحواله، وأنّ الإمام لا يخلو أن يكون واحدًا من أربعة[3].
- الباب السادس: في العدل، وهو قاضي هذه المدينة.
- الباب السابع: في معرفة الوزير وصفاته، وكيف يجب أن يكون.
- الباب الثامن: في الفراسة الشرعيّة والحِكمِيّة.
- الباب التاسع: في الكاتب وصفاته وَكُتبهِ.[4]
- الباب العاشر: في المسدَّدين والعاملين أصحاب[5] الجبايات والخراج.
- الباب الحادي عشر: في رفع الجبايات إلىٰ الحضرة، ووقوف الإمام عليها، ورفعها للملك الحقّ سبحانه.[6]

---

[1] ل، ف: وجود. (لكن الإشارة التصحيح موجودة فوقه)

[2] ف: وفي.

[3] ش: الأربعة.

[4] ي، ك: والكتبة.

[5] ش: وأصحاب.

[6] ف: + تعالىٰ.

فہرست ابواب کتاب

- الباب الثاني عشر: في السّفراء والرسل الموجَّهين إلى الثائرين بمدينة البَدن.
- الباب الثالث عشر: في سياسة القُوّاد والأجناد ومراتبهم.
- الباب الرابع عشر: في سياسة الحروب والمكايد وترتيب الجيوش عند اللقاء.
- الباب الخامس عشر: في ذكر السرّ الذي يُغلب[1] به أعداء هذه المدينة والتنبيه عليه.
- الباب السادس عشر: في ترتيب الغذاء الجسماني والروحاني[2] على فصول السنة لإقامة هذا الملك وبقائه.
- الباب السابع عشر: في خواصّ الأسرار المُودَعة في الإنسان، وكيف ينبغي أن يكون السالك في أحواله. وفي هذا الباب أودعتُ مضاهاة نفس الإنسان وحضرة الباري - تعالى - وهو على خمسة أبواب:
  - الباب الأوّل: كيف إفاضة[3] نور اليقين على ساحة القلب.
  - الباب الثاني: في الحجب المانعة من إدراك عين القلب الملكوت.
  - الباب الثالث: في اللوح المحفوظ الذي هو الإمام المبين ولوح المحو والإثبات.
  - الباب الرابع: في أسباب الزّفرات والوجبات والتحرّك عند السماع.
  - الباب الخامس: في الوصيّة للمريد السالك وهو على فصول وبه ختم الكتاب.

فجميع أبواب هذا الكتاب أحدٌ وعشرون بابا نذكرها - إن شاء الله تعالى - في داخل الكتاب على ما هي عليه في الفهرسة. وهذا حين أبتدئ، وبالله أستعين.[4]

---

[1] ي، ك: تغلب.

[2] ي، ك: - الجسماني. ش: شطب على كلمة الجسماني. ل: - الروحاني.

[3] ف: + العقل.

[4] م: بلغت قرأءة.

- باب ۱۲: شہر جسم میں باغیوں کی طرف بھیجے گئے سفیروں اور ایلچیوں کا بیان۔
- باب ۱۳: فوجی قائدین اور سپاہیوں کی سیاست، اور فوج کے مراتب کا بیان۔
- باب ۱۴: جنگی چالیں، حکمتِ عملی اور مقابلے کے وقت فوج کی ترتیب کا بیان۔
- باب ۱۵: اُس راز کا ذکر اور آگاہی جس سے اس شہر کے دشمن اِس پر غالب آسکتے ہیں۔
- باب ۱۶: اس مملکت کے قیام اور بقا کے لیے سال بھر کے موسموں میں روحانی اور جسمانی غذا کی ترتیب کا بیان۔
- باب ۱۷: انسان میں رکھے گئے اسرار کے خواص، اور سالک کو اپنے احوال میں کیسا ہونا چاہیے۔ اس باب میں میں نفس انسانی کی حاضرت باری تعالی سے مشابہت پیش کروں گا، یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے:
  - پہلا باب: دل کے آنگن پر نورِ یقین کا فیض کیسے پڑتا ہے۔
  - دوسرا باب: دل کی آنکھ کو ملکوت کے ادراک سے روکنے والے حجابات کا بیان۔
  - تیسرا باب: لوح محفوظ کا بیان، جو کہ امام مبین ہے اور لوح محو اور اثبات کا بیان۔
  - چوتھا باب: سماع کے وقت آہیں بھرنے، آوازیں نکالنے اور حرکت کرنے کے اسباب کا بیان۔
  - پانچواں باب: سالک مرید کے لیے وصیتیں، یہ چند فصول ہیں اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہے۔

اس کتاب کے جملہ ابواب اکیس ہیں جنہیں ہم ان شا اللہ تعالی کتاب میں بھی ویسے ہی درج کریں گے جیسا کہ اس فہرست میں ذکر کیا، یہ اُس وقت جب میں (کتاب) شروع کروں گا، اور میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں۔

بسم الله الرحمن الرحيم
عونك اللهم يا معين[1]

الباب الأوّل في وجود الخليفة الذي هو مَلِك البدن وأغراض الصوفيّة - رضي الله عنهم - فيه، وتعبيرهم عنه؛ وهو الروح الكلّي

وقد نبّه الله سبحانه عليه في قوله - تعالىٰ -: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[2] واعتباره في العالم الأصغرِ استخلاف الروح في أرض البدن.

قد قدَّمنا في صَدْر هذا الكتاب قَصْدَنا فيما أشرنا إليه وعَزَمْنا علىٰ إخراجه في هذا المجموع، ومهّدناه مخافة الطّعنِ والنُّقّاد[3] العمي الذين ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾[4] وأعربنا عن حقيقة ما أردنا حتّىٰ لا يجد الناقدُ إليه مَسَاغًا. فنقول علىٰ بركة الله - تعالىٰ - ﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾[5]

كان سبب تأليفنا لهذا الكتاب أنّه لمّا زرتُ الشيخ[6] الصالح أبا محمد الموروري، بمدينة مورور، وجدتُ عنده كتاب «سرّ الأسرار» صنعة الحكيم لذي القرنين لمّا

---

[1] ي، ف، ك، ش: - عونك اللهم يا معين. ي، ك: + وصلىٰ الله علىٰ سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

[2] [البقرة: ٣٠] ل (في الحاشية): يعني أريد أن أخلق في الأرض خليفة سواكم.

[3] ك: وانتقاد.

[4] [الروم: ٧]

[5] [الأحزاب: ٤]

[6] ش: + الإمام.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے اللہ تیری مدد سے

پہلا باب: خلیفہ کے وجود کا بیان

جو شہر جسم کا بادشاہ ہے، اِس میں صوفیا کی اغراض، اللہ ان سے راضی ہو اِس کے بارے میں ان کی تعبیر؛ اور یہی روح کلی ہے

اللہ سبحانہ نے اپنے اِس قول میں اس جانب اشارہ کیا: ﴿اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں﴾ عالمِ اصغر میں اس کی مثال جسم کی زمین میں روح کا خلیفہ ہونا ہے۔

اِس کتاب کے مقدمے میں ہم نے اپنی نیت اور ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اِس مجموعے میں ہم خلیفہ پر بات کریں گے۔ ہم نے یہ (مقدمہ) کوتاہ چشم نقادوں ﴿جو صرف دنیاوی زندگی کا ظاہر ہی جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں﴾ کی جانب سے کی جانے والی (بے جا) تنقید پر ہی لکھا ہے۔ اس میں ہم نے اپنی مراد کی حقیقت واضح کی ہے تا کہ ناقد کے پاس (بے جا تنقید کا) کوئی جواز نہ رہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم یہ کہتے ہیں: ﴿بیشک اللہ ہی حق کہتا ہے اور راہ دکھلاتا ہے﴾

ہماری اِس کتاب کی تالیف کی وجہ یہ بنی کہ جب میں نے شیخ الصالح ابو محمد المورورى سے شہر مورور میں ملاقات کی تو اُن کے پاس ''سِرّ الاسرار'' نامی کتاب دیکھی، جو ذوالقرنین کے استاد نے اُس وقت لکھی تھی جب وہ اپنے شاگرد کے ساتھ (سفر پر) جانے سے معذور تھا۔ ابو محمد نے مجھے

ضعف عن المشي معه. فقال لي أبو محمّد: هذا المؤلّف قد نظر في تدبير هذه المملكة الدنياويّة، وكنت أريد منك أن تقابله بسياسة المملكة الإنسانيّة التي فيها سعادتنا. فأجَبته، وأودعت[١] هذا الكتاب من معاني تدبير المُلكِ أكثر من[٢] الذي[٣] أودعه الحكيم، وبيّنتُ فيه أشياء أغفلها الحكيم في تدبير المُلك الكبير، وعلّقته في دون الأربعة الأيّام بمدينة مورور، ويكون جرم كتاب الحكيم في الرّبع أو الثّلث من جرم هذا الكتاب. فهذا الكتاب ينتفع به خادم الملوك في خِدمته، وصاحب طريق الآخرة في نفسه، وكلٌّ يحشر على نيّته وقصده، والله المستعان.[٤]

اعلم - نوّر الله بصيرتك[٥] - أنّ أوّل موجود اخترعه الله - تعالى - جوهر بسيط روحانيّ فردٌ، غير متحيّز في مذهب قوم ومتحيّز في مذهب آخرين، على حسب ما يرد الكلام على ماهيّته في الباب الثاني من هذا الكتاب إرادةً واختيارًا. ولو شاء سبحانه لاخترع موجوداتٍ متعدّدةً دفعةً واحدةً، خلافًا لما يدّعيه بعض الناس[٦] من أنّه لا يصدر عن الواحد إلّا واحد. ولو كان هذا لكانت الإرادة قاصرة، والقدرة ناقصة؛ إذ وجود أشياء متعدّدة[٧] دفعة واحدة ممكن لنفسه غير ممتنع، والممكن محلّ تعلّق القدرة؛ فإن[٨] ثبت أنّ أوّلَ موجودٍ واحدٌ فاختيارٌ منه - تعالى -.

قال المؤلّف[٩] - رضي الله عنه -: وعبّر أهل الحقائق عن هذا الخليفة بعبارات

---

[١] ش: + في.

[٢] ش: مما.

[٣] ش: - الذي.

[٤] ف: - كان سبب تأليفنا لهذا الكتاب ..... والله المستعان.

[٥] ل (في الحاشية): البصيرة نور القلب كما أن البصر نور العين.

[٦] ف، ش: الفلاسفة.

[٧] ك: - متعددة.

[٨] ش: فالآن.

[٩] ف: - المؤلف. + محمد بن علي.

کہا: اِس مؤلف نے تو صرف دنیاوی مملکت کی تدبیر پر بات کی ہے، جبکہ آپ سے میری یہ گزارش ہے کہ آپ مملکتِ انسانی کی اُس سیاست سے اِس کا موازنہ کریں جس میں ہماری سعادت ہے۔ لہذا میں نے آپ کی فرمائش قبول کی اور اس کتاب میں (اس باطنی) مملکت کی تدبیر کے ایسے مطالب جمع کیے جو کہ اُس حکیم کے جمع کردہ مطالب سے بہت زیادہ ہیں۔ میں نے اِس میں اُن باتوں کو بھی واضح کیا ہے جو وہ فلسفی اِس بڑی بادشاہت کی تدبیر میں چھوڑ گیا تھا، میں نے یہ سب شہر مورور میں چار ایام[6] سے بھی کم وقت میں تحریر کیا۔ اُس فلسفی کی کتاب میری اس کتاب کی ضخامت کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ہوگی۔ یہ وہ کتاب ہے کہ اِس سے بادشاہوں کا خادم ان کی خدمت میں، اور راہِ آخرت کا مسافر اپنے نفس (کی تدبیر) میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہر ایک کا حشر اُس کی نیت اور ارادے کے مطابق ہوگا۔ اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔

اللہ تیری بصیرت کو منور کرے، یہ جان کہ اللہ تعالیٰ نے ارادے اور اختیار سے سب سے پہلے جس موجود کو ایجاد کیا وہ ایک بسیط روحانی فرد جوہر تھا، ایک مکتبۂ فکر کے نزدیک "غیر متحیّز" جبکہ دوسرے کی رائے میں "متحیّز" تھا، جیسا کہ اِس کی ماہیت کے بارے میں کلام اِس کتاب کے دوسرے باب میں آئے گا۔ اگر حق تعالیٰ چاہتا تو ایک سے زائد موجودات کو بیک وقت تخلیق کرتا، برخلاف ان لوگوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ واحد سے صرف واحد کا ہی صدور ہوتا ہے؛ اگر ایسا ہوتا تو پھر (حق تعالیٰ کا) ارادہ قاصر اور قدرت ناقص ہوتی؛ کیونکہ متعدّد اشیا کا بیک وقت ایجاد کرنا فی نفسہ ممکن ہے، ناممکن نہیں۔ اور ممکن قدرت کے تعلق کی جا ہے؛ اگر یہ ثابت ہے کہ سب سے پہلا وجود واحد تھا تو یہ حق تعالیٰ کا اختیار ہے۔

اللہ اس سے راضی ہو، مؤلف کہتا ہے: اہل حقائق نے اِس خلیفہ کو مختلف عبارات سے تعبیر کیا ہے، اور ہر عبارت میں اُس کا ایک معنیٰ ہے۔ ان میں سے بعض نے اِسے "امام مبین" کہا

مختلفة لكلّ عبارة فيها[1] معنىً، فمنهم مَن عبّر عنه بالإمام المبين، ومنهم من عبّر عنه بالعرش، ومنهم من عبّر عنه بمرآة الحقّ، إلى أشباه ذلك. فلنذكر الآن تعبيرهم عنه ولأيّ معنىً خصّوه بتلك العبارات على حسب ما ظهر من الاعتبار في صفاته، الّتي وهبه الله - تعالى - وخصّه بها.

فصل

قال أبو عبد الله محمد - رضي الله عنه[2] -: ذكر القوم - رضي الله عنهم - ومنهم الإمام أبو حامد الغزالي - رضي الله عنه - أنّ هذا الخليفة الذي هو الروح من عالم الأمر، وليس من عالم الخلق اصطلاحًا، واحتجّوا بقوله - تعالى -: ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾[3] وجعلوا «مِنْ» هنا للتبيين، وأرادوا بعالم الأمرِ كلّ مَن[4] صدر عن الله بلا واسطة إلّا بمشافهة الأمر العزيز؛ وهو السبب الثاني بالإضافة إلى الموجودِ[5] المطلق، والسبب الأوّل بالإضافة إلى الموجود المقيّد، فهو أوّل في المبدعاتِ. وعالم الخلق كلّ موجود صدر عن سبب متقدّم من غير مشافهة الأمر الّتي هي الكلمة[6]، قال الله - تعالى -: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[7] إشارة إلى أنّه سيّد العالم، وخالقه ومربّيه. فإذا تقرّر هذا فلا مشاحّة في الألفاظ إذا عرف حقيقة المعنى ﴿وَاللهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾[8]

---

[1] ي، ك، ش، ف: منها.

[2] ي، ف: قال محمد. ك،: قال المؤلف. م: قال محمد رضي الله عنه.

[3] [الإسراء: ٨٥]

[4] ش: ما.

[5] ش: الوجود.

[6] م: + دونه.

[7] [الأعراف: ٥٤]

[8] [الأحزاب: ٤]

ہے، کسی نے اِسے "عرش" کہا ہے تو کسی نے "آئینہ حق" یا اس طرز کی دیگر مثالیں۔ اب ہم ان کی تعبیرات کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ انہوں نے اسے اِن سے کیوں مخصوص کیا؛ یہ تعبیرات ان پر خلیفہ کی صفات میں غور و فکر کے بعد ظاہر ہوئیں، اور یہ (صفات) اِسے اللہ تعالی نے بخشیں اور مخصوص کیا۔

فصل:

ابو عبد اللہ محمد (ابن العربی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک جماعت، جن میں امام ابو حامد الغزالی بھی شامل ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ کا کہنا ہے، کہ یہ خلیفہ یعنی روح بالاتفاق عالم امر سے ہے، عالم خلق سے نہیں۔ انہوں نے اللہ کے اس قول سے دلیل پکڑی: ﴿کہہ دو کہ روح میرے ربّ کا امر ہے﴾ انہوں نے اس آیت میں 'مِن' کو "بیانیہ" قرار دیا، اور عالم امر سے ان کی مراد ہر وہ شے ہے جو اللہ سے بلاواسطہ صرف اُس کے زبانی حکم سے صادر ہوئی؛ وجودِ مطلق کی طرف اضافت میں یہ دوسرا سبب ہے جبکہ وجودِ مقید کی طرف اضافت میں یہ پہلا سبب ہے؛ یہ مبدعات (یعنی مخلوقات) میں سب سے پہلے ہے۔ جبکہ عالم خلق (سے مراد) ہر وہ موجود ہے جو زبانی حکم۔ یعنی کلمہ (کُن)۔ کے بغیر کسی سابق سبب سے صادر ہوا، اللہ فرماتا ہے: ﴿بیشک خلق و اَمر اُسی کے لیے ہیں، وہ ربّ العالمین بڑی برکت والا ہے﴾ یہ اِس طرف اشارہ ہے کہ وہی عالم کا مالک، خالق اور پروردگار ہے۔ جب یہ بات طے ہو گئی اور معنیٰ کی حقیقت سمجھ لی گئی تو اَب الفاظ کے چناؤ میں کوئی مضائقہ نہیں ﴿اللہ ہی حق کہتا ہے اور راہ دکھلاتا ہے﴾

العبارات المصطلح عليها:

قال المؤلِّف - رضي الله عنه[1] -: فأمّا ما أطلق عليه بعض المحقّقين من أهل المعاني - رضي الله عنهم[2] -:

المادّة الأولىٰ:

وكان الأَوْلىٰ أن يطلقوا عليه "الممدّ الأوّل في المحدَثات" لكنّهم سمّوه بالصفة الّتي أوجده الله - تعالىٰ - لها وهذا ليس ببعيد أن يسمّىٰ الشيء بما قام به من الصفات.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: وإنّما عبّر عنه بالمادّة الأولىٰ لأنّ الله - تعالىٰ - خلق الأشياء علىٰ ضربين، منها ما خلق من غير واسطة سبب وجعله سببا لخلق شيء آخر. والاعتقاد الصحيح أنّه - تعالىٰ - يفعل الأشياء عند الأسباب لا بالأسباب، خلافا لمخالفي أهل الحقّ. والذي يصحّ أنّ أوّل موجود مخلوق من غير سبب متقدّم، ثمّ صار سببا لغيره ومادّة له، ومتوقّفا ذلك الغير عليه علىٰ العقد[3] الذي تقدّم كتوقّف الشبع علىٰ الأكل، والري علىٰ الشّرب عادة، وكتوقّف العالِم علىٰ العلم، والحي علىٰ الحياة عقلا وأمثال هذا، وكتوقف الثّواب علىٰ فعل الطاعة والعقاب علىٰ المعصية شرعًا، فلمّا لحظوا هذا المعنىٰ سمّوه المادّة الأولىٰ. وهو حَسن ولا حرج عليهم في ذلك شرعًا ولا عقلا.[4]

---

[1] ف: قال محمد.

[2] ش: - رضي الله عنهم.

[3] ف: العقل.

[4] ش: عقلا ولا شرعًا.

اس پر اصطلاحی عبارات:

مؤلف کہتا ہے - اللہ اِس سے راضی ہو -: اہل معانی کے بعض محققین - اللہ ان سے راضی ہو - نے اِسے "مادۂ اولی" قرار دیا ہے:

مادۂ اولی:

بہتر تو یہ تھا کہ یہ اُسے "محدثات میں مادہ اولی" کہتے، لیکن انہوں نے اِسے اُس صفت سے موسوم کیا جو اللہ تعالی نے اِس کے لیے تخلیق کی، اور یہ بھی بعید نہیں کہ کسی شے کا نام اُس میں قائم صفات سے رکھا جائے۔[8]

مؤلف کہتا ہے - اللہ اُس سے راضی ہو -: اِسے "مادۂ اولیٰ" اِس وجہ سے کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چیزیں دو طرح سے پیدا کیں ہیں: ایک وہ (شے) جو کسی سبب اور واسطے کے بغیر پیدا کی گئی، اور جیسے دوسری اشیا کی تخلیق کا سبب بنایا۔ صحیح اعتقاد یہ ہے کہ وہ متعال اسباب کے پاس اشیا کو تخلیق کرتا ہے، اسباب سے نہیں[9]، یہ قول اہل حق کے مخالفوں کے خلاف ہے۔ درست بات یہ ہے کہ سب سے پہلا موجود بغیر کسی متقدم سبب کے تخلیق ہوا[10] اور پھر یہ دوسروں کے لیے سبب اور ان کا مادہ بنا، اور یہ دوسرا (موجود) اس بندھن کی وجہ سے اِسی (پہلے) پر موقوف ہوا، جیسے پیٹ کا بھرنا کھانا کھانے پر اور پیاس کا بجھنا پانی پینے پر موقوف ہے، یا جیسے عقلاً عالم علم پر اور زندہ زندگی پر موقوف ہے، یا جیسے شرعاً نیک کام پر ثواب اور بُرے کام پر عذاب موقوف ہے۔ جب انہوں نے اس مطلب پر غور کیا تو اِس کا نام "مادہ اولیٰ" رکھا، یہ بھی ٹھیک ہے اور اِس بارے میں اُن پر شرعاً اور عقلاً کوئی تنگی بھی نہیں۔

وعبّر عنه بَعْضُهُمْ بالعرش:

قال المؤلِّف[١] - رضي الله عنه[٢]-: والذي حملهم على ذلك أنّه لمّا كان العرش محيطا بالعالم في قولٍ، أو هو جملة العالم في قول آخر، وهو منبع اتحادِ الأمر والنّهي، ووجدوا هذا الموجود المذكور آنفا يشبه العرش من هذا الوجه؛ أعني الاتحاد والإحاطة، فكما أنّ العرش محيط بالعالم وهو في مذهب قوم الفلك التاسع[٣] كذلك هذا الخليفة محيط بعالم الإنسان، ألا ترى قوله تعالى: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾[٤] في معرض التمدّح، فلو كان في المخلوقات أعظم منه لم يكن ذلك تمدّحًا.

سرّ للخواص

لكن هنا سِرّ نَرمُزُه ليلَذَّ[٥] به صاحبه إذا وقف عليه، وهو قوله - تعالى -: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾[٦] فالعرش المذكور في هذه الآية مستوى الرحمنِ؛ وهو محلُّ الصفة. والخليفة الذي سمّيناه عرشًا، حَمْلًا على هذا، مستوى الله - جلّ جلاله - ، فبين العرشين ما بين الله والرحمن، وإن كان ﴿أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾[٧] فلا خفاء عند أهل الأسرارِ فيما ذكرناه. وحدّ الاستواء من هذا العرش المرموز قوله - صلّى الله عليه وسلّم -: «إنّ الله خلق آدم على صورته» فالعرش الحاملُ للذاتِ والمحمولُ عليه للصِفَة. فتحقّقْ أيّها العارف، وتنبّهْ أيّها الواقف، وانْعَمْ أيّها الوارث، ﴿وَاللهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾.

---

[١] ف: قال محمد.

[٢] ش: رحمه الله.

[٣] م، ي، ك، ش: - في مذهب قوم.

[٤] [طه: ٥]

[٥] ف: ليلتذ.

[٦] [طه: ٥]

[٧] [الإسراء: ١١٠]

خلیفہ بطور عرش:

مؤلف کہتا ہے۔ اللہ اس سے راضی ہو۔: بعض نے اِسے "عرش" کہا ہے، اس کی وجہ یہ بنی جب ایک قول کی رُو سے عرش کائنات پر محیط ہے، اور دوسرے قول کی رو سے وہی کُل کائنات ہے، وہی امر و نہی کے اتحاد کا منبع و ماخذ ہے، تو انہیں یہ مذکورہ بالا موجود (یعنی خلیفہ) اِس رُخ۔ یعنی اتحاد اور احاطہ۔ سے عرش کے مشابہ دکھائی دیا، جیسے عرش کائنات پر محیط ہے۔ اور یہ ایک جماعت کے نزدیک نوواں فلک ہے۔ اِسی طرح یہ خلیفہ عالمِ انسانی پر محیط ہے۔ کیا تو نے اُس متعال کے اِس قول پر مقام مدحت سے غور نہیں کیا؟ ﴿الرحمن عرش پر قائم ہوا﴾ اگر مخلوقات میں سے کچھ اِس سے بڑا ہوتا تو یہ فخر نہ ہوتا۔

خواص کے لیے راز:

یہاں ایک راز ہے جسے ہم رمزاً بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے آگاہی حاصل کرنے والا اس سے لذت پائے، اور یہ اس متعال کا کہنا ہے: ﴿الرحمن عرش پر قائم ہوا﴾ اِس آیت میں مذکور عرش (اسم) الرحمن کے قائم ہونے کی جا ہے؛ چنانچہ یہ جائے صفت ہے۔ اگر اس طرح سے دیکھا جائے تو خلیفہ جسے ہم نے عرش کہا وہ (اسم) اللہ۔ جل جلالہٗ۔ کے قائم ہونے کی جا ہے۔ یوں اِن دونوں عرشوں کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا (فرق اسم) اللہ اور (اسم) الرحمن کے درمیان ہے، حالانکہ ﴿اُسے جس نام سے بھی پکارو اُس کے سارے نام اچھے ہیں﴾ لیکن اہل اسرار ہماری ذکر کردہ اس بات کو سمجھتے ہیں۔ اِس رمزی عرش پر استوا کی حد آپ ﷺ کا یہ قول ہے: "بیشک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔" پس (ایک) عرش ذات کا بار اٹھائے ہے تو (دوسرے) پر صفت قائم ہے۔ لہذا اے عارف! اس کی تحقیق کر، اور اے واقف! اس سے آگاہ ہو، اور اے وارث! اس نعمت پر خوش ہو جا، ﴿اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾

وعبّر عنه بعضهم بالمعلّم الأوّل:

قال المؤلّف[1] - رضي الله عنه[2] -: والذي حملهم على ذلك أنّه لمّا تحقّقت[3] عندهم خلافته، وأنّه حامل الأمانة الإليّة[4]، ونسبته من العالم الأصغر نسبة آدم من العالم الأكبر، وقد قيل في آدم: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾[5] كذلك هذا الموجود، ثمّ خاطب الملائكة: ﴿فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[6] ﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾[7] فأمر الخليفة أن يعلّمهم ما لم يعلموا، فأمرهم الله - سبحانه - بالسجود لمعلّمهم سجودَ أمرٍ - كسجود الناس للكعبة - وتشريفٍ، لا سجود عبادة، نعوذ بالله لا أُشرِكُ به أحدًا. ويكون في هذا العالم الإنساني ثمرة السجود لا نفسُ السجودِ، إنّما هو التواضع والخضوع والإقرار بالسبق والعجز والشرف له والتقدّم كتواضع التلميذ لمعلّمه، وإذا حَصَل موجود في مقام يُعَلِّم منه الملائكة فأحرىٰ مَن دونهم، وذلك تشريف من الله سبحانه، ودليل قاطع علىٰ ثبوت إرادته، يختصّ برحمته من يشاء من عباده.[8]

سرّ للخواص

وهو حين أوقع الأسماء، هل عاين المسمّيات أم لا؟ وإلّا كيف يصحّ إطلاق اسم من غير مسمّىٰ، وهذا موضع نظرٍ وفكرٍ، وسرّ السجود هنا لا يمكن إيضاحه،

---

[1] ف: قال محمد.

[2] ل، ش: - رضي الله عنه.

[3] ش: تحقق.

[4] ف: الأولية.

[5] [الأحزاب: ٤].

[6] [البقرة:٣١]

[7] [البقرة:٣٢]

[8] ل، ف: من عباده من يشاء.

معلم اول:

مؤلف کہتا ہے- اللہ اس سے راضی ہو-: بعض نے اسے ''معلّم اوّل'' کہا ہے۔ اِن کا یہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ جب اِن کے نزدیک اِس کی خلافت ثابت ہوئی، اور یہ خدائی امانت کا حامل ٹھہرا، ''عالم اصغر'' سے اس کی نسبت ویسی ہی ہے جیسی کہ آدم کی ''عالم اکبر'' سے ہے، جبکہ آدم کے بارے میں کہا گیا: ﴿اور اُس نے آدم کو تمام اسما بتائے﴾ یہ موجود بھی اسی طرح سے ہے، پھر فرشتوں سے کہا: ﴿اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ، وہ بولے: پاک ہے تو، ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا﴾ لہذا خلیفہ کو حکم ہوا کہ انہیں وہ سکھا جو وہ نہیں جانتے، پھر اللہ سبحانہ نے انہیں اپنے استاد کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا- جیسے لوگ کعبے کو سجدہ کرتے ہیں- نہ کہ سجدۂ عبادت، اللہ کی پناہ میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اِس عالم انسانی میں سجدے کا ثمر ظاہر ہوا نہ کہ بذاتِ خود سجدہ؛ اور یہ تواضع، خضوع، (اپنے استاد) کے لیے سبقت اور شرف اور اپنے عجز کا اقرار تھا، جیسے شاگرد اپنے استاد کے سامنے اظہارِ عجز کرتا ہے۔ پس اگر کسی موجود کو ایسا مقام حاصل ہو کہ فرشتے اِس سے سیکھتے ہوں تو اِن (فرشتوں) سے نچلے درجے کی (مخلوق) تو (اس بات کی) زیادہ حقدار ہے، یہ اللہ سبحانہ تعالی کی طرف سے ایک اعزاز اور اُس کے ارادے کے ثبوت کی ایک قطعی دلیل ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے۔

خواص کے لیے راز:

وہ یہ کہ جب اسما واقع ہوئے تو اُس نے مسمیات کو دیکھا یا نہیں دیکھا؟ اگر نہیں دیکھا تو مسمّی کے بغیر اسم کا اطلاق کیسے درست ہو گا؟ یہ غور و فکر کا مقام ہے اور یہاں سجدے کے راز کی مزید وضاحت ممکن نہیں، اِسے ہم نے اپنی کتاب "مطالع الأنوار الإلهية" میں ذکر کیا ہے۔ جہاں

وقد ذكرناه في «مطالع الأنوار الإلهيّة». فأمّا هل عاين المسمّيات، فقد نبّه على ذلك - تعالى - بقوله: ﴿بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ﴾[1] فالهاءُ للإشارة والتنبيه، ولا تقع الإشارة إلّا على حاضرٍ، وإن كانت الإشارةُ في هذا الطريق نداءً على رأس البُعدِ وبَوْح بعين العلّة، فنقول: إنّه عاين المسمّيات لكن على صُورةٍ مّا، وذلك أنّه عاينها في نفسه من حيث أنّه مجمع أسرار العَالَم، ونسخته الصّغرى وبرنامجه الجامع لفوائده، وهذه فائدة الإشارة بقوله - تعالى -: ﴿هَؤُلَاءِ﴾ في حقّنا وهو المطلوب والغرض في هذا الكتاب.

وعبّر عنه بعضهم بمرآة[2] الحقّ والحقيقة:

قال المؤلّف - رضي الله عنه[3] -: والذي حملهم على ذلك أنّه[4] لمّا رأوها[5] موضع تجلّي الحقائق والعلوم الإلهيّة والحِكم الربّانيّة، وأنّ الباطل لا سبيل له إليها؛ إذ الباطل هو العدم المحض، ولا يصحّ في العدم تجلّي ولا كشفٌ؛ فالحقّ كلُّ ما ظهر في الوجود. وفي إيرادِ الشبهات المعارضة للأدلّة يتّضح ما أردنا.

سرّ للخواص

[6]السبب الموجب لكونه مرآةً للحقّ قوله - صلّى الله عليه وسلّم - «المؤمن مرآة أخيه» والأخوّة هنا عبارة عن المثليّة اللغويّة في قوله - تعالى -: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[7] وذلك عند بُروز هذا الموجودِ في أصفى ما يمكن وأجلى، ظهر فيه الحقّ بذاته وصفاته المعنويّة، لا النفسيّة، وتجلّى له من حضرة الجود، وفي هذا الظهور الكريم قال

---

[1] [البقرة: ٣١]

[2] ل، م: مرآة.

[3] ف: قال محمد.

[4] م: - أنه. ش، ف: أنهم.

[5] ي، ك: رأوه.

[6] ش: + كلما كان.

[7] [الشورى: ١١]

تک یہ سوال ہے کہ آیا اُس نے مسمیات کو دیکھا؟ تو اللہ نے اپنے اِس قول سے اِسی جانب توجہ دلائی ﴿ان چیزوں کے نام﴾ یہاں "الھاء" اشارے اور تنبیہ کے لیے ہے، اور اشارہ کسی حاضر چیز کی طرف ہی ہوتا ہے، حالانکہ راہ (طریقت) میں اشارہ دوری کی پکار اور علت کا اظہار ہے، تو ہم کہتے ہیں: اُس نے مسمیات کو دیکھا لیکن ایک خاص صورت پر، وہ اس طرح کہ اُس نے (اِن مسمیات کو) خود میں دیکھا کیونکہ وہ اسرارِ کائنات کا مجموعہ، اِس کا چھوٹا نسخہ اور اِس کے فوائد کا جامع روزنامچہ ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "هؤلاء" میں ہمارے حق میں واقع اشارے کا یہی مطلب ہے؛ اور یہی اِس کتاب میں مطلوب اور مقصود ہے۔

آئینہ حق و حقیقت:

مؤلف کہتا ہے - اللہ اس سے راضی ہو -: بعض نے اسے "آئینہ حق و حقیقت" کہا ہے، ان کا یہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ جب انہوں نے اِسے تجلیٔ حقائق، علومِ الٰہیہ اور ربانی حکمتوں کے (ظہور) کی جا دیکھا، اور یہ کہ باطل کا اس کی طرف کوئی راستہ نہیں؛ کیونکہ باطل عدم محض [11] ہے، اور عدم میں نہ تو تجلی ہے اور نہ ہی کشف؛ لہذا وجود میں ظاہر ہر شے حق ہے، اور دلائل کے اُلٹ شبہات لانے سے بھی وہی واضح ہوتا ہے جو ہماری مراد ہے۔

خواص کے لیے راز:

اس کا آئینہ حق ہونے کا سبب آپ ﷺ کا یہ قول ہے: "مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔" یہاں اخوت سے مراد اللہ کے اس قول میں ذکر کردہ لغوی مماثلت [12] ہے: ﴿اُس کے مثل جیسی کوئی شے نہیں﴾ وہ اس طرح کہ جب یہ موجود خوبصورتی اور اخلاص میں بہترین صورت پر ظاہر ہوا تو حق تعالیٰ اِس میں اپنی ذات (بمعنی وجود) اور معنوی [13] نہ کہ ذاتی صفات [14] سے ظاہر ہوا، اِس پر حاضرتِ جود سے تجلی کی، اور اسی شرف والے ظہور کے بارے میں اس متعال نے فرمایا: ﴿ہم نے انسان کو بہترین ہیئت پر تخلیق کیا﴾ اِس اشارے پر غور کر کہ یہ معرفت کا لُب لُباب اور حکمت کا سرچشمہ ہے۔

- تعالى -: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[1] فتأمّل هذه الإشارة، فإنها لُباب المعرفة ويَنْبوع الحكمة.

(الإمام المبين)

وعبّر عنه الشيخ العارف أبو الحكم بن بَرَّجان - رضي الله عنه - بالإمام المبين، وهو اللوح المحفوظ المعبّر عنه بـ«كلّ شيء» في قوله - تعالى -: ﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ﴾[2] وهو اللوح المحفوظ ﴿مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[3] وهو اللوح المحفوظ. هذا دليل أبي الحكم - رحمه الله - على تسميته «كلّ شيء»، والذي حمله على ذلك قوله - تعالى -: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾[4] وجدنا العالم كلّه أسفله وأعلاه مُحصًى في الإنسان؛ فسمّيناه «الإمام المبين»، وأخذناه تنبيها من الإمام المبين الذي عند الله - تعالى - فهذا هو حظّنا منه، فتدبّره وتحقّقه.

سرّ للخواص

قال الله - تعالى -: ﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ﴾[5] اعتباره الذي هو الإنسان «من شيء» تفصّل في العالم بأسره، الإمامُ على الحقيقة، المبينُ: مَن كان كلّ شيء مأموما به، وهذا لا يصحّ في موجود ما لم تصحّ له المثليّة اللغويّة الفرقانيّة، فإذا صحّت المثليّة صحّ وجود الإمام، وإذا صحّ وجود الإمام بطلت الإمامة في حقّ غيره، ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾[6]

---

[1] [التين: ٤]

[2] [الأعراف: ١٤٥]

[3] [الأعراف: ١٤٥]

[4] [يس: ١٢]

[5] [الأنعام: ٣٨]

[6] [الأنبياء: ٢٢]

امام مبین:

عارف شیخ ابو حکیم ابن برّجان۔ رضی اللہ عنہ۔ نے اِسے "امام مبین" کہا ہے، یہ وہی لوحِ محفوظ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس قول میں "ہر چیز" سے تعبیر کیا: ﴿اور ہم نے اُس کے لیے (ان) تختیوں میں﴾ جو کہ لوح محفوظ ہے ﴿ہر چیز کی نصیحت اور تفصیل لکھ دی﴾ ابو الحکم رحمۃ اللہ علیہ کا اِسے "ہر چیز" کہنے کی یہی دلیل ہے، اور اللہ کے اِس قول نے انہیں ایسا کہنے پر اکسایا: ﴿اور ہم نے "ہر چیز" "امام مبین" میں شمار کر رکھی ہے﴾ ہم نے اِس علوی اور سفلی ساری کائنات کو انسان میں موجود پایا تو اِسے "امام مبین" سے یاد کیا، اور اِسے اللہ تعالیٰ کے پاس موجود "امام مبین" سے اشارتاً اخذ کیا۔ اس میں ہمارا یہی نصیب ہے، اِس پر تحقیق اور غور کر۔

خواص کے لیے راز:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی﴾ یہاں مراد انسان ہے جس کی تفصیل یہ ساری کائنات ہے، یہ حقیقتاً امام ہے، اور مبین وہ ہوتا ہے کہ ہر شے جس کی پیروی کرے، اور یہ بات کسی موجود پر اُس وقت تک صادق نہیں آسکتی جب تک کہ اِس کے لیے فرق کرنے والی لغوی مثلیت درست نہ ہو، اگر یہ مثلیت ثابت ہو تو امام کا وجود درست ہو گا، اور اگر امام کا وجود درست ہوا تو اس کے سوا کوئی دوسرا امامت کا حق دار نہ ہو گا۔ ﴿اگر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو یہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے﴾

جب ہم نے اِس امام مبین کو دیکھا، تو غور کیا کہ یہ کس لیے امامت کا حق دار ہوا؟ ہمیں پتا چلا کہ یہ اُن اسرار اور صفات کی وجہ سے (امامت) کا حق دار بنا جو اس میں ثابت ہیں۔ جب ہم نے غور کیا: کیا یہ (اسرار اور صفات) اِس کے ذاتی ہیں یا کسی دوسرے کی عطا ہیں؟ تو ہمیں پتا چلا کہ یہ اس کے ہاتھ امانت ہیں، اور ہم نے (قرآن میں یہ بھی) پڑھا: ﴿بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اِن کے اہل کے سپرد کر دو﴾ لہذا ہمارے سامنے مذکورہ آئینۂ حق ظاہر ہوا؛ پھر ہم

فإذا نظرنا في هذا الإمامِ المبين نظرنا بما استوجب الإمامة، فوجدناه استوجبها بأسرارٍ وصفات هو عليها. فقلنا: هي من نفسه أو من غيره؟ فوجدناها أمانة بيده، فقرأنا: ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾[١] فلاحت لنا مرآة الحقّ المتقدّمة؛ فضربنا «الإمام المبين» في «المؤمن مرآة أخيه»، فخرج لنا واحد في الخارج، فسمّاه بعضهم مرآة، وبعضهم إمامًا؛ فالإمام كتابي والمرآة سنيّة[٢].

وعبّر عنه بعضهم بالمفيض:

وبه كان يقول شيخنا وعمادنا أبو مدين شيخ الشيوخ – رضي الله عنه-. أخبرني بذلك عنه غير واحد ممّن أثق به.

قال المؤلّف – رضي الله عنه[٣]-: والذي حملهم على ذلك أنّه[٤] لّما رأوا الأجسام بيوتًا مظلمةً، وأقطارًا سوداءً مدلهمَّةً، فإذا غشيها نور الروح أضاءت، فأشرقت كالأقطار إذا غشيها نور الشمس، وبالضرورة يُعلم[٥] أنّ النور الذي في بغداد غير النور الذي في مكّة، والنور الذي في موضع مَّا غير النور الذي في غيره. ثمّ نظرنا إلى السبب لوجود تلك الأنوار الّتي خلقها الله – تعالى – عنده لا به، فوجدنا جسما كُرِيًّا[٦] نورانيًا يقال له الشمس، فكلّ موضع يقابلها من الأرض يخلق الله فيه نورًا يسمّى شمسًا. فكما يطلق[٧] على كلّ نور خُلِقَ في الأرض في مقابلة الشمس شمسا، ليس يبعد

---

[١] [النساء: ٥٨]

[٢] أي كما ذكر إمام في الكتاب وذكر إنه مرآة في السنة النبوية.

[٣] ف: قال محمد.

[٤] ش، ف: أنهم.

[٥] ش: نعلم.

[٦] م، ك، ش: كُوريًّا.

[٧] م، ش: يطلق، ك: انطلق.

نے "امام مبین" کو "مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے" سے ضرب دیا تو خارج میں (نتیجہ) واحد ہی نکلا۔[15] لہذا بعض نے اسے "آئینے" کا نام دیا تو بعض نے "امام" کہا، پس (اصطلاح) امام کتابی (یعنی قرآنی) ہے تو (اصطلاح) آئینہ حدیثی ہے (یعنی اس کا ذکر احادیث میں ہے)۔

فیض مآب:

بعض نے اسے فیض مآب[1] لکھا ہے، ہمارے شیخ اور کھم؛ شیخ الشیوخ ابو مدین رضی اللہ عنہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ مجھے آپ کا یہ قول ایک سے زیادہ لوگوں نے بتایا، جن پر مجھے اعتبار ہے۔

مؤلف کہتا ہے - اللہ اس سے راضی ہو -: اِن کا یہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اجسام کو تاریک گھر اور اندھیر نگر دیکھا، پھر جب ان (اجسام) پر روح کا نور چھایا تو یہ ویسے ہی روشن ہو گئے جیسے جہات آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتی ہیں۔ یہ علم بھی یقینی ہے کہ بغداد میں موجود روشنی مکہ میں موجود روشنی نہیں، اور کسی ایک جگہ پر موجود روشنی (بعینہٖ) کسی دوسری جگہ پر موجود روشنی نہیں۔ پھر جب ہم نے اِن روشنیوں کے وجود کی اصل پر غور کیا کہ جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے ان (روشنیوں) کو تخلیق کیا نہ کہ جس سے، تو ہمیں ایک گول روشن جسم نظر آیا جسے سورج کہتے ہیں۔ اَب زمین کی ہر وہ جگہ جو اس کے سامنے ہوتی ہے اللہ اس جگہ ایک روشنی تخلیق کرتا ہے جسے سورج کہتے ہیں۔ جیسے زمین میں تخلیق کی گئی ہر اُس روشنی کو سورج کہتے ہیں جو اس کی کرنوں سے تخلیق ہوئی، اِسی طرح اگر ہم ہر اُس روشنی کو روح کہیں جس سے جسم کی سر زمین روشن ہوئی تو یہ بعید از قیاس نہیں۔ جیسے مختلف مقامات اپنے اختلاف کے باعث اِس روشنی کو

[1] فیض مآب یعنی فیض پہنچانے والا کہا۔

ولا يمنع أن نُطلِقَ[١] على كلّ نور أضاء[٢] به أرض الأبدان روحا، وكما يختلف قبول الأماكن لهذا النور لاختلافها - فلا يكون قبول الأجسام الصَقِلة[٣] للنور كقبول الأجسام الدَّرِنة - كذلك تختلف قبول أماكن الأبدان لفيضان الروح لاختلافها، فلا يكون قبول البهيمة لفيضانه كقبول الإنسان، ولا قبول الإنسان كقبول المَلَك. فلو سمّينا الشمس بالمفيضة صدقنا، وحقيقة الإفاضة في الماءِ وهو مجاز في غيره، ونسبة هذه الأرواح عندهم إلى الروح الكلّي كنسبة ولاة الأمصار إلى الإمام، ولذلك يُثابون إن عدلوا ويُعَاقبون إن جاروا.

سرّ للخواص

قال الله - جلّ ثناؤه وتقدّست أسماؤه -: ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾[٤]، اعتبارُ الربوبيّة هنا سيادة المعَلِّم الأوّل، وتربيته وتأثير سببيّته، وهو المرجوع إليه في قوله - تعالى - على طريق التنبيه: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ﴾[٥] ونور هذا الربّ المنبّه عليه هو الروح الحيواني الذي به يشترك البهيمة والإنسان، فاعتبار الموت فيه بحجاب الغمام، واعتبار النوم بغروب الشمس، واعتبار الغفلة بالحجاب الهلالي.

ثمّ قد يغيب الإمام ويبقى الوزيرُ بدله؛ يُفيض على المملكة كالقمر ليلا، وليس كفيضان الإمام. وفيض مادّة الوزير وفيضانُه إن أفاض بالنظر إلى النفس النباتيّة؛ وهي الحجاب لمادّة النفس المطمئنّة. وقد يغيبان؛ أعني الإمام والوزير فيبقى الفقهاء؛ نجوم علوم الأحكام، فلا يستطيعون إفاضته لقهره النفس الحيوانيّة البهيميّة، والنفس

---

[١] ي، ل: نطلق.

[٢] م: أضاءت.

[٣] ف، ش: الصقيلة.

[٤] [الزمر: ٦٩]

[٥] [الفجر: ٢٧- ٢٨]

مختلف انداز میں قبول کرتے ہیں - چمکدار سطح کا روشنی قبول کرنا کھردری سطح جیسا نہیں - اِسی طرح مختلف اجسام بھی فیضانِ روح کو مختلف انداز میں قبول کرتے ہیں۔ ایک جانور یہ فیضان اُس طرح قبول نہیں کرتا جیسے کوئی انسان کرتا ہے، اور ایک انسان اُس طرح سے قبول نہیں کرتا جیسے کوئی فرشتہ کرتا ہے۔ اگر ہم سورج کو فیض مآب کہیں تو سچ ہوگا، اگرچہ فیضان کا حقیقی اطلاق تو پانی پر ہے لیکن دیگر اشیا پر اس کا اطلاق مجازی ہے۔ اُن کے نزدیک اِن ارواح کی روحِ کلّی سے وہی نسبت ہے جیسے مختلف شہروں کے حاکموں کی خلیفہ سے ہوتی ہے۔ اِسی وجہ سے اگر یہ (حکام) عدل کریں تو انعام دیا جاتا ہے اور اگر ظلم کریں تو سزا دی جاتی ہے۔

خواص کے لیے راز:

بلند تعریفات اور پاک ناموں والا اللہ فرماتا ہے: ﴿اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوئی﴾ یہاں ربوبیت کا اعتبار "معلّم اوّل" کی سرداری، اُس کی تربیت اور اس کی سببیّت کی تاثیر ہے، اور وہ اللہ کے اِس قول میں آگاہی کے راستے سے اُسی کی طرف لوٹتا ہے: ﴿اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ﴾ اور اس ذکر کردہ رب کا نور وہ روحِ حیات ہے کہ جس میں حیوان اور انسان کا اشتراک ہے، اِس میں موت کا اعتبار بادل کا حجاب ہے، نیند کا اعتبار سورج کا غروب ہونا ہے اور غفلت کا اعتبار حجاب ہلالی ہے۔

پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ چلا جاتا ہے اور اِس کی جگہ وزیر امور سنبھالتا ہے؛ جیسے رات کو چاند (سورج کی عدم موجودگی میں) اپنی روشنی پھیلاتا ہے، لیکن یہ بادشاہ کی طرح نہیں۔ مادہ وزیر کا فیض - اور فیضان اگر وہ فیض بخشے - نفس نباتی کی طرف نظر سے ہے؛ اور یہ (نفس نباتی) نفس مطمئنہ کے مادے کے لیے حجاب[16] ہے۔ بعض اوقات بادشاہ اور وزیر دونوں کہیں چلے جاتے ہیں تو علم احکام کے ستارے؛ یعنی فقہا باقی بچتے ہیں، لیکن یہ اُسے فیض نہیں دے پاتے کیونکہ وزیر حیوان صفت نفس اور درندہ صفت نفس کے غلبے تلے ہوتا ہے اور وہ (نفس) اس پر قابض ہوتا ہے، اس راز پر غور کر تجھ پر حکمت الٰہی واضح ہوگی۔

السبعيّة واستيلاء سلطانها، فتأمّل هذا السرّ تَبدُ لك الحكمة الإلهيّة.

وعبّر عنه بعضهم بمركز الدائرة:

قال المؤلِّف - رضي الله عنه[1] -: والذي حملهم على ذلك أنّهم لمّا نظروا - رضي الله عنهم - إلى عَدل هذا الخليفة في مُلكه، واستقامة طريقته في هيأته وأحكامه وقضاياهُ؛ سمّوه مركز دائرة الكون لوجود العدل به. وإنّما حملوه على مركز الكرة؛ نظرهم إلى كلّ خطّ يخرج من النقطة إلى المحيط مساويًا لصاحبه، رأوا ذلك غاية العدل فسمّوه مركز الدائرة لهذا المعنى.

سرّ للخواص:

وذلك أنّ نقطة الدائرة أصل في وجود المحيط، ومهما قدَّرْتَ كُرَةً وُجودًا أو تقديرًا فلا بدّ أن تُقَدِّر[2] لها نقطة هي مركزها، وَلا يَلزم من وجود النقطة وجود المحيط، ووجود الفاعل من هذه الدّائرة رأس الضابط، ولا دائرة في الوجود؛ «كان الله ولا شيء معه». وفخذاه يداه المبسوطتان جودا وإيجادا، والفخذ المختصّة بالنقطة يد الغيب والملكوت الأعلى، والفخذ المختصّة بالمحيط يد عالم الملك والشهادة، فالواحدة للأمرِ، والأخرى للخلق، والله ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ﴾[3] ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾[4] فيد المركز مُعرَّاة عن الحركة القاطعة للأحياز، ويد المحيط متحرّكة. فتأمّل نوّر الله بصيرتك لهذه الإشارات، فقد مُهِّد لك السبيل.

---

[1] ف: قال محمد. ش: رحمه الله.

[2] ل: يقدر.

[3] [فصلت: ٥٤]

[4] [مريم: ٩]

مرکز دائرہ:

مؤلف کہتا ہے- اللہ اس سے راضی ہو-: بعض نے اسے "دائرے کا مرکز"[۱۷] کہا ہے، اِن کا یہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ جب انہوں نے- اللہ اُن سے راضی ہو- بادشاہت میں اِس خلیفہ کا عدل، اِس کے احکام، فیصلوں اور مسائل میں اِس کی استقامت پر نظر ڈالی تو اِس عدل کے باعث اِسے دائرۂ وجود کا مرکز کہا۔ اِسے دائرے کا مرکز کہنے کی وجہ یہ تھی کہ مرکز سے دائرے کے محیط کی طرف کھینچا گیا ہر خط دوسرے کے مساوی ہوتا ہے، اور انہیں یہ انتہا درجے کا عدل نظر آیا، لہذا اس معنی کے حصول کے لیے انہوں نے اِس کا نام دائرے کا مرکز رکھ دیا۔

خواص کے لیے راز:

وہ یہ کہ دائرے کا مرکزی نقطہ ہی اِس کے محیط کے وجود کی اصل ہوتا ہے، تو جب کبھی کوئی دائرہ بنائے گا یا اِس کا اندازہ لگائے گا، تو سب سے پہلے اس کا مرکزی نقطہ ہی بنائے گا، اگرچہ اِس نقطے کے وجود سے محیط کا وجود لازم نہیں۔ اور اِس دائرے کے فاعل کا وجود پُرکار کی وہ ٹانگ ہے (جو اس مرکزی نقطے پر ہوتی ہے)۔ اور وجود میں کوئی دائرہ نہیں "اللہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی شے نہیں" اِس کی دونوں ٹانگیں، جود اور ایجاد سے اُس کے دو کھلے ہاتھ ہیں، نقطے سے مخصوص (پرکار کی) ٹانگ ملکوت اعلیٰ اور غیبی ہاتھ ہے، اور محیط سے مخصوص ٹانگ عالم ملک و شہادت والا ہاتھ ہے۔ ایک امر کے لیے ہے تو دوسرا خلق کے لیے ﴿اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے﴾ ﴿اور میں نے اس سے قبل بھی تیری تخلیق کی جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا﴾ مرکز والا ہاتھ ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے وہ اپنی جگہ چھوڑے، جبکہ محیط والا ہاتھ حرکت کرتا ہے۔ اللہ تیری بصیرت کو روشن کرے، ان اشارات پر غور کر، بیشک تیرے لیے راہ ہموار کر دی گئی۔

قال المؤلِّف - رضي الله عنه[1] -: ولو تقصَّيتُ آثاره وتتبّعتُ خصائصه وأطلقتُ عليه من ذلك ألقابًا لما وَسِعَها ديوان، فاقتصرنا في هذا الإيجاز على هذا القدر لنَدُلَّ بذلك على شرفه واجتبائه من بين سائر المحدَثات.

[1] ف: قال محمد.

مؤلف کہتا ہے۔ اللہ اس سے راضی ہو۔: اگر میں اس (خلیفہ) کی علامات کی کھوج، اس کے اختصاصات کی پیروی، اور اِس کے القابات وضع کرنا شروع کر دوں تو اس کے لیے ایک بڑا رجسٹر بھی کم ہو گا، لہٰذا ہم اِسی اختصار پر اکتفا کرتے ہیں، اور اِسی سے تمام مخلوقات پر اِس (خلیفہ) کے شرف اور اختصاص کا اظہار کرتے ہیں۔

الباب الثاني
في الكلام علىٰ ماهيّته وحقيقته

اختلف العلماء - رضي الله عنهم - في هذا الروح الذي عبّرنا عنه بالخليفة، فمنهم من قال: «إنّه جوهر فرد متحيّز»، وزعموا أنّه خلاف الحياة القائمة بالجسم الحيواني، وأنّه حامل الصفات المعنويّة. وزعم قوم أنّ الإدراكات مختصّة بمحالّها لكنّ الله - تعالىٰ - قد ربط وجودَها في الجسم، وبقاءَها ببقاء الروح، فإذا فارق الروحُ الجسدَ ذهبتِ الإدراكات لذهابه. وزعم قوم أنّه جسم لطيفٌ مُتَشبِّثٌ بأجزاء البدن متخلّلُها[1] كتَخَلُّلِ الماءِ الصُوفةَ، وأنّه ليس له محلّ من الجسم يخصّه.

وقال عبد الملك بن حبيب: إنّه صورة لطيفة علىٰ صورة الجسم، لها عينان، وأذنان، ويدان، ورجلان في داخل الجسم، يقابل كلّ عُضوٍ وجزءٍ منه نظيره من البدن.

وهؤلاء كلّهم أحالوا أن يكون عرَضًا، فقيل لهم: وما المانع من ذلك؟ فقالوا: لم يكن يبعد عندنا ذلك لنفسه، لكنّ السّمع منع من ذلك في قوله: «إنّ الأرواح تتنعّم وتتعذّب» و«أنّها باقية» وهاتان الصفتان ليستا من صفة العَرَض، فإنّ النعيم يؤدّي إلىٰ قيام المعنىٰ بالمعنىٰ، وهذا محال عقلا عند أكثر العقلاء، والشرع ليس يأتي بالمُحال. والحديث الثاني في بقائها يناقض دليل العقل لو كان عرَضًا لاستحالة[2] بقاءُ الأعراض، فإنّها تتجدّد في كلّ زمانٍ، ولكان للحيوان علىٰ هذا القول أرواحٌ متعدّدة بعدد أزمانه المارَّةِ عليه، وهذا كلّه باطل.

---

[1] ش: يتخلل

[2] ي، ك: - لاستحالة. ش: + لاستحال.

دوسرا باب
روح کی حقیقت اور ماہیت کا بیان

اللہ علما سے راضی ہو، ان کا اِس روح - جسے ہم نے خلیفہ کہا - کی ماہیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے اسے "متحیز فرد جوہر" کہا ہے، اور ان کا گمان ہے کہ یہ کسی جاندار جسم میں قائم جان کے سوا معنوی صفات کی حامل کوئی شے ہے۔ ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ادراکات اپنی جگہوں سے مخصوص ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالی نے جسم میں اِن کا وجود جوڑ دیا ہے، اور اِن کی بقا روح کی بقا میں ہے۔ جب جسم سے روح نکل جاتی ہے تو اِس کے جانے سے ادراکات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ کوئی لطیف (مثالی) جسم ہے جو اجزائے بدن سے چمٹا ہوا ہے، اور اِس میں ایسا سرایت کیے ہوئے ہے جیسے پانی روئی میں سرایت کر جاتا ہے، اور جسم میں اس کی کوئی مخصوص جگہ نہیں۔

عبد الملک ابن حبیب کا کہنا ہے: یہ جسم کی صورت پر ہی ایک لطیف صورت ہے، جس کی جسم کے اندر دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو ٹانگیں ہیں؛ جسم کے ہر عضو کے مقابل اِس کا بھی ویسا ہی عضو ہے۔

ان سب (لوگوں) نے اُسے عـرض کہنے سے اجتناب کیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ عـرض کیوں نہیں ہو سکتی؟ تو بولے: ہمارے نزدیک فی نفسہٖ ایسا ہونا دشوار نہیں لیکن شریعت اپنے اس قول میں ہمیں اِس بات سے روکتی ہے: "ارواح کو عذاب بھی ہوتا ہے اور نعمتیں بھی ملتی ہیں" اور "یہ باقی رہنے والی ہیں۔" یہ دونوں صفات اعراض کی صفات نہیں؛ کیونکہ نعمت ملنے کا مطلب ایک معنی کا دوسرے معنی میں قیام ہو گا، جبکہ اکثر اہل عقل کے نزدیک یہ عقلاً ممکن نہیں، اور شریعت کوئی ناممکن بات نہیں کرتی۔ دوسری حدیث جو اِس (روح) کے بقا کی بات کرتی ہے وہ عقلی دلیل کے مخالف ہے کہ یہ عَرَض ہوتی کیونکہ اعراض کو بقا نہیں؛ یہ (اعراض) تو ہر لحہ متجدد

والذي زعم أنّه ليس بجوهرٍ، دليله على ذلك تَماثُل الجواهر، فلو جاز أن يكون جوهرٌ واحدٌ روحًا، لكان كلّ جوهرٍ روحًا، وقد قام الدليل على بطلان هذا في مسألة العقل، فإنّ الذي زعم أنّ الروحَ جوهرٌ أحال أن يكون العقل جوهرا للتماثل، وإذا بطل أن يكون جوهرا بطل أن يكون جسما، لأنّ الجسم جواهر مؤتلفة؛ جوهران فصاعدا.

وزعم قوم أنّه جوهَرٌ مُحْدَثٌ قائمٌ بنفسه غير متحيّزٍ - وهو من أحد أقوال الإمام أبي حامد الغزالي فيه - وأنّه لا داخل الجسم ولا خارج عنه، ولا مُتَّصل به ولا منفصل عنه، وذلك لعدم التحيّز[1] الذي[2] هو الشَّرط المصحّح للاتّصال والانفصال. واعتُرِض عليهم بأنّه لا يخلو عن الشيء أو ضدّه، فقالوا: يَعْرَى عنهما إذا كان وجود كلّ واحد منهما له مشروطا بشرط، فمتى انعدم الشرط جاز العرو[3]، كما نقول في الجمادِ: لا عالِمٌ ولا جاهلٌ؛[4] فإنّ الشَّرط المُصحِّح لقيام العلم أو ضِدِّه[5] إنّما هي الحياة؛ ولا حياة في الجماد.

فقيل لهذا: وما المانع أن يكون عرَضًا؟ فاستدلّ بدليل من قال إنّه جوهرٌ، وأبطل أن يكونَ عرضًا، فقيل له: هو جوهرٌ متحيزٌ؟ فاستدلَّ بدليل مَن قال إنّه عرَض، وأبطل أن يكون جوهرًا مع اعتقاد حصر المحدَثات في جوهرٍ متحيّزٍ وعرضٍ.

---

[1] م: الحيز.

[2] ش: + يكون به التصرف في الجهات و.

[3] ف، ش: - جاز العرو. ف، ش: + انعدم المشروط، والشرط المصحّح للاتّصال والانفصال التحيُّز، وقد انعدم في حقّ هذا الموجود،

[4] ش، ف: + ولا ضد من أضدادهما.

[5] ف: وأضداده بالجسم.

ہوتی رہتی ہیں۔ اس قول کے مطابق تو کسی زندہ شے کی، اُس پر گزرے وقت کے مطابق لاتعداد ارواح ہوں گی، جبکہ یہ سب باطل ہے۔

اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ جوہر نہیں، تو اِس پر اُس کی دلیل (تماثل الجواہر یعنی) جواہر کا ایک جیسا ہونا ہے، اگر ایک جوہر روح ہو گا، پھر تو ہر جوہر روح ہو گا، جبکہ مسئلہ عقل میں دلیل اسے باطل کر چکی۔ سو جنہوں نے یہ گمان کیا کہ روح جوہر ہے تو انہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ عقل بھی جوہر ہے کیونکہ پھر مماثلت لازم آئے گی، لیکن اگر یہ جوہر نہیں تو پھر جسم بھی نہیں، کیونکہ جسم دو یا دو سے زائد جواہر کا مجموعہ ہوتا ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ روح غیر متحیّز قائم بنفسہ محدَث جوہر ہے- روح کے بارے میں امام غزالی کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے -اور یہ (روح) نہ جسم کے اندر ہے اور نہ ہی اس سے باہر ہے، نہ اس سے جڑی ہے اور نہ ہی اس سے الگ ہے، اور ایسا یہ "عدم التحیز" یعنی جگہ نہ گھیرنے کی وجہ سے ہے جو کہ درست اتصال (یعنی جڑنے) اور انفصال (یا نہ جڑنے) کی شرط ہے، ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ (روح) کوئی چیز یا اُس کا الٹ ہو گی۔ وہ کہتے ہیں: یہ ان دونوں سے عاری ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا وجود کسی شرط سے مشروط ہے، پس جب شرط پوری نہ ہو تو (اس کا) عاری ہونا ہی درست ہے، جیسا کہ ہم جمادات کے بارے میں کہتے ہیں: نہ وہ عالم ہیں نہ جاہل؛ کیونکہ علم یا اُس کی ضد (جہل) کے قائم ہونے کی درست شرط تو حیات ہے، جبکہ جمادات میں حیات نہیں۔

جب اِس (کہنے والے) سے پوچھا گیا: یہ (روح) عرض کیوں نہیں ہو سکتی؟ تو اُس نے ایسے شخص کی دلیل سے استدلال کیا جو یہ کہتا ہے کہ روح جوہر ہے۔ یوں اُس نے اس کا عرض ہونا غلط ثابت کیا۔ پھر جب اِس سے پوچھا گیا: کیا یہ متحیّز جوہر ہے؟ تو اُس نے ایسے شخص کی دلیل کا سہارا لیا جو یہ کہتا ہے کہ یہ عرض ہے، اور اس کا جوہر ہونا غلط ثابت کیا حالانکہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ

ثمّ قال لهم: قد[١] بَطَل أن يكون جوهرًا متحيّزا، وبطل أن يكونَ عرضًا[٢]، وهو موجود، وليس هو الله - سبحانه -، فقد بطل حصركم ولاح موجود خامس وهو ما ذكرناه على الوصف[٣] الذي ادّعيناه.

قلنا: ولم نرجّح أحد هذه الأقوال، مع العلم أنّ الحقّ في أحدها لقول القائل:

إِنَّ الخَلِيفَةَ قَدْ أَبَـى وَإِذَا أَبَىٰ شَيْئًا أَبَيْـتُـهْ

لكن قد ذكرنا ذلك في غير هذا الكتاب.

قلنا: فلمّا أوجد هذا[٤] الخليفة على حسب ما أوجده، قال له: أنت المرآة وبك يُنْظَر إلى الموجودات[٥]، وفيك ظَهرتِ الأسماء والصفات، أنت الدليل عليَّ، وجَّهتُك خليفةً في عالمك، تظهر فيهم بما أعطيتك، تُمِدُّهم بأنواري، وتُغَذِّيهم بأسراري، وأنت المطالَب بجميع ما يطرأ في المُلكِ.

استدراك:

قلنا هذا خلافٌ لا يضرُّ، ولا يَهُدُّ ركنا من أركان الشريعة؛ إذ قال كلّ واحدٍ على مذهبه فيه إنّه مُحْدَثٌ، وإذا كان هذا فهو المراد، والله يوفّق الجميع ويقول الحقَّ وهو يهدي السبيل.[٦]

---

[١] ف: فقد.

[٢] ف: + قائما بمتحيز.

[٣] ف: الحصر.

[٤] ل، فلما وجد هذا. ف: فلما وجد الخليفة.

[٥] ي، ك: ينظر للموجودات.

[٦] ل: بلغ مقابلة وسماعا. م: بلغت قراءة.

محدثات صرف متحیز جوہر یا عرض ہی ہوتی ہیں۔ پھر ان سے کہا گیا: یہ ثابت ہو گیا کہ (روح) متحیّز جوہر نہیں، اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ عرض نہیں جبکہ وہ موجود ہے، اور اللہ سبحانہ بھی نہیں، لہذا تمہارا یہ حصر باطل ٹھہرا اور ایک پانچواں موجود ظاہر ہوا؛ اور یہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اُس وصف پر جس کا ہم نے دعوی کیا۔

ہم کہتے ہیں: ہم اِن اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح نہیں دیتے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ حق (ان میں سے) کسی ایک قول میں ہے، جیسا کہ کہنے والے نے کہا:

بے شک خلیفہ نے انکار کیا، جب وہ کسی چیز کا انکار کرتا ہے تو میں بھی انکار کرتا ہوں۔
لیکن ہم نے یہ دیگر کتب میں بتایا ہے۔

ہم نے کہا: جب (اللہ سبحانہ نے) اِس خلیفہ (روح) کو اُس ہئیت پر ایجاد کیا جس پر ایجاد کیا، تو اُسے کہا: تو آئینہ ہے اور تجھ سے موجودات کو دیکھا جائے گا، تجھ میں اسما اور صفات کا ظہور ہے، تو مجھ پر دلیل ہے، میں نے تجھے تیرے جہان میں خلیفہ بنا کر بھیجا، اب ان کے سامنے وہ سب لے کر جا جو میں نے تجھے دیا، میرے انوار سے ان کی امداد اور میرے اسرار سے ان کی پرورش کر، اس مملکت میں ہونے والے تمام حوادث کا تجھ ہی سے پوچھا جائے گا۔

استدراک:

ہم کہتے ہیں: یہ اختلاف نقصان دہ نہیں، اور نہ ہی یہ ارکانِ شریعت میں سے کسی رُکن کو منہدم کرتا ہے؛ کیونکہ ہر ایک نے اپنے مذہب کے مطابق روح کو محدث کہا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو یہی مراد ہے، اللہ سب کو توفیق دے، اور وہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

البابُ الثالثُ
في إقامة مدينة الجسم وتفاصيلها من جهة كونها مُلكًا لهذا الخليفة

اعلم أنّ الله – سبحانه – لمّا أوجد هذا الخليفة، الذي ذكرناه آنفا، بنىٰ له – سبحانه – مدينة يسكنها[1] رَعِيَّتُه وأرباب دولته؛ تسمَّىٰ حضرة الجسم أو البدن، وعيَّن للخليفة منها موضعا، إمّا أن يستقرَّ فيه علىٰ[2] من قال: «إنّه متحيّز» أو يَحُلَّ فيه علىٰ[3] من قال: [4]«قائم بمتحيّز». وإمّا أن يكون ذلك الموضع المعيَّن له موضِعَ أمره وخطابه ونفوذ أحكامه وقضاياه، علىٰ[5] من أثبته غير متحيّز، ولا قائم بمتحيّز.

فأقام له – سُبحانه – مدينة الجسم علىٰ أربعة أعمدة، وهي الاسطُقسَّات[6] والعناصر، وسمَّىٰ – سبحانه – الموضع المعيّن للخليفة منه القلب، وجعله مَسْكن الخليفة أو موضع أمره، علىٰ ما ذكرناه من الخلاف.

وقال قوم: أنّ موضعه الدماغ. والأظهر عندي، من طريق التنبيه والاستقراء لا من جهة البرهان، أنّه القلب شرعا، لقوله – صلّىٰ الله عليه وسلّم – مُخْبِرا عن ربّه: «ما وسعني أرضي ولا سمائي ووسعني قلب عبدي» وقال: «إنّ الله لا ينظر إلىٰ صوركم ولا إلىٰ أعمالكم ولكن ينظر إلىٰ قلوبكم» وذلك لأنّ المستخلِف إنّما نظره أبدًا

---

[1] ك: تسكنها.

[2] ي، ك، ش: + قول. ف: + مذهب.

[3] ي، ش (في الحاشية)، ك: + قول.

[4] ي، ش، ك: + أنه.

[5] ي (في الحاشية): قول.

[6] م: اسطقسيات: اسطقصات. ف: استقصات.

تیسرا باب
شہر جسم کی اس رخ سے تعمیر اور تفصیل
کہ یہ اس خلیفہ کی مملکت ہے

جان لے کہ جب اللہ سبحانہ نے اِس خلیفہ -جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا- کو ایجاد کیا تو اس کے لیے ایک شہر بنایا، جہاں اِس کی رعایا اور اربابِ مملکت کو ٹھہرایا، اِس کا نام حاضرتِ جسم یا بدن رکھا، پھر خلیفہ کے لیے (اس جسم) میں ایک جگہ متعین کی؛ یا تو وہ اِس میں ٹھہرے، اُن لوگوں کی رائے کے مطابق جو اسے "متحیّز" کہتے ہیں، یا اس (بدن) میں تحلیل ہو جائے، اُن لوگوں کی رائے میں جو اُسے "متحیّز سے قائم" کہتے ہیں۔ یا پھر اِس سے مخصوص یہ جا اِس کے امر اور خطاب، اور اس کے احکام اور مسائل کے نفاذ کی جا ہو؛ یہ اُن لوگوں کی رائے میں جو اسے نہ "متحیّز" اور نہ ہی "متحیّز سے قائم" کہتے ہیں۔

اللہ سبحانہ نے اِس شہر جسم کو چار ستونوں پر قائم کیا، یہ اسطقسات اور عناصر ہی ہیں۔ اس پاک ذات نے خلیفہ سے مخصوص جگہ کا نام قلب (یعنی دل) رکھا؛ اِسے خلیفہ کا مسکن یا اُس کے حکم کی جا بنایا، اس اختلاف کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ روح کا مسکن دماغ ہے۔ مجھ پر آگاہی اور استدلال سے، نہ کہ برہان سے یہ واضح ہے کہ یہ (مسکن) شرعاً قلب ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہ سما سکا جبکہ میں اپنے بندے کے قلب میں سما گیا۔" اور فرمایا: "اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔[1]" وہ اس لیے کہ نائب مقرر کرنے والے کی نظر ہمیشہ اپنے نائب پر ہوتی ہے کہ وہ اِس کے احکام پر کتنا چل رہا ہے۔ بیشک اللہ سبحانہ نے اجسام میں ارواح

---

[1] اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور نیت دل میں ہوتی ہے۔

في خليفته ما يفعله فيما قلّده، والله - سبحانه - قد استخلف الأرواح على الأجسام.

وممّا يؤيّد ما ذهبنا إليه قوله - تعالى -: ﴿وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[1] وليست الإشارة للقلب النباتي؛ فإنّ الأنعام يشاركوننا في ذلك، لكن للسرّ[2] المودَع فيه؛ وهو الخليفة، والقلب النباتي قصرُه. وقال - صلّى الله عليه وسلّم -: «إنّ في الجسد بضعة إذا صلحت صلح سائر الجسد، وإذا فسدت فسد سائر الجسدِ، ألا وهي القلب» فالقلب النباتي لا فائدة له إلّا من حيث هو مكان لهذا السرِّ المطلوب المتوجّه عليه الخطاب، والمجيب إذا ورد السؤال، والباقي[3] إذا فني الجسمُ والقلبُ النباتي. فنقول: كذلك إذا صلح الإمام صلحت الرعيّة، وإذا فسد فسدت، بذا جرت العادة وارتبطت الحكمة الإلهيّة.

قال المؤلّف - رضي الله عنه -: سرّ فساده وصلاحه المرتبط بصلاح الرعيّة وفسادها، سبب ذلك أنّ الله - تعالى - إذا وَلَّى خليفةً قوما؛ فإنّه يعطيه أسرارَهم وعقولهم، فيكون إذ ذاك مجموعَ رعيّته، فمتى خانهم في أسرارهم ظهر ذلك فيهم[4]، وإن اتّقى الله في ذلك ظهر ذلك عليهم. وقد تكون أسرارُ رعيّته حين تُعْطَاه رَذلةً ناقصة، ولهذه الإشارة قال[5]: «مثل ما[6] تكونوا يولّى عليكم» فإن غلب عليها صلاح الإمام صلحت، وظهر آثارُ ذلك في الرعيّة وأرباب الدولة تمشيةٍ[7] غيبيّةٍ إلهيّةٍ يجدها الإنسان في نفسه بعد أن لم يكن، ولا يدري من أين وردت عليه، ولا كيف حصلت

---

[1] [الحج: ٤٦]

[2] ش: السر.

[3] ش: وهو الباقي.

[4] ش: + والناس على دين ملوكهم. (وعلامة الحذف موجودة على الفوق)

[5] ل، م: - قال.

[6] ف: - مثل ما. + كما.

[7] ك: بمشيئة.

کو نائب بنایا ہے۔

ہمارے موقف کی تائید اللہ کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿لیکن سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں﴾ یہ "قلب نباتی"، یعنی عضوِ جسم کی طرف اشارہ نہیں؛ کیونکہ دل تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے، بلکہ (اشارہ) اِس کی طرف ہے جو اس میں رکھا گیا؛ اور وہ خلیفہ ہی ہے، دل کا عضو تو اِس کا محل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "بیشک جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ آتا ہے؛ جان لو کہ وہ قلب ہی ہے۔" پس عضو قلب کا فائدہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اس مطلوب راز کا محل ہے جس کی جانب خطاب متوجہ ہوا، جو سوال کیے جانے پر جواب دیتا ہے، اور جسم قلبِ نباتی کے فنا ہو جانے پر بھی باقی رہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: جب بادشاہ درست ہو جائے تو رعایا بھی ٹھیک ہو جاتی ہے، اور اگر بادشاہ میں خرابی آئے تو عوام میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہی معمول ہے اور اسی سے حکمتِ الٰہی مربوط ہے۔

مؤلف کہتا ہے - اللہ اُس سے راضی ہو -: بادشاہ کی درستگی اور بگاڑ کی وجہ رعایا کی درستگی اور بگاڑ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں خلیفہ مقرر کرتا ہے؛ تو اُسے اِس قوم کے اسرار اور عقول عطا کرتا ہے، یوں وہ (خلیفہ) اپنی رعایا کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اِن اسرار میں اُن سے خیانت کرتا ہے تو اِس کے اثرات رعایا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے، تو رعایا پر بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات جب اسے رعایا کے اسرار عطا کیے جاتے ہیں تو وہ ناقص اور گھٹیا ہوتے ہیں، اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جیسے تم ہوتے ہو ویسا ہی تم پر حاکم مسلّط کیا جاتا ہے۔" اگر رعایا پر امام کی اصلاح غالب ہو تو وہ ٹھیک حاکم مسلط ہوتا ہے اور اِس کے آثار رعایا اور اربابِ مملکت پر غیبی خدائی طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں، جسے انسان خود میں محسوس کرتا ہے، جبکہ پہلے ایسا نہ تھا، وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ سب کہاں سے آیا، اور اس تک کیسے پہنچا۔ آپ ﷺ کے اِس قول "جب یہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے" کا یہی راز ہے (الحدیث)۔

له، فهذا هو سرّ قوله - صلّىٰ الله عليه وسلّم -: «إذا صلحت صلح سائر الجسد» الحديث.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: ثمّ بنىٰ الله - سبحانه - له متنزَّهًا عجيبا عاليا مُشْرِفًا في أرفع مكانٍ في هذه المدينة سمّاه الدماغ، وفتح له فيه طاقاتٌ وخوخات[١] يُشْرِف[٢] منها علىٰ مُلكِه وهي: الأذنان والعينان والأنف والفم، ثمّ بنىٰ له في مقدَّم ذلك المتنزه[٣] خزانةً سمّاها خزانة الخيال؛ جعلها مستقرَّ جباياته، وموضع رفع وُلاة الحسّ، وفيها يخزن[٤] جبايات المبصَرات والمسموعات[٥] والمشمومات والمطعومات والملموسات وما يتعلّق بها، ومن تلك الخزانة تكون المرائي والأحلام الّتي يراها النائم. وكما أنّ في الجبايات حلالًا وحرامًا، كذلك في المرائي مبشِّرات وأضغاث أحلام، وبنىٰ في وسط هذه المَنْزَهِ خزانة[٦] الفكر الذي يرتفع[٧] إليه المتخيَّلات فيَقبل منها الصحيح ويردّ الفاسد. وبنىٰ له في آخر هذا المَنْزَه خزانة الحفظ، وجعل مسكن هذا الدماغ[٨] الوزير الذي هو العقل، وله بَابٌ في داخل الكتاب يخصّه، فأضربنا هنا عن ذكره.

ثمّ أوجد له النفس؛ وهي محلُّ التغيير والتطهير ومَقَرُّ الأمر والنّهي، وهي اللّيلة المباركة الّتي يُفْرَق فِيها[٩] كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ، وحظُّها من العالم العلويِّ الكُرسيُّ، كما

[١] ل، م، ف: خاخات.

[٢] ش: لتشرف.

[٣] ي، م، ف: المنزه. ك: المنتزه.

[٤] ك، ش: تخزن.

[٥] ل، م، ف: والمسمعات.

[٦] ف: لخزانة.

[٧] ي، ش: ترتفع.

[٨] علما بأن كلمة "جعل" بدلت بـ"جعلها" وشطبت كلمة الدماغ في متن ي.

[٩] م، ف: فيها يفرق.

مؤلف کہتا ہے- اللہ اُس سے راضی ہو-: پھر اللہ سبحانہ نے اِس شہر جسم کی سب سے بلند و بالا جگہ پر اِس (خلیفہ) کے لیے ایک بلند مرتبت محفوظ مقام بنایا اور اِس کا نام دماغ رکھا۔ اِس میں (خلیفہ) کے لیے مختلف طاق اور روشن دان رکھے جن سے وہ اپنی مملکت پر نظر رکھتا ہے، اور یہ دو کان، دو آنکھیں، ناک اور منہ ہی ہے۔ پھر اس محفوظ مقام کے اگلے حصے میں ایک ذخیرہ خانہ بنایا جس کا نام "ذخیرہ گاہِ خیال" رکھا؛ اِسے محصولات کا مرکز بنایا، جہاں حس کے بیانات (data) لائے جاتے ہیں، اسی جگہ نظر، سماعت، سونگھنے، چکھنے اور چھونے سے متعلق محصولات ذخیرہ کیے جاتے ہیں۔ اِسی ذخیرے (database) سے ان خوابوں کا صدور ہوتا ہے جو نیند میں دیکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ محصولات میں حلال اور حرام دونوں طرح کی چیزیں ہیں اِسی طرح خوابوں میں بھی مبشرات اور بے تکے خواب ہوتے ہیں۔ اِس محفوظ مقام کے وسط میں "ذخیرہ گاہِ فکر" بنائی جہاں خیال کے محصولات لائے جاتے ہیں، اِن میں سے درست کو قبول اور فاسد کو رد کیا جاتا ہے۔ اور اسی محفوظ مقام (دماغ) کے پچھلے حصے میں "ذخیرہ گاہِ یاد داشت" بنایا؛ اور اس دماغ کو وزیر یعنی عقل کا مسکن قرار دیا۔ اس کتاب میں وزیر سے مخصوص ایک باب ہے لہذا ہم یہاں اِس کے ذکر سے احتراز کرتے ہیں۔

پھر اِس (خلیفہ) کے لیے نفس بنایا؛ اور نفس تغییر (یعنی ناپاکی) اور تطہیر (یعنی پاکی) کی جا اور امر و نہی کا مرکز ہے، یہ وہ مبارک رات ہے جس میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے؛ عالم عُلوی میں اِس کا مقام کرسی ہے، جیسا کہ اُس عالم میں روح کا مقام عرش ہے۔ بیشک

أنّ الروح محلُّه العرش من ذلك العالم، والنفس هي كريمة هذا الخليفة وحرّته. وقد أشار إلى ذلك الإمام أبو حامد في قوله: «إنّ الروح نكح النفس فتولّد ما بينهما الجسم» فقال مشيرا إلى ذلك في خطبة «لباب الحكمة» له: «ربّنا وربّ آبائنا العلويّات وأمّهاتنا السّفليّات». لكنّ المتصوّفة اصطلحوا على كلّ فعلٍ فيه حظّ لكون من الأكوان: أنّه نفس[1]، معنى أنّه عن أمر النفس، سواء كان ذلك الفعل محمودًا أو مذمومًا، وكلّ ما ليس فيه حظّ إلّا لله - تعالى - فهو روح. وأنّ الإنسان له ثلاثة أنفس: نفس نباتيّة؛ وبها يشترك مع الجمادات[2]، ونفس حيوانيّة؛ وبها يشترك مع البهائم، ونفس ناطقة؛ وبها ينفصل عن هذين الموجودين، ويصحّ عليه اسم الإنسانيّة، وبها يتميّز في الملكوت، وهي الكريمة الّتي[3] ذكرنا تحت هذا الخليفة.

قال المؤلّف - رضي الله عنه -: ثمّ أوجدَ الله من تمام النعمة على الإنسان، وإكمال النسخة على الاستيفاء في هذه المملكة أميرًا قويًّا مطاعًا، كثير الرَّجْل والخَوَل، قويَّ العُددِ والعَدَد، منازِعًا لهذا الخليفة سمّاه الهوى، ووزيرا[4] سمّاه شهوةً. فبرز يومًا في أجناده وخوَلِه يتنزّه في بعض بساتينه[5]، فأشْرفت النفس الّتي هي حرّة الخليفة عليه، فتراءى ونظر كلُّ واحدٍ منهما لصاحبه، فعشقها الهوى، فأعمل الحيلة في الاجتماع بها، فما زال يستنزلها، ويستعطفها، ويبسط لها حضرتَهُ، ويهاديها بأحسن ما عنده. ولم تزل رُسل الأماني وسفراء الغرور تمشي بينهما حتّى مالت إليه وانقادت له، ومَلَكَهَا الإحسانُ، والخليفة غافل عن هذا. والعقل، الذي هو وزيره، قد تشعر[6] بذلك وهو

---

[1] ي، ك، ش: نفسي.

[2] المقصود بالجمادات هنا النبات لأن النبات خلق في المعرفة مثلها فإنه نزل عن درجتها بالنمو.

[3] ي، ك: الذي.

[4] ك، ش: + له.

[5] ش: وخوله في بعض بساتينه يتنزه.

[6] ش: شعر.

نفس اِس خلیفہ کی بیوی اور ایک آزاد خاتون ہے۔ امام ابو حامد الغزالی نے اپنے اِس قول میں اسی جانب اشارہ کیا: "بیشک روح نے نفس سے نکاح کیا تو ان دونوں سے جسم نے جنم لیا۔" لُبابِ حکمت (نامی کتاب) کے خطبے میں اِسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہمارا اور ہمارے علوی باپ دادا اور سفلی ماؤں کا رب [۱۸]"، لیکن صوفیا نے ہر اُس فعل پر کہ جس میں موجودات میں سے کسی موجود کا حصہ ہو، یہ اصطلاح بنائی ہے کہ وہ نفس ہے ؛یعنی یہ (عمل) نفس کے حکم سے ہے، چاہے یہ قابل تعریف ہو یا قابل مذمت۔ اور ہر وہ (فعل) جس میں اللہ کے سوا کسی کا حصہ نہیں، تو وہ روح سے ہے۔ انسان کے تین نفس ہیں: نفس نباتی: جس میں یہ نباتات کا شریک ہے۔ نفس حیات: جس میں یہ جانداروں کا شریک ہے۔ اور نفس ناطقہ: جس میں یہ ان دونوں (یعنی جانوروں اور جمادات) سے جدا ہے، اور اِس پر اسم انسانیت کا اطلاق ہوتا ہے، اِسی سے یہ ملکوت میں متمیز ہوتا ہے اور یہی تو کریمہ ہے جو خلیفہ کے ماتحت ہے۔

مؤلف کہتا ہے -اللہ اُس سے راضی ہو-: پھر اللہ نے انسان پر اپنا انعام مکمل کرتے ہوئے اور اس نسخے کو کمال سے ہمکنار کرتے ہوئے اِس مملکت میں ایک قوی صاحب اطاعت امیر بنایا، جس کے پاس پیادہ اور گھڑ سوار فوج کی کثرت ہے، بڑی تعداد میں لشکر اور جنگی سامان موجود ہے، جو اِس خلیفہ کا حریف ہے اور اُس کا نام خواہش رکھا، پھر اُس کا ایک وزیر بنایا جس کا نام شہوت رکھا۔ ایک روز (یہ حریف) اپنے لاؤ لشکر اور شاہ سواروں کے ہمراہ اِس شہر کے باغوں کی سیر کو نکلا تو نفس -یعنی خلیفہ کی بیوی- سے جا ٹکرایا، جب ان کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو خواہش کو اِس (نفس) سے محبت ہو گئی اور وہ اِس سے ملنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی، وہ اِسے اپنے پاس آنے کا کہتی، اِس سے مہربان ہونے کا مطالبہ کرتی، اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کرتی، اور اپنی طرف سے بہترین تحفے بھیجتی۔ تمناؤں کے نامہ بر اور دھوکے کے سفیر اِن کے درمیان آتے جاتے رہے یہاں تک کہ نفس اِس کی طرف مائل اور اس کا تابع ہو گیا، اور احسان نے اسے تابع دار بنایا۔ جبکہ خلیفہ اس سب سے غافل تھا۔ لیکن عقل جو کہ وزیر ہے یہ جان گئی، وہ اِس معاملے کو سنبھالتی اور چھپاتی رہی کہ کہیں خلیفہ کو اس کی خبر نہ ہو جائے، اور شاید (یہ نفس) ان کرتوتوں سے باز آ جائے۔

يسوس الأمر ويخفيه، عسىٰ لا يَشْعُر[1] بذلك الخليفة، وترجع عمّا هي عليه.

فصارت النفس بين أميرين قويّين مطاعين، هذا يُناديها وهذا يناديها، والكلّ بإذن الله - تعالىٰ - ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾[2] و﴿كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ﴾[3] ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾[4] في إثر قوله: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾[5] ولهذا جعلناها محلَّ التطهير والتغيير؛ فإن أجابت الهوىٰ كان التغيير، وحصل لها اسم[6] الأمَّارة بالسوء، وإن أجابت العقل كان التطهيرُ وصحّ لها اسم المطمئنّة شرعًا لا توحيدا.

ووقوع هذا الأمرِ لحكمةٍ لطيفةٍ وسرٍّ عجيب، وهو أنّ الله - سبحانه - لمّا أوجد هذا الخليفة علىٰ ما وصفناه من الكمال، أراد أن يُعرِّفه - سبحانه - مع ذلك، أنّه فقير ولا حول ولا قوّة له إلّا بسيّده الربّ - تعالىٰ -. فلهذا أوجد له منازِعا ينازعه فيما قلّده. فلمّا رأىٰ الروح (أنّه) يُنادِي، والنفس لا تجيبه، وقد قيل له: هي[7] ملكك، قال لوزيره: ما السبب المانع لها من إجابتي؟ فقال له العقل: أيّها السيِّدُ الكريم؛ إنّ في مقابلتك موجودًا، قام لها في مقابلتك[8] أميرا قويّا مطاعا صَعْبَ المرتقىٰ عزيز المنال، يقال له الهوىٰ؛ عطِيّتُهُ معجَّلة مشهودة؛ فأَرسَل وزيره إليها، فبسط لها حضرته، وعجّل لها أمنيّتها في أوحىٰ زمان؛ فأجابت لدعائه، وانقادت له، وحصلت تحت

---

[1] ف: حتىٰ لا يعلم.

[2] [النساء: ٧٨]

[3] [الإسراء: ٢٠]

[4] [الشمس: ٨]

[5] [الشمس: ٧]

[6] ل: - اسم.

[7] ي، م، ل، ف، ش: هو. هي يعني النفس ملكك.

[8] ل، م: قام لها مقامك. ش: قام لها مقابلتك. ك: - موجودا قام لها في مقابلتك.

یوں یہ نفس دو مضبوط، صاحب اطاعت، سرداروں کے بیچ پھنس گیا، یہ بھی اسے پکارے اور وہ بھی اِسے پکارے، اور دونوں کی پکار اللہ کے حکم سے: ﴿کہہ دو کہ سب اللہ کی طرف سے ہے﴾ ﴿ہم سب کی مدد کرتے ہیں اِن کی بھی اور اُن کی بھی، (یہ) تیرے رب کی عطا ہے﴾ ﴿جس نے نفس کو برابر کیا اور پھر اِسے اِس کی گناہ گاری اور تقوی الہام کیا﴾ اسی لیے ہم نے اِسے تطہیر (پاکی) اور تغییر (ناپاکی) کا مقام کہا؛ اگر یہ خواہش کی بات مانے تو ناپاکی ہو گی اور اس کا نام "امارۃ بالسوء" (برائی کا حکم دینے والا) ہو گا، لیکن اگر عقل کی بات مانے تو پاکی ہو گی اور شرعاً-نہ کہ توحیداً-اِس کا نام "نفس مطمئنہ" ہو گا۔

یہ معاملہ ایک لطیف حکمت اور عجیب راز کے لیے وقوع پذیر ہوا؛ وہ یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے اِس خلیفہ کو کمال پر تخلیق کیا جیسا کہ ہم نے بتایا، تو اُس سبحانہ نے اِس کے ساتھ چاہا کہ اِسے یہ بات بھی باور کروائے کہ وہ محتاج ہے، اور اس کی یہ ساری طاقت اور قوت اُس کے آقا رب تعالی کی عطا کردہ ہے۔ اِسی لیے تو اُس کا ایک مخالف پیدا کیا جو اس کے کاموں میں اِس کی مخالفت کرتا ہے۔ جب روح نے دیکھا کہ وہ (نفس) کو بلاتی ہے لیکن نفس اِس کی بات نہیں سنتا، جبکہ اُسے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ (نفس) اِس کی ملکیت ہے۔ تو (روح) نے اپنے وزیر سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ نفس میری بات نہیں مانتا؟ عقل بولی: اے عزت مآب سردار! یہاں آپ کے مقابلے میں ایک اور موجود ہے جو (نفس کے دل میں) آپ کی جگہ لینا چاہتا ہے، وہ قوی اور صاحب اطاعت امیر ہے، اس تک رسائی مشکل اور پہنچ دشوار ہے، اُسے خواہش کہتے ہیں؛ اُس کی عطا ظاہر اور فوری ہے؛ اُس نے اپنے وزیر کو (نفس) کی طرف بھیجا، اُس پر اپنا آپ نچھاور کیا، اور اِس کی تمام تمناؤں کو جلد از جلد پورا کرنے کا وعدہ کیا، لہٰذا نفس نے اُس کی بات مان لی، اور اُس کا مطیع اور فرمانبردار ہو گیا، اس کے رعب اور دبدبے میں آگیا، آپ کی فوج اور رعایا بھی اس (نفس) کے پیچھے چل دی، اور اَب آپ کے پاس صرف اربابِ مملکت ہی بچے ہیں؛ یہ آپ کے

قهره، واتّبعها أجنادُك وباديةُ رعيّتك، وما بقي لك من مملكتك إلّا أربابُ دولتك؛ المتحقّقون بحقائقك والمختصّون بك، وها هو قد نزل بفناء قصرك ليخربه ويخرجك عن مُلْكك، ويستولي على عرشك، فدَرَاك دَرَاك قبل نزول الهلاك.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: فرجع الروح بالشكوى إلى الله القديم - سبحانه - فثبتتْ له في نفسه عبوديّته؛ بالافتقار، والعجز والذلّة، وتحَقَّقَ التمييز، وعَرَفَ قدره. وذلك كان المراد؛ فإنّ الإنسان لو نشأ على الخير والنِّعَم طول عمره لم يعرف قدر ما هو فيه حتّى يُبْتَلى، فإذا مسّه الضُرُّ عرف قدر ما هو فيه من النعم والخيرات فعرف عند ذلك قدر[1] المنعم.

قال المؤلِّف[2] - رضي الله عنه -: فلمّا رجع الروح بالشكوى إلى ربّه صار - سبحانه - واسطةً بينها وبينه، فقال لها: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾[3] فلمّا أتاها النِدَاء برفع الوسائط حَنَّتْ وأَنَّتْ، واشتاقتْ فأجابتْ وأنابت بالعناية الإلهيّة.

سؤال:

فإن قيل: لم سمّاها مطمئنّة؟ وقال لها[4]: ﴿رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً﴾ وهي الآن أمّارةٌ بالسوء؟

قلنا: إنّما سمّاها مطمئنّة لتحقُّقِ إيمانها أنّ مُنَادِي الهوى لم يكن مناديًا بنفسه، وإنّما كان مناديًا بمُوجده حيث علِمَتْ معنى قوله: ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾[5] و﴿كُلًّا

---

[1] م: - قدر ما هو فيه من النعم والخيرات فعرف عند ذلك قدر.

[2] ك: - المؤلف.

[3] [الفجر: ٢٧-٣٠]

[4] ي، ك: - لها.

[5] [النساء: ٧٨]

حقائق سے شناسا اور آپ سے مخصوص لوگ ہیں۔ (اے خلیفہ) دشمن آپ کے گھر تک آن پہنچا، وہ اِسے تباہ و برباد کر کے، آپ کو اس مملکت سے بے دخل کر کے آپ کے تخت پر قبضہ چاہتا ہے، لہذا اس کا کچھ حل نکالیے یہ نہ ہو کہ سب کچھ لُٹ جائے۔

مؤلف کہتا ہے- اللہ اس سے راضی ہو-: پھر روح اللہ سبحانہ کی طرف شکوہ کُناں لوٹی، اُس کے دل میں اپنی محتاجی، عجز اور ذلت سے عبودیت ثابت ہوئی، اس پر فرق واضح ہوا اور اُس نے اپنی قدر پہچانی۔ یہی تو مراد تھی؛ اگر انسان اپنی ساری زندگی ناز و نعم میں گزار دے تو اُسے اِس کی قدر نہیں ہوتی جب تک کوئی آزمائش نہ آئے، پھر جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو اُسے قدر آتی ہے کہ وہ کس قدر ناز و نعم میں تھا، اُس وقت اُسے نعمتیں دینے والے کی قدر و وقعت کا احساس ہوتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے- اللہ اس سے راضی ہو-: جب روح رب کی جانب شکوہ کُناں لوٹی تو وہ سبحانہ روح اور نفس کے درمیان واسطہ بن گیا، نفس سے کہا: ﴿اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ کہ تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، میرے بندوں میں آجا اور میری جنت میں داخل ہو﴾ جب نفس نے بلا واسطہ ندا سنی تو وہ بے چین و بے قرار ہوا، جب شوق نے اسے تڑپایا تو یہ عنایت الٰہی کے جواب میں لوٹ آیا۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اِسے مطمئنہ کیوں کہا؟ اور اِسے راضیہ اور مرضیہ کیوں کہا، جبکہ یہ تو اب تک "امارۃ بالسوء" (یعنی برائی کا حکم دینے والا) ہے؟

ہم کہتے ہیں: اِسے مطمئنہ اِس کے ایمان کی درستگی پر کہا، بیشک خواہش کی پکار اُس کی اپنی پکار نہ تھی، بلکہ یہ تو اُس کے موجِد کی پکار تھی، جیسا کہ نفس نے اللہ کے اس قول کا مطلب سمجھا: ﴿کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے﴾ ﴿ہم اِن کی بھی مدد کرتے ہیں اور اُن کی بھی﴾ یہ اِس پکار

نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ﴾[1] فاطمأنّتْ للنداء لتحقّقها بالابتداء، وقد تقدّم السببُ والعلّة وقوله: ﴿رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً﴾ يريد[2] بالندائين مَرضيّة عندنا لتحقّق إيمانها وتوحيدها ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي﴾ يعني عبادَ الاختصاص؛ أهل الحضرة الإلهيّة، ﴿وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ يُريد المكاره الّتي هي نعم الخليفة، إذ الشهوات جنّةُ الكافر، وهي نارٌ على الحقيقة؛ ظاهرها نعيم وباطنها جحيم. وقد نبّه على ذلك رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم - حيث قال: «حُفَّتْ الجنّة بالمكاره، وحُفَّتْ النار بالشهوات» ويُظْهِر ذلك الله - عزّ وجَلّ -[3] عند خروج الدجّال، فذكر النبي - صلّى الله عليه وسلّم -: «أنّ له وادِيَيْن من نارٍ وماءٍ، فمن قصد النار وجد الماء، ومن قصد الماء وجد النار».

فإن قيل: وكذلك أيضا كانت تجيب داعي العقل وتَسْمَعُه من الحقّ كما ذكرتَ، فلم أجابت داعي الهوى ومَرقَتْ؟

قلنا الجواب عن هذا من وجهين:

أحدهما: إنّا فرضنا الكلام في أوّله على أنّ الحقّ - تعالى - أراد أن يُعرِّف الروحَ قدرَه للسبب الذي ذكرناه؛ فأسمعها نداء الهوى، وأصَمَّها عن داعي العقل ليقع ما أراده - سبحانه -.

والوجهُ الآخر: أنّ النفسَ بعضُ الروحِ كما كانت حوّاء بعضُ آدمَ، وصار منادي الروح أصلا من نفسها[4] ، ومنادي الهوى أجنبيًّا عنها، فالأصل حاصل والأجنبيّ غير حاصلٍ، فاشتاقت أن تعرف ما لم تعرف، فأجابته لترى ما ثَمَّ كما أجابت حوّاءُ إبليسَ في أكل الشجرة.

---

[1] [الإسراء: ٢٠] ي: + ﴿مِنْ عَطاءِ رَبِّكَ﴾

[2] ك: + راضية.

[3] ي، ك، ش: يظر الله - عزوجل - ذلك.

[4] ش: أصله في نفسها.

پر اس لیے مطمئن ہوا کیونکہ وہ ابتدا سے واقف تھا، سبب اور علت کا ذکر پہلے ہو گزرا۔ اس کے قول ﴿راضیہ مرضیہ﴾ سے مراد دونوں پکاریں[19] ہیں، اور ہمارے نزدیک یہ "مرضیہ" (یعنی رب اس سے راضی) اِس لیے ہے کیونکہ یہ ایمان اور توحید کا ماننے والا ہے، ﴿میرے بندوں میں داخل ہو جا﴾ یعنی مخصوص بندوں میں جو حاضرتِ الٰہیہ کے اہل ہیں، ﴿اور میری جنت میں داخل ہو جا﴾ اِس سے مراد وہ ناپسندیدہ[20] چیزیں ہیں جو خلیفہ کی نعمتیں ہیں؛ کیونکہ شہوات کافر کی جنت[21] ہے، جبکہ حقیقت میں یہ دوزخ ہے، اس کا ظاہر نعمت لیکن باطن صعوبت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "جنت ناپسندیدہ اشیا میں گھری ہے جبکہ دوزخ شہوات میں گھری ہے۔" اللہ (عالم حس میں یہ حقیقت) خروجِ دجال کے وقت ظاہر کرے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اُس کے پاس آگ اور پانی کی دو وادیاں ہوں گی، لہذا جو آگ کی طرف جائے گا وہ پانی پائے گا اور جو پانی کی طرف جائے گا وہ آگ پائے گا۔"

اگر یہ کہا جائے: نفس عقل کی بات بھی تو مان سکتا تھا اور یہ بھی تو حق سے سن سکتا تھا پھر اس نے خواہش کی بات ہی کیونکر مانی اور باغی ہوا؟

ہم کہتے ہیں: اِس کا جواب دو طرح سے ہے:

ایک وہ جو ہم نے شروع میں بتایا کہ حق تعالیٰ روح کو اپنی قدر سے متعارف کروانا چاہتا تھا، اور اس کی وجہ ہم پہلے ذکر کر چکے، لہذا اِس نے (نفس) کو خواہش کی پکار سنوائی اور عقل کی پکار سے بہرا رکھا تاکہ وہی ہو جو اس سبحانہ کی مرضی ہے۔

دوسرا یہ کہ نفس بھی روح کا ایک جزو ہے جیسے حوا آدم کا جزو ہے، لہذا روح کا پکارنا تو اِس کی اپنی پکار میں سے تھا، جبکہ خواہش کی پکار اِس سے جدا تھی، اپنا آپ تو اِسے پہلے ہی حاصل تھا جبکہ اجنبی غیر حاصل تھا۔ لہذا نفس کو وہ جاننے کا شوق ہوا جس سے وہ انجان تھا، یوں اِس نے خواہش کی بات مانی تاکہ دیکھے اُس کے پاس کیا ہے، جیسا کہ حوا نے پھل کھانے میں ابلیس کی بات مانی۔

یہیں سے اس مملکت انسانی میں خواہش اور عقل کے درمیان جنگ و جدل، فتنہ فساد شروع ہوا۔ کبھی اِن میں سے کوئی ایک اِس (مملکت) پر قابض ہو جاتا ہے، اور کبھی اُس سے یہ (مملکت) چھین لی جاتی ہے، اِسے معزول کر کے قید کر لیا جاتا ہے، اور کسی شخص کے حق میں تو

ومِن هنا وقعتْ بين الهوىٰ والعقل[1] الوقائع والحروب والفِتن علىٰ هذا المُلك الإنساني. وقد يَسْتَولي أحدهما عليه، وقد يؤخذ منه فيَعزله ويَأسِرُه، وربّما يقتله في حقّ شخص مّا، هكذا استمرّت الحكمة الإلهيّة حتّىٰ العرض الأكبر. وربّما يملك أحدهما البادية والآخر الحاضرة، وقد يَمْلِك أحدهما المُلكَ كلَّه ظاهرا وباطنا.

فأمّا العصاة؛ فإنّ سلطان الهوىٰ مالك باديتهم وسلطان العقل مالك حاضرتهم الخاصة. وأمّا المنافقون؛ فإنّ العقل مالك باديتهم والهوىٰ مالك حاضرتهم. وأمّا المؤمنون المعصومون والمحفوظون؛ فالعقل مالكهم باديةً وحاضرةً. وأمّا الكافرون فالهوىٰ مالكهم بادية وحاضرة.

فإذا كان في الدار الآخرة، وذُبِحَ الموت، وتميّز الفريقان، ونفذ حكم الله؛ أُلْحِقَ العصاةُ بالمؤمنين المعصومين، فحصل لهم النعيم الدائم، وأُلْحِقَ المنافقون بالكافرين، فحصل لهم العذابُ اللازم، فلم يُغْنِ للمنافق[2] عمله من الله شيئا؛ فإنّ التوحيدَ أصلٌ والعملَ فرعٌ، فإن اتّفق في الفرع شَيءٌ يُفسده ويُهلكه، جَبَره الأصل كالعصاة، وإذا خرب الأصل لم يجبره الفرع كالمنافق.

فهذا الملك الإنساني تصرّفه في الدنيا علىٰ أربعة أطباق، لا بدّ من أحدها في حقّ كلّ شخص: إمّا مؤمن معصوم أو محفوظ، وإمّا كافر أو مشرك أصلا، وإمّا منافق، وإمّا عاصٍ.

وإذ قد تقرّر هذا وثبت، فلنذكر الآن السبب الذي لأجْلِه نشأت الفتن والحروب بين العقل والهوىٰ، إذ هذا موضعه ﴿وَاللهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾[3]

[1] ف، ش: بين العقل والهوىٰ.

[2] ف، ش: المنافق.

[3] [الأحزاب: ٤]. بلغت قراءة.

اسے قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ روزِ محشر تک حکمت الٰہیہ اسی طرز پر جاری ہے۔ کبھی (خواہش اور عقل) میں سے کوئی ایک شہروں پر قابض ہوتا ہے تو دوسرا صحراؤں اور جنگلات پر۔ اور کبھی اِن دونوں میں سے کوئی ایک ساری ظاہری اور باطنی مملکت پر اکیلا قابض ہوتا ہے۔

جہاں تک نافرمانوں کا تعلق ہے؛ تو خواہش اِن کے ویرانوں پر قابض ہے جبکہ عقل اِن کے شہروں اور بستیوں کی مالک ہے۔ جہاں تک منافقین کی بات ہے؛ تو عقل ان کے ویرانوں پر قابض ہے اور خواہش ان کے شہروں پر حاکم ہے۔ جہاں تک معصوم محفوظ مومنوں کا تعلق ہے؛ تو عقل ان کے شہروں اور ویرانوں دونوں پر قابض ہے۔ اور جہاں تک کافروں کی بات ہے؛ تو ان کی کُل مملکت خواہش کے ہاتھ کھلونا ہے۔

کل روزِ محشر جب موت کو ذبح کیا جائے گا، دو گروہوں کا فرق قائم ہو گا اور اللہ کا حکم نافذ ہو گا تو گناہ گاروں کو معصوم مومنین سے ملا دیا جائے گا، یوں اِنہیں ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی اور منافقین کو کافروں سے ملا دیا جائے گا یوں انہیں ابدی عذاب لاحق ہو گا۔ اُس روز منافق کا عمل اُسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا پائے گا؛ کیونکہ توحید اصل ہے جبکہ عمل فرع (یعنی شاخ) ہے، اگر ٹہنی کو کوئی بیماری لگے جو اسے ختم کر دے تو اصل اس کی حفاظت کرتی ہے؛ جیسا کہ گناہ گاروں[۲۲] کے حق میں ہے، لیکن اگر اصل (جڑ) ہی خراب ہو جائے تو فرع بھی اِس (درخت) کو نہیں بچا پاتی؛ جیسا منافق کے ساتھ ہوا۔

اِس انسانی مملکت کا دنیا میں چار طبقات پر تصرف ہے، ہر شخص ان میں سے کسی ایک طبقے میں آتا ہے: یا تو وہ معصوم یا محفوظ مومن ہوتا ہے، یا پھر کافر اور مشرک، یا تو منافق ہوتا ہے یا پھر گناہ گار (مومن)۔

جب یہ بات طے اور ثابت ہو گئی، تو اَب ہم اُن اسباب کا ذکر کرتے ہیں کہ جن کی بدولت عقل اور خواہش کے درمیان جنگ و جدل فتنہ و فساد جاری ہے، کہ یہی اِس کی جا ہے۔ ﴿اللہ ہی حق بات کہتا ہے اور راستہ دکھلاتا ہے﴾

الباب الرابع
في ذكر السبب الذي لأجله وقع الحرب بين العقل والهوىٰ

اعلم - وفقك الله - أنّ السبب الذي لأجله نَشَأَت الفتن ووقعت الحروب حتىٰ كَشَفت عن ساقها، وعمَّتِ الوقائعُ جميع أقطار المملكة وآفاقها، هو طلب الرئاسة علىٰ هذا الملك الإنساني ليُخَلِّصه مَن حصل بيده إلىٰ النجاة، إذ لا يصحّ عقلا ولا شرعًا تدبيرُ ملكٍ بين أميرين متناقضين في أحكامهما ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾[1] وإن فُرِضَ اتّحاد الإرادة في حقّ المخلوقين؛ فإنّ حُكم العادة يأبىٰ ذلك، والشرع، في حقّ هذين الأميرين، وما سمعنا بخرقهما في حقّ شخص قطّ. وإذا كان هذا فلم يُرِد الله - تعالىٰ - أن يدبّر هذا الملك إلّا واحد وصرّح بذلك علىٰ لسان رسوله - صلّى الله عليه وسلّم - «إذا بُويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما». والخلافة ظاهرة وباطنة، وقد تقرَّرَت الظاهرة وثبتت، وكلامنا هنا في الخلافة الباطنة علىٰ حسب الظاهرة، أنبوبًا علىٰ أنبوبٍ وجريًا علىٰ ذلك الأسلوب.

اعتراض لكشف أسرار

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: ورُبَّما للمنازع أن يستروح من هذا الحديث شيئًا مّا، فيقول: قد قال: «اقتلوا الآخر منهما»، وما يدريك لعلّ الهوىٰ تقدّم والعقل تأخّر، فيكون الهوىٰ صاحب الخلافة؟ فنقول: ليس التقدّم والتأخّر هنا بالزمان، وإنّما التقدّم هنا بإحصاء الشرائط، أعني شرائط الإمامة، ففي من وُجِدت كان المُقَدَّم للإمامة، ويُخلَع مَن لم تكمل فيه تلك الشرائط، ويُقتَل إن عاند ولم يَدخُل في الأمر

[1] [الأنبياء: ٢٢] ف: - لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا.

چوتھا باب
اس وجہ کا ذکر جس کی وجہ سے
عقل اور خواہش کے درمیان جنگ وجدل ہے

اللہ تجھے توفیق دے، یہ جان لے کہ وہ سبب جس کی وجہ سے فتنے اٹھے اور جنگیں ہوئیں، یہاں تک کہ اِن میں شدت آئی اور یہ واقعات مملکت کے کونے کونے میں پھیل گئے، وہ (سبب) اِس مملکت انسانی کی حکومت حاصل کرنا ہی ہے، تا کہ یہ جس کے قبضے میں آئے وہ اِسے خلاصی دلوائے۔ کیونکہ ایک مملکت کا عقلاً اور شرعاً دو مختلف، متضاد احکام جاری کرنے والے حاکموں کے زیرِ تصرف رہنا ممکن نہیں ﴿اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا خدا ہوتے تو یہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے﴾ اگر مخلوق کے حق میں ارادے کا اتحاد فرض بھی کر لیا جائے تب بھی دستورِ دنیا اور شریعت ایک مملکت کے دو حاکموں کا انکار کرتے ہیں اور ہم نے نہیں سنا کہ کسی شخص کے لیے یہ دستور توڑا گیا ہو۔ اگر بات یہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ اس بادشاہت کو ایک ہی شخص چلائے، اپنے رسول ﷺ کی زبانی اُس نے یہ اعلان کیا: "جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو۔" خلافت ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی، ظاہری تو مقرر اور ثابت ہے، ہم یہاں ظاہری کی طرز پر باطنی خلافت کی بات کر رہے ہیں، جو ہو بہو اور قدم بقدم اُسی اسلوب پر ہے۔

کشفِ اسرار پر اعتراض:

مؤلف کہتا ہے -اللہ اُس سے راضی ہو-: ہو سکتا ہے کہ مخالف اِس حدیث سے کچھ یوں راحت پائے، کہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "ان دونوں میں سے بعد والے کو قتل کر دو۔" تجھے کیا پتا شاید خواہش آگے نکل جائے اور عقل (مراد روح) پیچھے رہ جائے، پھر تو خواہش

العزيز، فلا يُلتفت للزمان.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: وشرائط الإمامة على ما ذكرته العلماءُ عَشْرٌ: سِتٌّ منها خَلْقِيَّة لا تُكتسب، وأربع منها مكتسبة.[1] فأمّا الخَلْقِيَّة: فالبلوغ، والعقل، والحرِّيّة، والذكوريّة، ونسب قريش - وفيه خلاف، ولم يره بعض العلماء - وسلامة حاسّة السمع والبصر. وأمّا الأربع المكتسبة: فالنّجدة، والكفاية، والعلم، والورع.

قال: وهذه الشرائط[2] كُلُّها موجودة في هذا الخليفة، والهوىٰ معرّىٰ عنها، نعوذ بالله لا نشرك به أحدا، فلنذكرها شريطة شريطة حتّىٰ نستوفيها ونبيّن أنّ الروح قد جمعها.

الشرط الأوّل في الخلافة: البلوغ

فإنّ الإمامة لا تنعقد لصبيّ.

اعتباره في الروح: البلوغ - نوّر الله بصيرتك - أمرٌ شرعيّ، وبلوغ الروح اتّصاله بالإليّة، وقد ثبت اتّصاله على ما ذكرناه، اتّصال شرفٍ ورفعةٍ، وبلوغِ مقامٍ كريم حين أُخِذ عليها الميثاق، فقال لها: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ قالت[3]: ﴿بَلَىٰ﴾. فلو كانت الأرواح غير بالغة لما تصوّر منها هذا الجواب، ولا توجّه عليها هذا الخطاب شرعًا.

الشرط الثاني: العقل

فإنّ الإمامة لا تنعقد لمجنونٍ، إذ هو غير مخاطَبٍ ولا تكليف عليه، والإمام مكلّفٌ.

اعتباره: الرُّوح يعقل عن الله - تعالىٰ - ما يرد عليه منه، ولذلك قال: ﴿بَلَىٰ﴾،

---

[1] في سائر النسخ: العلماءُ عَشْرٌة: سِتّةٌ منها خَلْقِيَّة لا تُكتسب، وأربعة منها مكتسبة.

[2] ش: شرائط.

[3] ش: قالوا.

صاحبِ خلافت ہو گی؟ ہم کہتے ہیں: یہاں آگے پیچھے ہونا زمانی نہیں، بلکہ آگے ہونے سے مراد شرائط پوری کرنا ہے؛ میرا مطلب شرائط امامت ہیں۔ لہذا جس میں یہ شرائط پائی جائیں وہی امامت میں آگے ہو گا، اور جو ان شرائط کو پورا نہ کرے وہ نااہل تصور ہو گا، اور اگر سرکشی دکھائے تو اسے قتل کیا جائے گا، وہ تو اس مقابلے میں شامل ہی نہیں تو پہلے اور بعد کیسا؟

مؤلف کہتا ہے- اللہ اس سے راضی ہو-: علما کے بیان کے مطابق امامت کی دس شرائط ہیں، اِن میں سے چھ طبعی ہیں جو کسب سے حاصل نہیں ہوتیں جبکہ چار کسبی ہیں۔ طبعی شرائط میں: بلوغت، عقل، حریت، مردانگی، نسبِ قریش سے ہونا- اگرچہ اس آخری شرط میں اختلاف ہے اور بعض علما اِسے لازمی قرار نہیں دیتے- اور حِس سماعت اور بصارت کا درست ہونا شامل ہے۔ جبکہ چار کسبی شرائط میں: شجاعت، کفایت، علم اور پرہیزگاری شامل ہیں۔

یہ تمام شرائط اس خلیفہ (یعنی روح) میں موجود ہیں جبکہ خواہش اِن سے عاری ہے۔ اللہ کی پناہ! ہم کسی کو اُس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ اب ہم ہر شرط کے علیحدہ علیحدہ ذکر سے یہ واضح کرتے ہیں کہ روح ہی اِن سب کی جامع ہے۔

خلافت کی پہلی شرط: بلوغت

خلافت کی پہلی شرط بلوغت ہے کیونکہ نابالغ بچہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

روح میں اس سے مراد: اللہ تیری بصیرت روشن کرے، بلوغت شرعی امر ہے، اور روح کی بلوغت اِس کا خدا سے جڑنا ہے، اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ اتصال ثابت ہے، یہ اتصالِ شرف ورفعت اور مقام کریم پر پہنچنا ہے کہ جب اِس سے عہد لیا گیا، تو اس سے پوچھا: ﴿کیا میں تمہارا رب نہیں؟﴾ تو سب (روحوں) نے کہا: ﴿بالکل آپ ہی رب ہیں﴾ اگر روحیں نابالغ ہوتیں تو اُن سے اِس جواب کا تصور نہ ہوتا اور شرعی طور پر اُن سے یہ سوال بھی نہ کیا جاتا۔

دوسری شرط: عقل

کوئی خفیف العقل خلیفہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مخاطب اور مکلف نہیں، جبکہ خلیفہ مکلف

وهي صفةٌ قائمة به، عنها صدر[1] العَقل الذي جعلناه وزيرًا له فيما يأتي إن شاء الله تعالى.

الشرط الثالث: الحرّيّة

فإنّ الإمامة لا تنعقد لرقيقٍ، وذلك أنّ الإمامة تَستَدْعي أن يستغرق الإمامُ أوقاته في أمور الخلق، وهذا لا يتّفق للعبدِ إذ سيِّدُه مالكٌ له، يقطع عليه النظر في مهمّات الخلق[2] باشتغاله في تصرّفاته.

اعتباره:[3] الروح[4] لا يوجد أشدّ حرّيّة منه ولا أكمل، إذ ليس لأحدٍ عليه مِلْكٌ إلّا لله - تعالى -. وكيف يتصوّر ذلك وهو أوّل المحدَثات، وكون الإمام مستغرقًا[5] في مهمّات الخلق، فكذلك الروح مستغرق في مهمّات مُلْكِه، قال الله - تعالى -: ﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾[6]

الشرط الرابع: الذكوريّة

فإنّ الإمامة لا تنعقد لامرأة، والذي منع من ذلك أنّه ليس لها منصب القضاء، ولا منصب الشهادات في أكثر الحكومات شرعًا.

اعتباره: هذا بيّن بنفسه لا يحتاج إلى شرحٍ، والذي منع أن تكون النفس، وإن اتّصفت بصفات الكمال، فإنّها في الكون تحت حجاب الصَّون، وهي كريمة هذا الإمام، وهي محَلُّ الفجور والتّقوىٰ، والعِلَّة مُطَّرِدَة في الخلافتين معًا.

---

[1] ك: عنها صدر.

[2] ف: + وهذا لا يتفق.

[3] ش: + في.

[4] ل، ف: - الروح.

[5] ي: مستغرق.

[6] [الأنبياء: ٢٠]

ہے۔

روح میں اس کا اعتبار یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ روح تک پہنچتا ہے یہ اُسے سمجھتی ہے (یعنی عقل رکھتی ہے) اِسی لیے تو اِس نے "بلیٰ[۲۳]" کہا، (عقل رکھنا) تو روح کی قائم صفت ہے، اور اُسی سے تو وہ عقل نکلی جسے ہم نے اِس کا وزیر کہا، اِس (وزیر) کے بارے میں مزید کلام آگے آ رہا ہے۔

تیسری شرط: خود مختاری

کوئی غلام خلیفہ نہیں بن سکتا؛ کیونکہ خلافت اس بات کی متقاضی ہے کہ خلیفہ اپنا سارا وقت اپنی رعایا کے معاملات میں صَرف کرے۔ کوئی غلام ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کا آقا اُس کا مالک ہوتا ہے، اور آقا کے اوامر کی بجا آوری میں وہ امور سلطنت کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ روح سے زیادہ خود مختار اور کامل کوئی نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ملکیت نہیں۔ یہ غلام کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ سب سے پہلی تخلیق ہے۔ جیسے خلیفہ اپنی رعایا کے امور میں مشغول رہتا ہے، اِسی طرح روح اپنی مملکت کے امور میں مستغرق رہتی ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے﴾

چوتھی شرط: مردانگی

کوئی عورت خلیفہ نہیں بن سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعاً اِس کے لیے نہ تو منصبِ قضا ہے اور نہ ہی اکثر احکام میں منصبِ گواہی۔

روح میں اس کا اعتبار اس قدر واضح ہے کہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں۔ نفس۔ اگرچہ صفاتِ کمال سے متّصف ہے۔ لیکن کائنات میں روح کے تابع ہے، روح اس کی سرپرست ہے، یہ اچھائی اور برائی کی جا ہے اور ایک ساتھ دو خلافتوں کا اہل نہیں۔[۲۴]

الشرط الخامس: النَّسب

اعتبارُه: الدخول في المقامات المحمّديّة؛ وهي الدّورة الثانية الإلهيّة الّتي حَصَرتْ الأوّليّة والآخريّة. بُعِثَ آخرًا وقيل له: «متىٰ كنت نبيًّا؟» قال - صلّىٰ الله عليه وسلّم -: «وآدم بين الماء والطين». فانتهت في عيسىٰ - عليه السلام - الدورةُ من آدم، ولذلك جعله في كتابه، كما قال: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾[1] فختم[2] بمثل ما بدأ. واختُصَّت الدورة الثانية الحاكمة علىٰ الكلّ، المحمّدية المحيطة بجوامع الكلم، وهي الدورة الّتي من الشرق إلىٰ الغرب، فكما أنّ محمّدًا - عليه السلام - أرسِل إلىٰ الكافّة، كذلك الروح أُرسِل إلىٰ كافّة البدن، وفي هذا سرٌّ عجيبٌ نذكره في غير هذا الكتاب. فهذا فائدة النسب للروح.

الشرط السادس: سلامة حاسّة السمع والبصر

إذ الأعمىٰ والأصَمُّ لا يتمكّن من تدبير نفسه، فكيف يدبّر غيره.

اعتباره:[3] الروح سماعه بالحقّ ونظره بالحقّ، فتقدّس عن الآفات وتنزَّه، قال - صلّىٰ الله عليه وسلّم - مخبرا عن ربّه: «ولا يزال[4] يتقرّب إليّ بالنوافل حتّىٰ أحِبُّه، فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به، وبَصَرَه الذي يبصر به» وهنا سرّ يُبْحَث عنه؛ فإنّه كذلك كان[5]. فمن كان الحقّ سمعه وبصره كيف لا يدبِّرُ نفسَه وغيرَه.

الشرط السابع والثامن: النجدة والكفاية

وهما من صفاتِ الأرواح، ألا ترىٰ أنّ الله - تعالىٰ - إذا أراد نُصرة عباده أمدّهم

---

[1] [آل عمران: ٥٩]

[2] ف: + به.

[3] ش: + في.

[4] ف: + العبد.

[5] ش: - كان.

پانچویں شرط: حسب و نسب

روح کا اعتبار: مقاماتِ محمدیہ میں دخول ہے؛ یہ وہ دوسرا دورہ الٰہیہ ہے جس نے اولیت اور آخریت کا احاطہ کر رکھا ہے۔ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے اور جب آپ سے پوچھا گیا: "آپ کب سے نبی ہیں؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔" پس پہلا دورہ آدم سے (شروع ہوا اور) عیسیٰ علیہما السلام پر ختم ہوا، اِسی لیے اللہ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا تو فرمایا: ﴿بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے﴾ پس اُسی پر ختم کیا جس جیسے سے شروع کیا۔ اور دوسرا دورہ سب پر حاکم ہے، یہ محمدی اور جامع کلمات سے محیط ہے، یہ مشرق سے مغرب کی طرف ہے، جیسا کہ محمد علیہ السلام ساری انسانیت کی طرف بھیجے گئے، اُسی طرح روح پورے جسم کی طرف بھیجی گئی۔ اس میں ایک عجیب راز ہے جو ہم کسی اور کتاب میں بتائیں گے۔ روح کے نسب کا یہ فائدہ ہے۔

چھٹی شرط: حس سماعت و بصارت کا درست ہونا

اندھا اور بہرا تو اپنا بھلا نہیں کر سکتا وہ کسی دوسرے کا بھلا کیا کرے گا۔

روح میں اس کا اعتبار یہ ہے کہ روح کا سننا اور دیکھنا حق تعالیٰ سے ہے، یوں یہ عیوب و نقائص سے منزہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ربّ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کی سماعت ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ بصارت ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔" یہاں ایک راز کھوجنا چاہیے؛ کیونکہ (روح) اسی طرح سے ہے۔ سو جس کی سماعت اور بصارت حق تعالیٰ ہو تو وہ کیسے اپنا اور دوسروں کا بھلا نہیں کر سکے گا؟

ساتویں اور آٹھویں شرط: شجاعت اور کفایت

یہ دونوں ارواح کی صفات ہیں، کیا تو نے غور نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد

بملائكته وأيّدهم بهم، قال - تعالىٰ -: ﴿أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ﴾[١] وقال: ﴿وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ﴾[٢]

الشرط التاسع: العلم

وهذا قد ظهر في آدم - عليه السلام - حين عُلِّم الأسماء كلّها، فلا نحتاج إلىٰ ذكره.

الشرط العاشر: الورع

وهو منبعه وإليه مرجعه؛ إذ الشريعة رداؤُه، والحقيقة إزارُه. فقد تكمّلت[٣] الشرائط في هذا الخليفة، وصحّت خلافته وانعقدت إمامته.

قلنا: فلنرجع إلىٰ السبب الذي لأجله وقعتِ الحروب والفتن بينهما، فأقول: إنَّ السببَ في ذلك طلبُ الرئاسة علىٰ هذا المُلك الإنساني، فإذا صحَّتِ الرئاسة لأحدهما عليه سعىٰ في نجاته وإقامته، وحمىٰ ذِمَارَهُ[٤]، وأعلىٰ منارَهُ، وحجبه عن الأسباب المُردية له في الدارين، علىٰ حسب ما يتخيَّل له أو يَعْلَمُه.

واعلم أنّ سبب نجاته من كلّ أمرٍ مُهلكٍ هو طاعتُه لأمرٍ داعٍ من خارج يقال له الشَرع، عَرَفه الروح إذ هو من جنسه، وجَهِله الهوىٰ. فالهوىٰ يُتَخيَّل له أنّ النجاة في حَيِّزه، والروح يعلم أنّ النجاة في حَيِّزه[٥]، فنشأ الخلاف ووقع الشَّتَات. والذي دعا إلىٰ ذلك أنّ حقيقة الأميرين مختلفتان، فلمّا جاء الداعي من خارج نظرا[٦] إلىٰ نتيجة

---

[١] [الأنفال: ٩] ي: + مردفين.

[٢] [المجادلة: ٢٢]

[٣] ي، ل، م: انكملت.

[٤] ش: دياره.

[٥] ش: - والروح يعلم أنّ النجاة في حَيِّزه.

[٦] م، ف: نظر.

کرنا چاہی تو اپنے فرشتے بھیج کر ان کی مدد کی، وہ متعال فرماتا ہے: ﴿میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا﴾ اور فرمایا: ﴿اور اُس نے اپنی طرف سے ایک روح بھیج کر اُن کی مدد کی﴾

نویں شرط: علم

یہ آدم علیہ السلام میں اُس وقت ظاہر ہو چکا جب آپ کو تمام اسما سکھائے گئے، لہذا اب اِس کے مزید بیان کی ضرورت نہیں۔

دسویں شرط: پرہیز گاری

یہی اِس (روح) کا منبع اور مرجع ہے؛ کیونکہ شریعت اس کی چادر ہے اور حقیقت اس کا تہ بند ہے۔ اس خلیفہ میں شرائط پوری ہوئیں، لہذا اس کی خلافت درست ٹھہری اور اس کی امامت قائم ہوئی۔

ہم کہتے ہیں: اَب ہم اُس وجہ کا ذکر کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ان دونوں میں جنگ و جدل اور فتنہ و فساد برپا ہے، میں کہتا ہوں: اس کی اصل وجہ اِس مملکت انسانی کو اپنے قبضے میں لینا ہے، پس جب اِن میں سے کوئی ایک اس (مملکت) کا حاکم بن جاتا ہے تو وہ اپنے علم اور عقل کے مطابق اِس (مملکت) کی نجات، اس کے استحکام، اِس کی حفاظت، اس کا نام روشن کرنے اور دونوں جہانوں میں تباہی اور بربادی کے اسباب سے اس کے بچاؤ کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے۔

یہ جان لے کہ ہر ہلاکت آفرین معاملے سے اِس مملکت کی نجات ایک خارجی پکار کی اطاعت پر ہے جسے شریعت کہتے ہیں، روح اِسے جانتی ہے کیونکہ وہ اسی کی جنس ہے [۲۵] جبکہ خواہش اِسے نہیں پہچانتی۔ خواہش یہ سوچتی ہے کہ نجات اِس کے پاس ہے، جبکہ روح یہ جانتی ہے کہ نجات اِس کے ہاتھ ہے، یوں اختلاف پیدا ہوا اور تفرقہ پڑا۔ اس (تفرقے) کی وجہ ان دو حکمرانوں کی حقیقت کا اختلاف ہے، پس جب خارج سے پکارنے والا آیا تو ان دونوں نے اِس معاملے کے نتائج پر غور کیا، سو انہیں اس کے دو نتیجے نظر آئے؛ ایک میں ہلاکت جبکہ دوسرے میں نجات تھی۔ [۲۶] لہذا اِن دونوں (یعنی روح اور خواہش) میں سے ہر ایک نے راہ نجات چاہی اور

ذلك الأمر، فوجدا له نتيجتين: في الواحدة الهلاك، وفي الأخرىٰ النجاة. فطلب كلّ واحدٍ منهما سبيل النجاة، وتجنّب الهلكات علىٰ حسب ما اقتضته الحكمة الإلهيّة، وحقيقته، وكُلٌّ لَو تُرِك والاعتذار[١] لكانت لهم حجّة مّا، ولكن حسمها الحقّ - جلّ اسمه - بحجّته البالغة حيث قال: ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ﴾[٢] «وهؤلاء للجنّة ولا أبالي وهؤلاء للنار ولا أبالي»، «وجفّ القلم».

فنقول: إنّ الروحَ حقيقته نورٌ، والهوىٰ حقيقته نارٌ، وكلُّ واحد[٣] منهما يتنعّم بوجوده[٤] في وجوده؛ إذ هي صفته النفسيّة، وإلّا فلو تيقّن مَن حقيقته نارٌ أنّه يعذَّبُ بها، وأنّ الفاعل قادرٌ علىٰ ذلك؛ لطلب الفرار إلىٰ محلّ وجود النور لو تحقّق فيه النجاة، لكن جهل ذلك. فكلٌّ دعا إلىٰ مقامه، بل النار تتعذَّب بالنور، كما تضُرُّ رِياحُ الوَردِ بالجُعَلِ. فإذا كان يتعذّب بالنور يتخيّل أنّ هذا الملك الإنساني يتعذّب أيضا بالنور، فهو أبدًا يطلب أن يُخرِجه من النور، ويَحجُبهُ عنه بالأفعال الّتي تؤدّيه إلىٰ الخروج عنه؛ وهي الشهوات الّتي حُفَّتِ النار بها، فمن وردها فقد ورد النار. ويطلب، أيضا، الروحُ الذي هو نورٌ مثل ذلك. فكُلُّ واحدٍ منهما ينظر في الأسباب المُوْصِلَةِ هذا المُلك الإنساني إلىٰ حزبه فيعرضها عليه ويُحلّيه بها.

وقد صحّ عندهما أنّه متىٰ تحَلَّىٰ أو اتّصف بوصفٍ مّا، كان مُلْكًا لصاحب ذلك الوصف، وكان المستولي عليه، فوقعت الفتن والحروب. ولو ترك كلّ واحد منهما النظر من نفسه ونظر إلىٰ هذا الداعي من خارجٍ الذي هو الشارع، وقال: وجدتُ داعيًا من خارج ثبت صدقه وعصمته، فما قال فيه النجاة فهو ذلك[٥]، وما قال فيه

---

[١] ف: لو ترك الاعتذار، ش: فكل لو تركوا الاعتذار.

[٢] [الأنبياء: ٢٣]

[٣] ك: واحدة.

[٤] ي، ك، ش: يتنعم من وجوه.

[٥] ف: كذلك.

ہلاکت سے اجتناب کیا، یہ حکمت الٰہی کے تقاضے اور اِس (حکمران) کی حقیقت کے مطابق تھا، اگر ان دونوں کو ان کے عذر کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو ان کے پاس کسی حد تک حجت ہے، لیکن حق۔ جل اسمہ۔ نے اپنے پاس سے بالغ حجت لا کر اِن کی دلیل کو کاٹ دیا، فرمایا: ﴿اس سے اُس کے فعل کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا جبکہ اِن سب سے پوچھا جاتا ہے﴾ ''اور یہ جنت میں گئے اور مجھے پروا نہیں اور یہ دوزخ میں گئے اور مجھے کوئی پروا نہیں'' ''اور قلم خشک ہوئے۔''

ہم کہتے ہیں: بیشک روح کی حقیقت نور ہے جبکہ خواہش کی حقیقت نار[۲۷] ہے، اور اِن دونوں میں سے ہر ایک اپنے وجود سے اپنے وجود میں راحت پاتا ہے، کیونکہ یہ اس کی ذاتی صفت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور اگر ''ناری حقیقت'' والے کو یہ یقین ہوتا کہ اُسے اِسی آگ سے عذاب دیا جائے گا، اور وہ فاعل اِس پر قادر ہے؛ تو وہ بھاگ کر نور کی پناہ لیتا؛ اگر اُسے نور میں نجات ملنے کا یقین ہوتا، لیکن اُسے یہ خبر نہیں۔ لہذا ہر ایک اپنے مقام کی طرف بلاتا ہے، بلکہ نار نور سے عذاب محسوس کرتی ہے، جیسے ''جُعَل'' نامی کیڑا[۲۸] گلاب کی مہک سے دور بھاگتا ہے۔ چونکہ یہ (خواہش) نور سے عذاب محسوس کرتی ہے تو سوچتی ہے کہ یہ مملکت انسانی بھی اس سے تکلیف محسوس کرتی ہے، لہذا وہ ہمیشہ اسے نور سے دور کرنے میں کوشاں رہتی ہے، اور ان افعال کے ذریعے اسے نور سے محجوب رکھتی ہے جو اسے نور سے دور لے جاتے ہیں؛ یہ وہی شہوات ہیں جن کے ارد گرد نار ہے، جو اِن میں پڑتا ہے وہ آگ میں جا گرتا ہے۔ اسی طرح روح۔ جو کہ نور ہے۔ بھی یہی کچھ کرتی ہے۔ اِن میں سے ہر ایک اُن اسباب پر غور کرتا ہے جو اِس مملکت انسانی کو اِس کی جماعت سے ملا دے، چنانچہ وہ یہی اسباب اس کے سامنے پیش کرتا اور اسی سے اِسے آراستہ کرتا ہے۔

ان دونوں (یعنی روح اور خواہش) کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب یہ مملکت کسی ایک رنگ میں رنگی گئی یا کسی ایک وصف سے متّصف ہوئی، تو پھر یہ اِسی وصف والے کی مملکت ہوگی، اور وہی اِس پر حاکم ہوگا، لہذا جنگ وجدل اور فساد برپا ہے۔ اگر یہ دونوں خود پرستی سے باہر آئیں اور خارج سے اُس بلانے والے۔ یعنی شارع۔ پر نظر ڈالیں، اور یہ کہیں: مجھے خارج میں ایک ایسا داعی ملا جس کی سچائی اور عصمت ثابت ہے، جسے وہ نجات کہے اسی میں نجات ہے،

الهلاك فهو ذلك؛ لوَقَعَ التسليم والانقيادُ، وارتفعتِ الفتن، وحصل المُلك في حزب النجاة. لكنّ هذا لا يصحّ أبدًا، إذ كانت تزول حقيقة الهوىٰ؛ فإنّه عين المخالفة، فلو عُدِمَت انعدم وذهب، لكن لله - تعالىٰ - في هذا تدبير عجيب يحجب من شاء ويكشف لمن شاء ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾[١] وله الحجة البالغة [٢] ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ[٣] لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ، إِلَّا مَن رَحِمَ رَبُّكَ﴾[٤] وهم أهل الجمع، ﴿وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ ليظهر[٥] أسماءَه[٦] في الوجودِ. وَاللهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ، والْحَمْدُ لله رَبِّ الْعالَمِينَ.[٧]

---

[١] [الانبياء:٢٠]

[٢] ش: + ولو شاء لهداكم أجمعين.

[٣] ي: - ربك. ك: الله.

[٤] [هود:١١٨-١١٩]

[٥] ك: لتظهر.

[٦] ف: أسماؤه.

[٧] م: بلغت قراءة عليه، أحسن الله إليه. بلغت قراءة.

اور جسے وہ ہلاکت کہے وہی ہلاکت ہے۔ (اگر ایسا ہو جائے تو) ان دونوں کی تکرار ختم ہو اور فساد مٹے، اور اِس مملکت کو بھی خلاصی ملے۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں، کہ پھر خواہش کی حقیقت مٹ جائے گی؛ کیونکہ یہ عین مخالفت ہے، اگر (مخالفت) مٹ گئی تو (خواہش) بھی مٹ جائے گی۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب تدبیر ہے، جس پر چاہتا ہے عیاں کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھپائے رکھتا ہے، کیونکہ ﴿اس کے کاموں کا اُس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ اس کے علاوہ ہر ایک سے پوچھا جاتا ہے﴾ اسی کے پاس بالغ حجت ہے ﴿اگر تمہارا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتا، لیکن یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر تیرا رب رحم کرے﴾ اور یہ اہل جمع ہی ہیں، ﴿اسی لیے تو انہیں پیدا کیا﴾ تا کہ وجود میں اُس کے اسما ظاہر ہوں ﴿اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾ اور سب تعریف ربّ العالمین کے لیے ہے۔

الباب الخامس
في الاسم الذي يخُصّ الإمام وحده، وفي صفاته وأحواله وأنَّ الإمام لا يكون أبدا[1] إلّا واحدًا من أربعة

جَرتِ الحكمة الإلهيّة في العالم أن يكون للخليفة عليه اسم يختَصُّ به وحده دون غيره، لا سبيل إلى أن يُسمَّى به أحدٌ، حتّى إذا ذُكِر تميَّز وعُرِف، ولم يُعْطِ اللفظُ على مجرى العادة أن يُفهم منه غير الإمام، ولا [يطلق][2] عليه من بقيّة أسمائه ولو كانت ألفا بوقوع الاشتراك تأسِّيًا بمن استخلفه؛ وهو الله - تعالى -. فإنّه - سبحانه - اختُصَّ باسم الألوهيَّة حتّى إذا قال أحدٌ: «الله»، لم يُفهم من هذا الإطلاق سوى الفاعل - سبحانه -. ألا ترى [أنّه][3] لمّا أنزل تعالى[4] قوله: ﴿أُعْبُدُوا اللهَ﴾[5] لم يقولوا: وما الله، ولمّا ﴿قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ﴾[6]

قلنا: أن ننظر أيّ اسم يختصّ به هذا الإمام نطلقه عليه، فلم نجد شيئا إلّا ما سمّاه الله - تعالى -[7] به في قوله: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ

---

[1] ش: وأنَّ الإمام أبدا لا يكون

[2] شرح التدبيرات الإلهية للشيخ البيتامي، مخطوط.

[3] ي، ك، ف: - أنّه.

[4] ي، ك: - تعالى. ش، ف: أنزل الله تعالى.

[5] [الأعراف: ٥٩]

[6] [الفرقان: ٦٠] ي: لما قيل لهم: اعبدوا الرحمن، قالوا: وما الرحمن؟ ل، م: صححت في الحاشية: (اسجدوا للرحمن).

[7] ل، م، ف، ش: ما سماه به الله تعالي في قوله

پانچواں باب
خلیفہ کا خاص نام، اُس کی صفات اور احوال کا بیان، اور یہ کہ امام ہمیشہ چار میں سے ایک ہوتا ہے

کائنات میں حکمت الٰہی اس طرز پر جاری ہے کہ خلیفہ سے وہ نام مخصوص ہو جو کسی غیر سے (منسوب) نہ ہوا، کسی صورت کسی دوسرے کا یہ نام نہ رکھا جائے، وہ اس لیے کہ جب یہ نام لیا جائے تو خلیفہ جانا اور پہچانا جائے، اور یہ لفظ بھی ایسا ہو کہ عام معمول میں امام کے سوا کوئی اور شے ذہن میں نہ آئے، اور اِس (امام کو بھی) کسی اور نام سے نہ پکارا جائے، چاہے وہ ہزار نام ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ ان سب میں اشتراک ہے۔ یہ سب اُس کی اتباع میں جس نے اِسے خلافت بخشی؛ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بیشک وہ سبحانہ اسم الوہیت سے مخصوص ہے، اور جب کوئی "اللہ" کہتا ہے تو اِس کہنے میں فاعل حقیقی یعنی حق تعالیٰ کے علاوہ ذہن میں اور کچھ نہیں آتا۔ کیا تو نے غور نہیں کیا جب حق تعالیٰ نے یہ قول اتارا ﴿اللہ کی عبادت کرو﴾ تو (مشرکین نے) یہ نہیں کہا: کون اللہ؟ لیکن ﴿جب ان سے کہا گیا الرحمن کو سجدہ کرو، تو کہنے لگے: کون الرحمٰن؟﴾

ہم کہتے ہیں: جب ہم نے غور کیا کہ اِس خلیفہ سے مخصوص وہ نام کیا ہونا چاہیے کہ جس سے ہم اِسے پکاریں، تو ہمارے سامنے وہی نام آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قول میں پکارا: ﴿جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں﴾ اس سبحانہ نے اس بات سے روک دیا کہ ایک وقت میں ایک سے زائد خلیفہ ہوں، اپنے اس قول سے روکا: "جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو۔" لہٰذا ایک بادشاہت کا دو بادشاہوں

خَلِيفَةً﴾[1] وقد منع سبحانه أن يوجد منه في زمان واحد اثنان فحسم ذلك بقوله: «إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما» فلا يصحّ[2] إقامة مُلك بين مدبِّرين وإن اتّحدت إرادتهما. قال الله - تعالى -: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا﴾[3] لأنّه قد يأمر أحد الخليفتين بعَين ما ينهي عنه الآخر، ولا بدّ من امتثال أمر أحدهما، إذ لا يَسُوغ امتثال الأمرين؛ فإن تركوا عُوقِبوا، وإن أطاعوا أحدهما عاقبهم الآخر، إذ بنفس ما يُطيعُوا الواحد عصوا الآخر، فعاقبهم مَن عصوه، فوجب على من أطاعوه نُصرتُهم، فأدّى ذلك إلى حروبٍ وفتنٍ تَشْغَل عن تدبير الملك، فيخرب، فلهذا نصَّ على خليفةٍ واحد.

اعتراض

فإن قيل: قد سمِعنا الله - تعالى[4] - يقول: ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾[5] وقد قلتَ أنّه واحدٌ شرعًا، فكيف الجمع؟ فنقول: إنّ سرّ الخلافة واحدٌ، وهو مُتَوارثٌ تتوارثه هذه الأشباح، فإذا ظهرتْ في شخصٍ مَّا - مَا[6] دام ذلك الشخص متّصفا به - من المحال شرعا أن يوجَد لذلك القبيل في ذلك الزمان بعينه في شخص آخر، وإن ادَّعاه أحد فهو باطل ودعواه مردودة، وهو دجَّال ذلك الزمان، فإذا فُقد ذلك الشخص انتقل ذلك السرّ إلى شخص آخر، فانتقل معه اسم الخليفة، فلهذا قيل: خَلَائِفَ. فانظر في هذا الفصل فقد نبّهت فيه على أسرارٍ لم أجزم على إيضاحها.

---

[1] [البقرة: ٣٠]

[2] ك: تصح.

[3] [الأنبياء: ٢٢]

[4] ف، ش: - تعالى.

[5] [الأنعام: ١٦٥]

[6] ي، ك: - ما.

کے درمیان ہونا درست نہیں، چاہے اِن کا ارادہ ایک ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اگر زمین و آسمان میں اللہ کے ساتھ اور خدا بھی ہوتے تو یہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے﴾ کیونکہ دونوں میں سے ایک خلیفہ بعینہٖ اُس بات کا حکم دیتا جس سے دوسرا روکتا، لہذا ان دونوں حکموں کو ماننا ممکن نہ رہتا؛ اگر وہ دونوں حکموں کو چھوڑتے تو سزا ملتی اور اگر ایک کی مانتے تو دوسرا سزا دیتا، کیونکہ ایک کی بات ماننے میں ہی وہ دوسرے کی نافرمانی کر رہے ہوتے، لہذا جس کی نافرمانی کرتے وہ انہیں سزا دیتا، اور جس کی بات مانی ہوتی وہ ضرور ان کی مدد کرتا، لہذا یہ جنگ و جدل اور فتنہ انگیزی کا باعث ہوتا، امور مملکت نہ چل سکتے اور مملکت تباہ و برباد ہو جاتی، اِسی لیے ایک خلیفہ کا حکم آیا ہے۔

اعتراض

اگر کہا جائے: ہم نے اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے بھی سنا ہے: ﴿وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں خلائف بنایا﴾ جبکہ آپ اِسے شرعاً ایک کہہ رہے ہیں، پھر جمع کا صیغہ کیوں؟ ہم کہتے ہیں: بے شک خلافت کا راز ایک ہے، جو ان اجسام میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ جب یہ کسی شخص میں ظاہر ہوتا ہے، اور جب تک وہ شخص اس سے متّصف رہتا ہے تو شرعاً ایسا ممکن نہیں کہ اِس دور کے کسی دوسرے شخص میں بھی بعینہٖ یہی (راز) موجود ہو، اگر کوئی دوسرا اس کا دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا ہوگا، اس کا دعویٰ مردود ہے اور وہ اُس دور کا دجال ہے۔ جب یہ شخص انتقال کر جائے تو یہ راز بھی کسی دوسرے شخص میں منتقل ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ اسم خلیفہ بھی اُس میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ”خلائف“ کہا گیا۔ اس بارے میں غور کر کیونکہ یہاں میں نے اُن اسرار کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی وضاحت کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔

تنبيه

فإذا تقرَّر هذا وثبت، فينبغي لهذا الخليفة أن يتخلّق بأسماءِ من استخلفه، حتّىٰ يظهر ذلك في أخلاقِ رعيّته وفي أفعالهم، وقد ذكرنا[1] معنىٰ التخلّق بالأسماء الربّانية في كتابنا المترجم «بكشف المعنىٰ عن سرّ أسماء الله الحسنىٰ».

يا أيّها السيّد الكريم: حافظ علىٰ شريعتك، واجعل ملكك خادما لها، ولا تَعكِس فيُعْكَس عليك، ولا تَغفُل عن النظر في كلِّ حينٍ في رعاية الأحكام الظاهرة والأسرار الباطنة المتولّدة عنها، الّتي وهبها الله - تعالىٰ - لك علىٰ طبقات العوالم الذين[2] ذكرناهم في الإنسان، ثمّ يندرج[3] الأمرُ إلىٰ وزيرك، فيكون علىٰ هذه الحالة إلىٰ كاتبك[4]؛ إلىٰ كلّ والٍ في مملكتك. فعليك بكظم الغيظ، وتوقير الكبير، ورحمة الصغير، ورؤية إحسان المحسن، والغَضِّ عن إساءته، والتغافل عن الزلّة والسَّقْطَة، وذلك بأن تَزِلَّ العينُ يوما بنظرةٍ في فضول أو اللسان في لفظةِ فضولٍ، فيكظم[5] الغيظ بالاستغفار والإنابة ممّا وقع فيه، لا كمَن غمّض عينَه أعوامًا أو صمت من غير استغفار زمانا.

وأمّا توقير الكبير: فليس في الباطن للسنِّ حظّ، وإنّما هو الكِبَرُ بالشرف والمرتبة، والصغير علىٰ هذه النسبة. وأمّا رؤية إحسان المحسن: فإذا أحسن إليك عاملٌ من عُمّالك مثل العين والسمع، فلك أن تُجْزِل له العطاءَ[6] علىٰ ذلك من مقامه وما يليق به.

---

[1] ل: فسرنا.

[2] ش: الذي.

[3] ك: يتدرج.

[4] م: كتابك.

[5] ك: تكظم.

[6] ف: العطايا.

حرفِ آگاہی

جب یہ طے اور ثابت ہوا تو اِس خلیفہ کو چاہیے کہ اُس آقا کے اسما سے متخلّق ہو جس نے اسے خلیفہ بنایا، تاکہ اُس کی رعایا کے اخلاق اور افعال میں بھی یہ (تخلّق) ظاہر ہو۔ اسمائے ربانیہ سے تخلّق کا مطلب ہم نے اپنی کتاب "كشف المعنىٰ عن سر أسماء الله الحسنىٰ" میں بیان کیا ہے۔

اے مکرم سردار! اپنی شریعت کی حفاظت کر، اور اپنی مملکت کو اِس کا خادم بنا، اور اِس کے الٹ نہ کر، کہیں تجھ پر بھی معاملہ نہ الٹایا جائے، کسی لمحے ظاہری احکام کی حفاظت اور اس سے پیدا شدہ باطنی اسرار پر نظر رکھنے سے غفلت نہ برت، وہ (اسرار) جو تجھے اللہ تعالیٰ نے عوالم کے ان طبقات پر — جن کا ہم نے انسان میں ذکر کیا — عطا کیے، پھر یہ معاملہ تیرے وزیر کے سامنے آتا ہے، اور اِسی حالت پر تیرے کاتب تک، تیری مملکت کے ہر حاکم تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اپنے غصے کو ٹھنڈا رکھ، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کر، اپنے محسن کا احسان مند رہ اور اُس کی برائی سے چشم پوشی کر، اِسی طرح لغزش اور کوتاہی سے تغافل برت۔ وہ اِس طرح کہ جب کبھی نظر پھسلے یا زبان کچھ ایسا ویسا کہہ دے تو توبہ استغفار سے اِس غضب کو ٹھنڈا کر، اور اس جیسا نہ بن جس نے سالہا سال اپنی آنکھ ہی نہ کھولی یا جو ایک مدت استغفار نہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔

جہاں تک بزرگوں کے احترام کی بات ہے تو باطن میں عمر سے کوئی بڑا نہیں، بلکہ بڑا اور چھوٹا ہونا تو شرف اور مرتبے سے ہے۔ جہاں تک محسن کا احسان مند ہونا ہے: تو جب تیرے اعضا میں سے کوئی عضو مثلاً آنکھ یا سماعت تجھ پر احسان کرے تو اُسے اِس عمل پر اُس کے مقام کے لائق انعام و اکرام سے نواز۔

تذكرة

والذي أوصيك به أيها السيّد الكريم: أن لا تُنْفِذ أمرًا في مُلكك حتّى تنظر إلى عاقبة ذلك الأمر، فإن أعقَبَ خيرا أمضيتَ وإلّا أمسَكْتَ، فتأنّ في أمورك؛ أعني في الطاعات، إذ العلل كثيرة، فإنّ النفس قد تأمر بالطاعة لأمر مّا، يجب[1] مخالفتها فيه، وهذا عند أرباب النفوس[2] باب متّسَع فيه.

عبرة

يا أيّها السيّد الكريم: والذي أوصيك به أن لا تتجلّى لرعيّتك إلّا لمحة بارقٍ أو خيال طارقٍ، فإنّهم لا يعرفون قدر الخلافة لقصورهم، فربّما بإدامة التجلي أساءوا الأدب، بل لا يكون إلّا كذلك، قال الله - تعالى -: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ﴾[3] فقد نبّه على مقام القبض، والتجلّي هاهنا إنّما هو إظهار التوحيد يومًا مّا أو في نازلة مّا، لا في كلّ الأيّام ولا في كلّ النوازل؛ لأنّ استدامة التجلّي تؤدّي إلى تعطيل الأحكام والديانات، وإذا كان ذلك[4] خَرِبَ المُلك عاجلا وآجلا، فاللهَ اللهَ ولا لمحة بارقٍ من التوحيد.

سياسة

يا أيّها السيّد الكريم: أصغ إلى سياسةٍ مدينة بدنك[5] مِن أخ شفيقٍ عليك، رفيقٍ بك. ينبغي لك عند ما تريد أن تَبرُزَ لأهل مملكتك وتَظْهَرَ في عالمك المتّصل والمنفصل من عالم الملكوت والجبروت والشهادة، فلتُقَدِّم وزيرَك العقل - رضي الله عنه - إلى

---

[1] ك: تجب.

[2] ف: النفس.

[3] [الشورى: ٢٧]

[4] ف: + كذلك.

[5] ي، ل، ش: سياسة مدنية. ك: مدينتك.

نصیحت

اے مکرم سردار! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی مملکت میں ایسا کوئی حکم نافذ نہ کر کہ جس کے نتائج سے تو آگاہ نہیں، اگر اِس کا نتیجہ اچھا ہو تو اِسے نافذ کر وگرنہ روک لے، اپنے معاملات میں جلد بازی سے گریز کر؛ میرا مطلب ہے طاعات میں کیونکہ آفات بہت سی ہیں، بعض اوقات نفس کسی ایسے معاملے میں طاعت کی بات کرتا ہے جس میں اُس کی مخالفت ہونی چاہیے، اربابِ نفوس کے نزدیک یہ ایک وسیع باب ہے۔

عبرت

اے مکرم سردار! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اپنی رعایا کے سامنے چند پَل یا چند ساعتوں کے لیے جلوہ افروز ہو، کیونکہ وہ اپنی کم مرتبگی کے باعث خلافت کی قدر نہیں جانتے، ہو سکتا ہے کہ تجلی کے دوام میں وہ بے ادبی کر بیٹھیں، بلکہ ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اگر اللہ اپنے بندوں کا رزق وسیع کر دے تو وہ زمین میں زیادتی کرنے لگیں گے، لیکن وہ ایک مقدار کے مطابق (رزق) اتارتا ہے﴾ اُس نے مقام قبض کا بتایا، یہاں جلوہ افروز ہونے سے مراد کسی روز یا کسی مصیبت پر حقائق توحید [۲۹] کا اظہار کرنا ہے، نہ کہ ہر روز اور ہر مصیبت پر؛ کیونکہ تجلی کا دوام احکام اور شرائع کے تعطل کی طرف لے جاتا ہے، اگر ایسا ہو گا تو یہ مملکت جلد یا بدیر برباد ہو جائے گی، لہٰذا اللہ کا نام لے اور توحیدِ (محض) کو ایک لمحے کے لیے بھی ظاہر مت کر۔

سیاست

اے معزز سردار! اپنے بھائی سے اِس شہر بدن کی سیاست غور سے سن لے کہ وہ تجھ پر شفیق اور مہربان ہے۔ جب تو اپنے اہل مملکت کے سامنے آ اور عالم ملکوت، جبروت اور شہادت میں اپنے متّصل اور منفصل عالم میں ظاہر ہو تو اپنے وزیر عقل۔ اللہ اُس سے راضی ہو۔ کو اپنی ساری مملکت میں مقدم رکھ، یہ اُن میں تیرا قائم مقام ہو، انہیں تیرے ظہور کا بتائے، اُن کے دلوں میں تیری ہیبت، دھاک اور تیرے اقتدار کی ایسی عظمت بٹھائے جس سے اِن کے دلوں میں تیرے

جميع مملكتك، يَقُوم فيهم مقامك، ويُعَرِّفُهم بتجلّيك لهم، ويُوقِّر في نفوسهم من هيبتك وجلالك وعظيم سطوتك[١] ما لا تَنْفُر[٢] نفوسهم به[٣] عنك. ويُقَرِّر أيضا في قلوبهم من حنانك ولطفك ورحمتك وجُودك وجَسيم مننك[٤] ما لا يؤدّيهم إلى الإدلال[٥] عليك. فيلقَوْنَك في حدّ الاعتدال، لا قانطين ولا مدلّين[٦] بل معتدلين. إن أرادوا الانبساط عليك قبضهم ما وَقَرَ في نفوسهم من جبروتك وعظيم سطوتك[٧]، وإن أرادوا الانقباض بسطهم ما وقر في نفوسهم من حنانك ورأفتك، فهم في شهودك بين الخوف والرجاء في مقام الهيبة والأنس، قد أمنوا العقاب وخافوا الإجلال.

كَأَنَّمَا الطَّيْرُ مِنْهُمْ فَوْقَ أَرْؤُسِهِمْ   لَا خَوْفَ ظُلْمٍ وَلَكِنْ خَوْفَ إِجْلَالِ

وهذا مقامٌ لا يصحُّ إلّا في الطائفةَ الملكوتيّة الكروبيّة، وأمّا مَن دونهم فمشاهدةُ العقاب تمنعهم من الإدلال، قال الله – تعالى –: ﴿يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾[٨] وقال: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾[٩]

يا أيّها السيِّدُ: واجعل عقوبة من عصاك على قدر مرتبته منك وقرب منزلته، ألا ترى أبا يزيد البسطامي – رضي الله عنه – كيف أقام سَنَة ما سقى نفسَه شربة ماءٍ، عقوبة لها حين امتنعت عليه لأمر أراده منها لله تعالى.

---

[١] ف: سلطانك.

[٢] ك: يُنَفِّرُ.

[٣] ف: – به.

[٤] ش: منتك.

[٥] ش: الإذلال.

[٦] ش: مذلين.

[٧] ف: سطواتك.

[٨] [النور: ٣٧]

[٩] [النحل: ٥٠] ش: – وقال: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُمْ من فَوْقِهِمْ﴾.

لیے جذبات منافرت نہ پنپنے پائیں۔ اِسی طرح اُن کے دلوں کو تیری رحمت، لطف، نرم دلی، سخاوت اور عظیم احسانات سے ایسے روشناس کروائے، کہ انہیں تیرا بے ادب نہ بنائے۔ وہ تجھے حدِ اعتدال میں ملیں، نہ مایوس ہوں اور نہ بے باک، بلکہ حالت اعتدال میں رہیں۔ اگر تجھ سے بے تکلف ہونا چاہیں تو اُن کے دل میں بیٹھا خوف، جلال اور تیرے اقتدار کی عظمت انہیں اِس سے روکے، اور اگر حد سے زیادہ ادب کریں تو ان کے دلوں میں بیٹھی تیری نرمی اور رحمت انہیں بے تکلف بنائے۔ تیرے حضور وہ مقام ہیبتِ اور اُنس میں خوف اور امید کے درمیان رہیں کہ تیری سزا سے بے خوف لیکن تیرے جلال سے خائف ہوں۔

جیسے پرندے اُن کے سروں پر بیٹھے ہیں، ظلم کے خوف سے نہیں بلکہ جلال کے خوف سے

یہ مقام صرف ملکوتی کروبی[۳۰] گروہ کو حاصل ہے، ان کے سوا ہر ایک کو سزا کا خیال شوخی سے روکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وہ اُس روز سے خوف کھاتے ہیں جب قلوب اور نگاہیں پلٹ جائیں گی﴾ اور کہا: ﴿اور وہ اپنے رب سے خوف کھاتے ہیں﴾

اے سردار! جو تیری نافرمانی کرے اُسے تجھ سے قربت اور اُس کے مرتبے کے مطابق سزا دے، کیا تو نے غور نہیں کیا کہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے پورا ایک سال اپنے نفس کو پانی تک نہ دیا، یہ (نفس) کی سزا تھی کہ اُس نے انہیں وہ کام نہ کرنے دیا جو وہ اللہ کے لیے کرنا چاہتے تھے۔

تكملةٌ حكميةٌ

أيّها السيّد الكريم: نزّه نفسك عن الدنيا وأوضارها، واجعلها خادمة لك ولرعيّتك. وما الدنيا إلى جانبِ منصبك الذي أهّلك الله إليه المقدّس عن تعلُّق الكونين به، فكيف عن الدنيا الّتي مَقَتَهَا الله - تعالى - وما نظر إليها من حين خلقها، ناهِيك من تشبيه النبيّ - صلّى الله عليه وسلّم - إيّاها «بالجيفة» و«المزبلة» مع إخباره: أنّها «لا تساوي عند الله جناح بعوضةٍ» «وأنّها ملعونةٌ، ملعونٌ ما فيها إلّا ما كان مِن ذكر الله». أفيَجْمُلُ بهِمَّة خليفة مثلك قد خلقه الله نورًا جوهرةً يتيمةً، أن يلحظ ببصره أو يطرف إلى جيفةٍ أو مزبلةٍ أو يتكالب عليها، وقد قال - تعالى -: «يا دنيا اخدمي من خدمني وخَدِّمِي مَن خدمك». فالدنيا -وفّقك الله - تطلبك حتّى تُوَفِّيك ما قدّره لك مَن استخلفك مِن جاهك ورزقك، وأرزاق رعيّتك. واجْمل في الطلب، واسْعَ في تخليص رعيّتك وتخليص نفسك باشتغالك بما كلّفك مَن استخلفك مِن الأوامر والنواهي والحدود. فعليك بالإعراض عن الدنيا؛ تأتيك راغمةً خادمةً، والذي يصل إليك منها وأنت مقبل عليها، هو الذي يصل إليك وأنت معرض عنها.

ذكر كعب الأحبار: أنّ الله - تعالى - ذكر في التوراة: «يا ابن آدم: إن رَضِيتَ بما قسمتُ لك، أرحتَ قلبك وبدنك، وأنت محمودٌ، وإن لم تَرضَ بما قسمتُ لك سلَّطتُ عليك الدنيا حتّى تركضَ فيها ركض الوحش في البرّيّة، ثمّ وعزّتي وجلالي لا تنال منها إلّا ما قَدَّرتُ لك وأنت مذموم». فعلَّق الراحة بالقلب مع البدن، إذ لا يصحُّ طلب شيء من غير إرادة؛ إذ هي المحرّكة للباعث على البحث والتفتيش. والإرادةُ من خاصَّتك المُصرِّفة لعامّتك، فإن تصرّفت[1] في المضمون تصرّفا كُلّيّا لم تتهيّأ لامتثال أوامرك عليها، وعند عدولها عن ذلك كنت لئيما على رعيّتك، على ما يرد في داخل الباب.

[1] م: انصرفت.

پُر حکمت تکمیل

اے مکرم سردار! اپنے نفس کو دنیا اور دنیاداری سے پاک کر، اِسے اپنا اور اپنی رعایا کا خادم بنا۔[31] دنیا کا اُس منصب سے کیا مقابلہ جس کا تجھے اللہ نے اہل بنایا، یہ (منصب) تو دونوں جہانوں کے تعلق سے پاک ہے، تو اِس دنیا سے کیوں نہیں جو اللہ کو اتنی ناپسند ہے کہ جب سے اِسے بنایا اِس کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کیا، تیرے لیے نبی ﷺ کا اِسے گلی سڑی لاش اور کوڑے کے ڈھیر سے تشبیہ دینا ہی کافی ہے، حالانکہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کے نزدیک یہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی"، "یہ ملعون ہے، اور جو کچھ اِس میں ہے وہ سب بھی ملعون ہے، سوائے اللہ کا ذکر وغیرہ۔"[32] کیا یہ تیرے یعنی خلیفہ کے شایان شان ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ایک انمول نورانی موتی کی طرح تخلیق کیا۔ کہ وہ اِس کی طرف متوجہ ہو یا کسی گلی سڑی لاش یا کوڑے کے ڈھیر پر نظر کرے، یا اِس پر کتوں کی طرح جھپٹے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے دنیا! جو میری خدمت کرے تو اُس کی خدمت کر، اور جو تیری خدمت کرے اُس سے خوب خدمت کروا۔" اللہ تجھے توفیق دے، یہ دنیا تیری طالب ہے؛ یہ تجھے وہ سب کچھ دینا چاہتی ہے جو تیرے مالک نے اس میں تیرا حصہ رکھا، جیسے تیرا رزق تیرا مرتبہ، اور تیری رعایا کے ارزاق وغیرہ۔ لہٰذا اپنی طلب میں میانہ روی اپنا، اپنے مالک کے بیان کردہ احکام، نواہی اور حدود کی ادائیگی میں خود کو مشغول رکھ کر اپنی اور اپنی رعایا کی جاں بخشی کروا۔ تجھے دنیا سے منہ موڑ لینا چاہیے، یہ ذلیل وخوار ہو کر ایک خادم کی طرح تیری طرف آئے گی، اور جو کچھ تجھے اِس کی طرف منہ کرنے کی صورت میں ملے گا وہی سب تجھے اس سے منہ موڑنے کی صورت میں بھی ملے گا۔

کعب احبار فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: "اے ابن آدم! اگر تو میری تقسیم پر راضی ہو گا تو اپنے دل اور بدن دونوں کو راحت پہنچائے گا اور قابل تعریف ٹھہرے گا، لیکن اگر تو میری تقسیم پر راضی نہ ہوا تو میں دنیا کو تجھ پر مسلط کر دوں گا حتی کہ تو اِس (دنیا کی دوڑ) میں ایسے دوڑے گا جیسے وحشی جانور ویرانے میں دوڑتے ہیں، اور پھر قسم ہے مجھے میری عزت اور جلال کی کہ تو اِس (دنیا) میں سے اتنا ہی لے سکے گا جتنا میں نے تیرا نصیب کیا اور تو اُس وقت قابل نفرت

فالله الله اجهد أن لا تتعلّق لك إرادةٌ إلّا بمرادِ محبوبك ومطلوبك، من جهة ظاهر الأمر وباطن الإرادة، بعد وقوع المرادِ المؤدِّي إلى العلم، بأنّ ذلك الواقع لولا ما سبق في العلم على ذلك، وتعلّقت به الإرادةُ لما وقع على ذلك الوصف مع جواز تَبدُّلِه في نفسه في وقوعه على غير ذلك.

فإذا تقرَّر هذا فأني أضرب مثالا[١] لمن لم يَفهَمْ من عالمك وولاتك - فيما تقدّم - من طلب الرزق الذي لا بدّ منه مثلك[٢] في طلب الدنيا والإعراض عنها والقوت[٣] منها والحقِّ سُبحانه[٤] ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾.[٥]

رَجُلٌ صرف وجهَه للشمس فرجع ظِلُّه خلفه، فقصد نحو الشمس، فاتّبعه ظلُّه، ولم يَلْحَقْهُ ولا نال منه إلّا ما حصل تحت قدميه. وفي[٦] الاستواء: أعني استواء الشمس في قُبَّةِ الفلك على رأس الرجل سِرٌّ لا ينكشف ولا نُودعه كتابا، وهو موجود في قوله - تعالى -: ﴿ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾[٧]

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: ثمّ نرجع إلى المثال فنقول: ثمّ هذا الرجل إن أقبل بوَجْهِهِ على ظلّه، واستدبر الشمس، وجرى ليلحق ظلَّه، فلا هو يلحق الظلّ وقد فاته حظُّه من الشمس، وهم الذين قال الله - جلّ اسمه - فيهم: ﴿ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُوراً﴾[٨] وما لحق من الظِلِّ إلّا ما تحت قدميه؛ وهو الحاصل له في استدباره

---

[١] ي، ك: فأنا أضرب لك مثالا. ش: فإني أضرب لك مثالا.

[٢] ي، ك: + مثلك.

[٣] ك: والفوت. ل، ف: والقرب.

[٤] ش: + يقول.

[٥] ي: + وهو العزيز. ك، ش: وهو العزيز الحكيم.

[٦] ف: وقت.

[٧] [الفرقان: ٤٦].

[٨] [الحديد: ١٣]

ٹھہرے گا۔" پس اُس نے راحتِ قلب کو بدن کے ساتھ جوڑا، کیونکہ ارادے کے بغیر کسی چیز کی طلب درست نہیں؛ کہ ارادہ ہی تحقیق اور جستجو کا محرک اور سبب ہوتا ہے۔ ارادہ تیرے خواص میں سے ہے کہ یہ تیری عوام کو حرکت میں لاتا ہے۔ اگر تیری کلی حرکت اس شے (یعنی رزق) کی طلب میں ہوگی جس کی تجھے ضمانت دی گئی تو پھر تو اس کے اوامر کو کس وقت پورا کرے گا، اور اگر تونے اوامر پر عمل نہ کیا پھر تو اپنی رعایا پر کنجوس ہوگا، جیسا کہ اس باب میں آگے آئے گا۔

اللہ اللہ! کوشش کر کہ تیرا ارادہ تیرے محبوب اور مطلوب کی مراد کے مطابق ہو، یہ ظاہری امر (یعنی شریعت) اور باطنی ارادے (یعنی نیت) کی جہت سے، بعد اس کے کہ مراد وقوع پذیر ہوئی اور اس نے علم دیا، کہ اگر یہ وقوع پذیر ہونا پہلے سے علم میں یونہی نہ ہوتا اور ارادے کا اس سے تعلق نہ ہوتا تو یہ اِس صورت پر وقوع پذیر بھی نہ ہوتا، اس امکان کے ساتھ کہ یہ (مراد) فی نفسہ اپنے وقوع پذیر ہونے میں اس (صورت) کے علاوہ تبدیل بھی ہوسکتی تھی۔

جب یہ طے ہو گیا تو میں تیری رعایا اور حکام کو-جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا-طلب رزق، جو کہ ضروری ہے، ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، یہ دنیا کی طلب، اس سے اِعراض، اس کے رزق اور حق سبحانہ کے بارے میں ہے ﴿اور اعلی مثال تو اللہ کی ہے﴾

ایک شخص نے اپنا منہ سورج کی طرف کیا تو اُس کا سایہ اُس کے پیچھے ہوا، جب وہ سورج کی طرف چلا تو اُس کا سایہ بھی اس کے پیچھے چلا، لیکن اِس سایے کا صرف وہی حصہ اِس سے جڑا ہوا ہے جو اِس کے پاوں کے نیچے ہے۔ استوا میں؛ یعنی آفتاب کے گنبدِ آسمان کے عین مرکز میں اِس شخص کے سر کے اوپر ہونے میں ایک راز ہے جو منکشف نہیں ہوا، اور نہ ہم نے یہ کسی کتاب میں لکھا، یہ اللہ کے اِس قول میں موجود ہے: ﴿پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا﴾

مؤلف کہتا ہے-اللہ اُس سے راضی ہو-: ہم اپنی مثال کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں: اگر یہ شخص اپنے سایے کی طرف متوجہ ہو سورج سے منہ موڑ لے، اور اپنے سایے کو پکڑنے جائے، تو وہ اپنے سایے کو نہیں پکڑ سکتا، بلکہ اُس نے سورج سے (ملنے والا) حصہ بھی گنوا دیا، یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ-عزوجل-نے فرمایا: ﴿واپس ہو جاؤ اور روشنی ڈھونڈو﴾ اِسے سایے کا وہی حصہ ملا جو اس کے پاؤں کے نیچے تھا؛ اور یہ حصہ تو اِسے سایے کی

الظلّ[١]. فأنت ذلك الرجل، والشمس وجود الحقّ، والظلّ الدنيا، وما حصل تحت قدميك القُوتُ الذي لا بدّ منه.

يا أيّها السيِّدُ الكريمُ: وهَل خُلِقَتِ الدنيا إلّا من أجلك، وخلقك سبحانه من أجله، فأوجدك له وأوجد الأشياء لك. أنزل في التوراة: «يا ابن آدم؛ خلقت الأشياء من أجلك وخلقتك من أجلي، فلا تهتِك ما خلقت من أجلي فيما خلقت من أجلك». وقال الله - تعالى - في القرآن العظيم: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ﴾[٢] وقال: ﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾[٣] وقال تعالى: ﴿اللهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾[٤] ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا﴾[٥] إلى أمثال هذا ممّا لا يُحصَى في القرآن كثرةً.

تتميم

يا أيّها السيّد الكريمُ: تَحبَّبْ إلى رعِيَّتك وأجْزِل العطايا لهم؛ لكُلّ صنفٍ ما يصلح به، وذلك بأن تمنعه من المحارم، وتُجزِل لهم مواهب الطَّاعات على قدر الاستطاعات، وتذَكَّر قول من استخلفك: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ﴾[٦] ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا﴾[٧] فهاتان

---

[١] ك: الشمس من الظل. ف: الشمس.

[٢] [الذاريات: ٥٦-٥٧]

[٣] [القصص: ٧٣]

[٤] [غافر: ٧٩]

[٥] [النحل: ٨]

[٦] [النور: ٢٤]

[٧] [الإسراء: ٣٦]

طرف پیٹھ کرنے کی صورت میں بھی حاصل تھا۔ تُو یہ شخص ہے، سورج وجودِ حق ہے اور سایہ دنیا ہے، اور جو تجھے پاؤں کے نیچے حاصل ہے یہ تیرا وہ رزق ہے جو تجھے ہر حال میں ملنا ہے۔

اے معزز سردار! کیا دنیا تیرے لیے نہیں بنائی گئی؟ اور کیا حق سبحانہ نے تجھے اپنے لیے تخلیق نہیں کیا؟ تجھے اپنے لیے بنایا اور اشیا کو تیرے لیے بنایا۔ تورات میں فرمایا: "اے ابن آدم! میں نے اشیا کو تیرے لیے جبکہ تجھے اپنے لیے بنایا، پس جو میں نے اپنے لیے تخلیق کیا اُسے اُس میں خوار مت کر جو میں نے تیرے لیے بنایا۔" اللہ تعالیٰ قرآنِ عظیم میں فرماتا ہے: ﴿میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا، میں اِن سے رزق کا طالب نہیں﴾ اور فرمایا: ﴿یہ اُس کی رحمت ہی ہے کہ اُس نے رات کو تمہارے سکون اور دن کو اس لیے بنایا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو﴾ اور اللہ فرماتا ہے: ﴿اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے مویشی بنائے جن پر تم سواری بھی کرتے ہو جنہیں تم کھاتے بھی ہو﴾ ﴿گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لیے ہیں﴾ اِس طرز کی دیگر مثالیں جن کا ذکر قرآن میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس کا شمار نہیں۔

تکمیل

اے معزز سردار! اپنی رعایا سے محبت کا اظہار کر، اِن پر (اپنی) عطایات کی برسات کر؛ ہر صنف کو وہ دے جو اُس کے لیے بہتر ہے؛ کہ اُسے حرام کاموں سے روک، اور ان کی استطاعت کے مطابق انہیں وہب کی گئی طاعات بخش، اپنے آقا کے اِس قول کو یاد رکھ: ﴿جس روز ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کی ٹانگیں ان پر گواہی دیں گی﴾ ﴿بے شک سماعت، بصارت اور دل، اِن سب سے پوچھا جائے گا﴾ یہ دونوں آیات تیرے خواص اور عوام کو سموئے ہیں۔ ﴿اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل﴾ ﴿اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روک﴾ نفس امارہ اور لوّامہ پر گہری نظر رکھ، اپنے وزیر سے کہہ کہ وہ ہر آن اِن سے نرمی اور سیاست سے پیش آئے؛ کیونکہ یہی (نفس) تیری غیر آباد مملکت کا مدبر ہے۔ یہ حواس تک وہی کچھ پہنچاتا ہے جو اس تک پہنچایا جاتا ہے، اگر اچھائی ہو تو اچھائی اور اگر برائی ہو تو برائی۔ ایسا کرنے سے تیری مملکت سنبھل جائے گی، تیرے محصولات میں اضافہ ہوگا اور تو اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا۔ ہمیشہ کوشش کر کہ پہلے قریبی

الآيتان شملتا خاصَّتك وعامَّتك. ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً﴾[1] ﴿وأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2] وتفقَّد النفس الأمّارة واللوّامة، واجعل وزيرك يتلَطَّفُها في كلّ حين ويسُوسها[3]؛ فإنّها مُدَبِّرة باديةِ مملكتك. فإنّها لا تُلقِي للحواسّ إلّا ما يلقى[4] إليها، إن خيرًا فخير وإن شرًا فشرّ، فتَصلح عند ذلك مملكتك وتكثُرُ جباياتك وتظفر بأعدائك، فاجعل أبدًا هِمَّتك في إصلاح الأقرب فالأقرب يَقِلُّ شغبك وتعبك. وسلِّط الصَّالح على الفاسد يُصْلِحه. وإيّاك أن يكونَ ذلك بالخوف الشديد فتزيدهم نفورًا ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾[5] فإنّ النفوس مجبولة على حبّ من أحسن إليها.

سياسة

أيّها السيّد الكريم: ينبغي لك، بل هو آكد عليك، أن لا تضع شيئا في غير موضعه، ولا تُبْرِز شيئا إلّا في وقته المعهود عندهم، وإيّاك وخرق العادة، وعند مسيس الحاجة إليه ليكون القبول عليه أشدَّ، إذ العادة وفَّرَتِ الدواعي إلى ذلك الوقت لظهور ذلك الأمر المنتَظَر، مثل لو خرق الله العادة بنزول المطر في غير وقته واستدامة الصّحو في غير وقته، أدّى ذلك إلى القنوط والكفران، فهم مع الإحسان يبغون في الأرض، فكيف بالإساءة، وإن ظهر مثل هذا في سَنةٍ فلأمرٍ مّا وعَدْلٍ منه، ابحث عنه تجده. فتخلّق بهذه الأوصاف تكن لك السلامة دنيا وآخرة.

قال المؤلِّف – رضي الله عنه –: إذا هممتَ بأمرٍ فقل: «إن شاء الله»، كما قال –

---

[1] [الإسراء: ٣٧]

[2] [لقمان: ١٧]

[3] ش: وتسوسها.

[4] ك: تلقى.

[5] [آل عمران: ١٥٩]

کی اصلاح ہو، اِس غیر یقینی کی فضا اور تناؤ میں کمی آئے گی۔ بد عنوان اور فاسد پر صالح اور نیک کو نگران بنا، جو اِسے ٹھیک کرے۔ اور اصلاح انہیں ڈرا دھمکا کر نہیں ہونی چاہیے، نہیں تو یہ اور متنفّر ہوں گے ﴿یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ اِن پر نرم دل ہیں، اگر آپ تند مزاج یا سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو اِن سے درگزر کریں، اِن کے لیے استغفار کریں اور معاملات میں اِن سے مشورہ لیں﴾ کیونکہ محسن سے محبت نفوس کی جبلت میں ہے۔

سیاست

اے مکرم سردار! تجھے چاہیے، بلکہ یہ تجھ پر لازم ہے کہ ہر شے کو اُس کے اصل مقام پر رکھ، اور کسی شے کو اس کے معین وقت سے پہلے ظاہر نہ کر، خرقِ عادت سے پرہیز کر، اور ایسا صرف اُسی وقت کر جب اِس کی اشد ضرورت ہو تا کہ ہر کوئی اسے قبول کرے۔ کیونکہ فطرت نے تمام اسباب کو اِس مقررہ وقت کے لیے جمع کیا تا کہ یہ منتظر معاملہ ظاہر ہو، مثلاً اگر اللہ بے وقت بارش برسائے یا ہمیشہ ہی مطلع صاف رکھے تو یہ (عمل) ناامیدی اور کفران (نعمت) کی طرف لے جاتا ہے، ان کی حالت تو یہ ہے کہ اگر اِن کے ساتھ نیکی کی جائے تب بھی زمین میں فساد کرتے ہیں، اگر برائی کی جائے تو پتا نہیں کیا کریں گے؟ اگر اِس طرح کا کوئی واقعہ سالوں بعد کبھی رونما ہو تو کسی خاص وجہ اور اُس کے عدل سے ہوتا ہے، اِس پر غور کر تو اسے پالے گا۔[۳۳] اِن اوصاف سے آراستہ ہو، دنیا اور آخرت میں تیرے لیے سلامتی ہو گی۔

مؤلف کہتا ہے ـ اللہ اُس سے راضی ہو ـ: جب تو کسی کام کا ارادہ کر تو "ان شا اللہ"[۳۴] کہہ جیسے اللہ فرماتا ہے: ﴿کسی بارے میں کبھی یہ مت کہہ کہ کل میں ایسا کروں گا، لیکن اگر اللہ چاہے﴾ اور اللہ کے نام کی بلاوجہ قسمیں مت کھا ﴿اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو﴾

تعالى -: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَداً إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ﴾[١] ولا تتألَّ على الله ﴿وَلَا تَنْقُضُوا[٢] الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾[٣] ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾[٤] واحذر القُرَنَاءَ السَّوءَ؛ فإنّهم يأكلون درهمك ويقرّبون للنار لحمك ودمك. فلا تصحب إلّا خليلًا تجد معه الزيادة في دينك، فإن رأيت في صحبته النقص في ذلك[٥] فبئس القرين، وهو أكبر عدوٍّ لك، فاحترز منه في ملكك؛ فإنّه يكون سبب خرابه. وهذا القرين فيك هواك كما قال[٦]: «جاهد هواك، فإنّه أكبر أعداك[٧]» وقال - تعالى - : ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ﴾[٨] وهو أقرب الكفّار إليك؛ فاشتَغِلْ به، وإلّا اشتَغَل بك، فإنَّ السِّبَاع العادية تهدم بادية مملكتك، وتحرمك[٩] النعيم[١٠] الدائم، وهذا يهدم دينك.

أيّها السيّد الكريم: أَوْصِ وزيرك وحاجبك أن لا يُدْخِل عليك من الصفات الّتي هي حباياتك إلّا صفةً تتحقَّقُ فيها أنّها نتيجةٌ عن مقدّمتين صحيحتين ضروريّتين، وفرع عن أصلين كريمين مستقيمين. فإنّ من الصفات ما ترد عليك به[١١] النفس ممّا يُعْطِيها الهوىٰ لتَهْلِك بها، فتأتي إليك بها في أحسنِ صورةٍ تكون وباطنها

---

[١] [الكهف: ٢٣]

[٢] ل، م، ف، ش: تنقض.

[٣] [النحل: ٩١]

[٤] [النحل: ٩٤]

[٥] ي، ك، ش: دينك.

[٦] ف: قيل.

[٧] ك: أعدائك.

[٨] [التوبة: ١٢٣]

[٩] ي (في الحاشية بقلم آخر)، ك: وتحرمك. م: وتورثك. ف: وتفوتك.

[١٠] ل (في الحاشية): الغم.

[١١] ش: به عليك.

﴿اور اپنی قسموں کو آپس کی دغا بازی کا بہانہ مت بناؤ﴾ اور بُرے ساتھیوں سے بچ؛ کہ وہ تیرا مال کھاتے ہیں اور تیرے جسم کو آگ تک پہنچاتے ہیں۔ لہذا صرف ایسے مخلص دوست کی صحبت اختیار کر جس سے تو اپنے دین میں بہتری پائے، اگر اُس کی صحبت سے تجھے دین میں کمی محسوس ہو تو وہ بُرا ساتھی اور تیرا سب سے بڑا دشمن ہے، اپنی مملکت میں اِس سے اجتناب کر؛ کہ وہ اِس کی خرابی کا باعث ہو گا۔ تجھ میں تیرا یہ ساتھی تیری خواہش ہے جیسا کہ (کسی نے) کہا ہے: "اپنی خواہش سے جہاد کر کیونکہ یہی تیری سب سے بڑی دشمن ہے۔" اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اپنے نزدیکی کافروں سے قتال کرو﴾ یہی تیرا سب سے قریبی کافر ہے؛ اسے مشغول رکھ، نہیں تو یہ تجھے مشغول رکھے گی، کیونکہ وحشی درندے تیری غیر آباد مملکت کو تباہ و برباد کر کے تجھے دائمی نعمت سے محروم کرتے ہیں جبکہ یہ تیرے دین کو تباہ کرتا ہے۔

اے معزز سردار! اپنے وزیر اور دربان کو یہ وصیت کر کہ وہ صفات جو تیرے (اچھے بُرے) اعمال کا نتیجہ ہیں، اُن میں سے تیرے پاس اندر صرف وہی صفت بھیجیں جس کے بارے میں اُسے یہ یقین ہو کہ وہ دو درست ضروری مقدموں (یعنی کتاب و سنت) کا نتیجہ اور دو مستقیم کریم اصولوں (یعنی حس اور عقل) کی شاخ ہیں۔ کیونکہ تیری جانب نفس کی طرف سے بھیجی کچھ صفات خواہش کی پیداوار ہوتی ہیں، اور اِس کا مقصد تجھے تباہ و برباد کرنا ہوتا ہے، (نفس) انہیں تیرے سامنے بہترین صورت میں پیش کرتا ہے جبکہ اِن کا باطن اِس کے الٹ ہوتا ہے، حتی کہ اگر تو اِس بارے میں جانچ پڑتال کرے تو یہی پائے گا لہذا اپنا بچاؤ کر، جب یہ (نفس) تیرے پاس کوئی

ضدُّ ذلك، حتّىٰ إن اختبرتَ ذلك وجدتَ صحَّتَهُ فتحَفَّظ، فإذا جاءتك بصفةٍ ودَخَلَتْ عليك، فانظر سابقتها وعاقبتها بالأدلّة الواضحة الشرعيّة والعقليّة والعاديّة، واسْبُرْهَا في محكِّ النظر ومجاري الفكر، وزِنْهَا بمعيار العلم، وتفرَّسْ فيها ما تعطيك الأدلّة المنصوبة للفراسة، فإن كانت تُعْقِب خيرا فتَحَلّي بها، وإن كانت[1] خلاف ذلك فاقتلها؛ فتلك الصفة هي الّتي نبّهَنا رسول الله – صلّىٰ الله عليه وسلّم – عليها بقوله: «إيّاكم وخَضْرَاءَ الدِّمَنِ» فالشيء ضرورة إنّما يعقب بحسب أصله وإليه يرجع.

تنبيه

حافظ علىٰ ذاتك الشريفة الروحانيّة واعرف قدرها، ولأيّ شيء وُجِدَتْ، وما المراد منها، وإن أمكنك أن لا تُصَرِّفها في قيام وقعود وحركة وسكون وأشباه ذلك من جميع أفعالك إلّا عن أمر إلهي علوي[2] فتحقّق. كما قال الخضر: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾[3] ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾[4] ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾[5] وإيّاك وإنفاذ أمر في مُلكك[6] حتّىٰ تشاور فيه وزيرك، فإنَّ في مشاورتك إيّاه تَثْبُتُ مودّتك في قلبه، والمودَّةُ تورث الشّفقة، والشفقة تورث النُّصْح، والنصح يُورث العَدْل، وبالعدل بقاء المملكة. هكذا ينبغي أن تكون صفات الإمام وأحواله وإلّا يَهلك ويُهلك.

---

[1] ي، ك: كان.

[2] ي، ك: علوي إلهي.

[3] [الكهف: ٨٢]

[4] [الصافات: ٨٩،٨٨]

[5] [النجم: ٣]

[6] ف: مملكتك.

صفت لے کر آئے تو واضح شرعی، عقلی اور فطری دلائل سے اِس (صفت) کی سابقت اور عاقبت پر غور کر، اِسے نظر کی کسوٹی اور فکر کے دھارے پر پَرکھ، علم کے معیار پر اس کا وزن کر، اور جہاں تک فراست کے دلائل تیری رہنمائی کریں اِس میں غور کر۔ اگر تو اِس کا انجام بھلا پائے تو اِسے اپنا، لیکن اگر اِس کا انجام بُرا ہے تو اِسے مار ڈال؛ یہ وہی صفت ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے اس قول سے خبردار کیا: ''گندگی پر لگی جڑی بوٹی (یعنی ملعون دنیا) سے بچو'' کیونکہ ہر چیز لازماً اپنی اصل کی پیروی کرتی اور اُسی کی جانب لوٹتی ہے۔

حرف آگاہی

اپنی روحانی عالی ذات کی حفاظت کر اور اِس کی قدر پہچان کہ یہ کس لیے تخلیق ہوئی اور اس سے مراد کیا ہے؟ اگر ہو سکے تو اِسے اُٹھنے، بیٹھنے، حرکت، سکون اور اس طرح کے دیگر افعال میں علوی امر الٰہی پر چلا، جیسا کہ خضر نے کہا: ﴿میں نے یہ سب اپنی مرضی سے نہیں کیا﴾ اور جب (ابراہیم نے) ستاروں پر ایک نظر ڈالی تو کہا میں بیمار ہوں﴾ ﴿آپ تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں﴾ اپنی مملکت میں کوئی نیا حکم نامہ جاری کرنے سے پہلے اپنے وزیر سے مشورہ کر، کیونکہ مشورہ کرنے سے اُس کے دل میں تیری محبت پیدا ہو گی، اور محبت شفقت لاتی ہے، اور شفقت نصیحت لاتی ہے، اور نصیحت عدل لاتی ہے، اور عدل میں ہی مملکت کی بقا ہے۔ خلیفہ کو ان صفات اور احوال کا حامل ہونا چاہیے، نہیں تو وہ خود بھی ہلاک ہو گا اور (اس مملکت) کو بھی ہلاکت میں ڈالے گا۔

باب
لا يخلو الإمام أن يكون واحدًا من أربعة، وبالجود ظهر الوجود ودَام

قالت الحكماء: الملوك أربعة لا خامس لها: مَلِكٌ سخيٌّ على نفسه سخيّ على رعيّته، وملك لئيم على نفسه لئيم على رعيّته، وملك سخيّ على نفسه لئيم على[1] رعيّته، وملك لئيم على نفسه سخيّ على رعيّته. ولا يخلو مَلِكٌ مِن أحدِ هذه الأوصاف، كذلك هذا الخليفة لا يخلو من أحدها. ولم يزل العارفون بالله - تعالى[2] - على قديم الزمان يتتبّعون[3] أنفسَهُم بالنظر والاعتبار لتصحيح النسختين.

فنقول: ظهر لنا في الوجود الإنساني عِلمٌ، وهو مقام الجمع، وعملٌ وهو مقام التفرقة؛ وهو حدّ الكرسي، والأوّل حدُّ العرش. فيردّ الوتر إلى الكرسيّ الذي هو مَوضِع القدمين فيكتسبُ الشّفعيّة إلى الأرض، وهذا المُلك هو اللّيلة المباركة الّتي يُفْرَق فيها كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ.

فيا أيّها السيّد[4]: إن كنتَ صاحب علم وعمل؛ فأنت سخيّ على رعيّتك سخيّ على نفسك[5]، وإن كنت لا صاحب علم ولا عمل، فأنت لئيم على نفسك ورعيّتك، وإن كنت صاحب علم لا صاحب عمل، فأنت سخيّ على نفسك لئيم على رعيّتك،

---

[1] ش: لرعيّته.

[2] ش: - تعالى.

[3] ك: يُتبِعُونَ. ش: تتبَعُون.

[4] ف، ش: + الكريم.

[5] ش: سخي على نفسك سخي على رعيّتك.

باب
امام چار میں سے ایک ہوتا ہے
اور وجود کا ظہور و دوام جُود سے ہے

حکما کہتے ہیں: بادشاہ چار ہیں، ان کا پانچواں نہیں: ایک وہ بادشاہ جو خود پر بھی سخی ہے اور اپنی رعایا پر بھی سخی ہے۔ دوسرا وہ بادشاہ جو خود پر بھی بخیل ہے اور اپنی رعایا پر بھی بخیل ہے۔ تیسرا وہ بادشاہ جو خود پر تو سخی ہے لیکن اپنی رعایا پر بخیل ہے۔ اور چوتھا وہ بادشاہ جو خود پر تو بخیل ہے مگر اپنی رعایا پر سخی ہے۔ کوئی بادشاہ اِن چار اوصاف سے باہر نہیں، اِسی طرح یہ خلیفہ بھی ان سے باہر نہیں۔ زمانہ قدیم سے عارف باللہ ہستیاں اپنے نفوس پر غور و فکر کرتی آئی ہیں، کہ اِن دو نسخوں (یعنی ظاہر اور باطن) کو کیسے درست کیا جائے۔

ہم کہتے ہیں: وجودِ انسانی میں ہمارے سامنے علم -یعنی مقام جمع- اور عمل -یعنی مقام فرق- ظاہر ہوا، عمل حدِ کرسی ہے جبکہ علم حدِ عرش ہے۔ پس طاق کرسی کی طرف لوٹتا ہے جو کہ پاؤں رکھنے کی جا ہے، اور جفت زمین تک پہنچتا ہے۔ اور یہ مملکت وہ مبارک رات ہے کہ جس میں ہر پُر حکمت معاملے کا فیصلہ ہوتا ہے۔[۳۵]

اے سردار! اگر تو صاحبِ علم وعمل ہے؛ تو خود پر بھی سخی ہے اور رعایا پر بھی سخی ہے۔ اور اگر تو صاحبِ علم وعمل نہیں؛ تو خود پر بھی بخیل ہے اور رعایا پر بھی بخیل ہے۔ اگر تو صاحبِ علم ہے، صاحبِ عمل نہیں، تو خود پر تو سخی ہے البتہ اپنی رعایا پر بخیل ہے۔ اور اگر تو صاحبِ عمل ہے

وإن كنت صاحب عمل لا صاحب علم فأنت لئيم على نفسك سخيّ على رعيّتك.
وهُنا سرّ مُنِعْنَا عن كشفه، تركناه لأهل الأذواق والتحقيق، وانحصرت الأقسام.

ولعلّ معترضًا يقول نسلّم القسمين وهما قولك: صاحب علم وعمل؛ فإنّه العالم العامل، ولا صاحب علم ولا عمل وهو عكسُه، ولا نسلّم القسمين الآخرين. فنقول له: الأقسام صحيحة واضحة، وذلك أنّ الأرواحَ نعيمُها بالعلوم والمكاشفات، والأجسام نعيمها بالمحسوسات من المطعومات والمشمومات، وعذابهما[1] بأضداد هذه، فإذا سلَّمْتَ القسمين فيلزمك أن تسلّم القسمين الآخرين. وذلك أنّ الذي هو صاحبُ عمل لا صاحب علم، فإنّه المقلِّد؛ وهو صاحب عمل وليس لروحه علوم يلتذّ بها، إنّما هي مسجونة مقيّدةٌ بالنظر إلى ما يؤول إليه محلّها من نعيم الجنان، ولا نقول: إنّ هذا صاحب علم. وأمَّا القسم الآخر وهو صاحب علم لا صاحب عمل؛ فهو العالم المرتكب الشهوات والمسخَّرُ في المحرَّمات؛ فإنّ روح هذا متنعّم بما يُكشَف له من العلوم ورعيّتُه معذّبة بما ارتكبت من المحارم المؤدّية إلى دار البوار، فتدبَّر هذه الأقسام تَرَ الحكمة البالغة.

ثمّ لنا أن نُبيِّن ما نريده[2] بالسخاء واللؤم في هذا الموضع،[3] وفي حقّ هذا العالم المودَع في هذا الكتاب. فنقول: إنّ السخاء بذل الشيء عند الحاجة إليه من غير زيادة ولا نقصان، واللؤم منع الشيء مع الحاجة إليه[4]، فمن جاوز فقد أفرط، ومن قَصَّر فقد فَرَّط، وكلا طَرَفَي قَصدِ الأمورِ ذميم، وفي ذلك أقول:

جَـرَىٰ مَثَلٌ دَلَّ السَّماحُ مَعَ الحِجَىٰ   عَلَيــهِ عَلَىٰ مَـرِّ الزَّمَانِ قَدِيمُ

---

[1] ك: وعذابها. م: بلغ مقابلة.

[2] م: أردناه.

[3] ف: هذه المواضع.

[4] ي، ك: واللوم بذل الشيء من غير حاجة إليه.

صاحبِ علم نہیں، تو خود پر بخیل ہے مگر اپنی رعایا پر سخی ہے۔ یہاں ایک راز ہے جسے کھولنے سے ہمیں روک دیا گیا، ہم اِسے اہل اذواق اور تحقیق کے لیے چھوڑتے ہیں، اقسام مکمل ہوئیں۔

اعتراض کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے: ہم پہلی دو قسموں کو تو مانتے ہیں جو تیرا یہ کہنا ہے صاحب علم و عمل ہونا؛ کیونکہ یہ عالم بھی ہے اور عامل بھی، اور صاحبِ علم وعمل نہ ہونا، جو اس کے الٹ ہے، لیکن آخری دو قسموں کو نہیں مانتے۔ ہم اسے کہیں گے: یہ اقسام واضح اور صحیح ہیں، وہ اِس طرح کہ ارواح کا نشاط علوم اور مکاشفات میں ہے جبکہ اجسام کا مزہ محسوسات میں ہے جیسے (لذیذ) کھانے اور خوشبوئیں، اور اِن دونوں کو اِن کے الٹ چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تو نے پہلی دو اقسام مان لیں تو تجھے دوسری دو اقسام بھی ماننی پڑیں گی۔ کیونکہ جو صاحبِ عمل ہے اور صاحب علم نہیں، وہ مقلد ہے؛ وہ عمل تو کرتا ہے لیکن اس کی روح علوم سے لذت نہیں پاتی، اُس کی روح تو غور و فکر نہ کرنے کے باعث -جو اس کے لیے لذت کا باعث ہے- حراست اور قید میں ہے، ہم ایسے شخص کو صاحب علم نہیں کہہ سکتے۔ جہاں تک آخری قسم کا تعلق ہے یعنی صاحبِ علم تو ہے پر صاحبِ عمل نہیں؛ تو یہ ایسا عالم ہے جو شہوات کا مرتکب اور محرمات کے زیر تصرف ہے؛ بیشک اس کی روح تو اِس عیاں علم کی وجہ سے لذت پاتی ہے، لیکن اِس کی رعایا (یعنی اعضا) اِن حرام کاریوں کے باعث جہنم رسیدہ ہوں گے۔ اِن اقسام پر غور کر تجھے بالغ حکمت نظر آئے گی۔

ہم یہ بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اِس جگہ اور اِس کتاب میں بیان کردہ عالم کے بارے میں سخاوت اور بخل سے ہماری مراد کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں: سخاوت: کسی چیز کا اُس کی ضرورت کے مطابق -کمی اور زیادتی کے بغیر- عطا کرنا ہے۔ جبکہ بخل: کسی شے کی ضرورت ہوتے ہوئے بھی عطا نہ کرنا ہے، لہٰذا جس کسی نے زیادتی کی اُس نے افراط کیا، اور جس نے کمی کی اُس نے تفریط کی، اور کسی درمیانی معاملے کی دونوں انتہائیں قابل مذمت ہوتی ہیں،[۳۶] اس بارے میں میرا کہنا ہے:

"قدیم زمانے سے ایک مثال بیان کی جاتی ہے جس پر روایت کے ساتھ ساتھ عقل بھی دلالت کرتی ہے؛ جب تو کچھ کرنا چاہ تو درمیانی معاملہ اپنا کیونکہ کسی معاملے کی دونوں انتہائیں قابل مذمت ہوتی ہیں۔"[۳۷]

تَوَسَّطْ إِذَا مَا شِئْتَ أَمْـرًا فَإِنَّـــهُ كِلَا طَـرَفَي قَصْدِ الأُمُورِ ذَمِيمُ

فقف - رحمك الله - عند هذا الحدِّ. فظاهر الخليفة عَمَلٌ وباطنه علمٌ، وظاهره حدٌّ وباطنه مُطَّلَعٌ. والرعيّة على قسمين: بادية وحاضرةٌ. فالبادية: عالم الشهادة المنفصل في حقّ المتبوع المحمّدي. والحاضرة على قسمين: خواصّ وعوامّ. فالعوامّ: عالم الشهادةِ المتّصل؛ وهي البادية في حقّ غير المتبوع. والخواصّ على قسمين: عالَم العقل وعالم النفس. فعالم النفس ينقسم قسمين: مطيع وعاصٍ. فالمطيع: يُسمّىٰ عالم الجبروت، وعالم النفس على الجملة هو البرزخ عندهم. والعاصي: هم أعداء هذه المدينة الذين ذكرناهم.

وعالم العقل على قسمين: محجوب وغير محجوبٍ. فأصحاب الأوصاف؛ محجوبون، وهم عالم الملكوت؛ أصحاب المقامات، قال الله - تعالىٰ -: ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ﴾[1] وغير المحجوب: هم أصحاب السَّلْب، عَرائِس الله المخَبَّئون عنده في خزائن غيوبه، حجبهم غيرةً عليهم، حتّىٰ لا يعرفهم سِوَاهُ، كما لا يعرفون إلّا إيّاه، وهم في المقام الذي يُعَبِّر عند المحقّقون[2] «بالفناء الثالث، المحق الكلّي» وهم خواصُّ هذه المدينة. فانظر في هذه الأقسام تَرشُد إن شاء الله.[3]

يا أيّها السيّد الكريم[4]: إذا تحقّقتَ هذا فابذُل لكلّ عالمٍ ما يحتاج إليه على حسب ما حددتُ لك آنفًا، وكذلك لنفسك فتكون في المقام المحمّدي؛ صاحب علم وعمل، وهو الكمالُ. والسخاءُ كلّ السخاءِ الزُّهدُ فيما في أيدي الناس، فما أحبَّتْ رعيّة مليكها حتّىٰ زهِد فيما عندها، والسخاء يُورِث المحبّة، والمحبّة تُورِث القربة، والقربة تورث الوصلة، والوصلة تورث الجمع.

[1] [الصافات: ١٦٤]

[2] ل، م، ف: يعبر المحققون عنه.

[3] ف: + تعالىٰ.

[4] ش: - الكريم.

اللہ تجھ پر رحم کرے اِس حد پر ٹھہر جا۔ خلیفہ کا ظاہر عمل جبکہ اِس کا باطن علم ہے، اس کا ظاہر حد (یعنی قید) اور اس کا باطن مطّلَع (یعنی کشف) ہے۔ اور رعایا کی بھی دو اقسام ہیں: ۱- غیر آباد، ۲- آباد۔ محمّدی متبوع کے حق میں یہ غیر آباد عالم شہادتِ منفصل ہے۔ اور آباد کی مزید دو اقسام ہیں: ۱- خواص، ۲- عوام۔ عوام عالم شہادتِ متّصل ہیں؛ غیر متبوع کے حق میں یہ غیر آباد ہیں۔ خواص کی بھی دو اقسام ہیں: ۱- عالم عقل، ۲- عالم نفس۔ عالم نفس کی مزید دو اقسام ہیں: ۱- فرمانبردار، ۲- نافرمان۔ فرمانبردار: عالم جبروت کہلاتے ہیں، اور جملہ عالم نفس ان کے نزدیک برزخ ہے۔ جبکہ نافرمان اِس شہر کے دشمن ہیں اور اِن کا ذکر ہم کر چکے۔

عالم عقل کی بھی دو اقسام ہیں: ۱- محجوب، ۲- غیر محجوب۔ اصحابِ اوصاف محجوب ہیں، اور یہی (اہل) عالم ملکوت ہیں؛ یعنی اصحابِ مقامات، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ہم میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے﴾ جبکہ غیر محجوب: اصحابِ سلب[۳۸] ہیں، یہ اللہ کے مستور بندے ہیں جو اِس کے غیوب کے خزانوں میں پنہاں ہیں، اُس نے انہیں غیرت سے چھپائے رکھا تاکہ انہیں اُس کے سوا کوئی نہ جانے، جیسا کہ یہ بھی اُس کے سوا کسی کو نہیں جانتے، یہ ایسے مقام میں ہیں جسے محققین "تیسری فنا اور (آثار) کا مکمل مٹ جانا" کہتے ہیں، یہی اِس شہر کے خواص ہیں۔ ان اقسام پر غور کر، تیری رہنمائی ہوگی ان شا اللہ۔

اے معزز سردار! جب تو یہ سب حقیقتاً جان گیا تو ہر ایک- اور اپنے نفس- کو وہ چیز دے جس کا وہ محتاج ہے، اُسی حساب سے جو میں نے تجھے ابھی بتایا، یوں تو مقامِ محمدی پر فائز ہوگا؛ یعنی صاحبِ علم و عمل ہوگا، جو کہ کمال ہے۔ اور سخاوت؛ سب سے بڑھ کر سخاوت تو ہر اُس (شے) سے بے رغبتی دکھانا ہے جو لوگوں کے ہاتھ ہے، رعایا اپنے بادشاہ سے صرف اُسی وقت محبت کرتی ہے جب وہ اُن کے مال و متاع سے بے رغبتی دکھائے، سخاوت محبت پیدا کرتی ہے، اور محبت قربت لاتی ہے، قربت باعث وصل ہے، اور وصل ایک ہو جانے کا نام ہے۔

وهنا إشارة مصوُنة[1] تحت حجاب الغيرة، فكذلك ينبغي لك أن تزهد في جميع أفعالك وأقوالك واعتقاداتك، وتبني البيت وتوقد السراج، وتضرب الستارة، وتُبرزُ الصّور، تبدو لك الحكمة الإلهيّة، وتلوح لك الحقائق على ما هي عليه. وموضع هذا من الكتاب العزيز: ﴿وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾[2] فكما أنّ الإنسان إذا ترك ما للناس عند الناسِ أحبَّهُ الناس، كذلك إذا تركتَ ما لله عند الله، ولم تطمع فيه، ولا أضفت شيئا إلى نفسك من جميع أفعالك؛ كنت على الحقيقة زاهدًا، وعلى التوحيد راشدا. فاسْعَ في اكتساب هذه الأوصاف تكن من أهل الاتّصاف.[3]

وقديما خبرتُ[4] الناسَ في أوطاننا وأوطانهم، فلم أر لديهم أعظمَ قدرًا ولا أكبرَ خَطَرًا ولا أجلَّ في نفوسهم من رجل طال صَمْتُه وقَلَّ كلامه، وإن تكلّم بالحكمة فإنّ القِلَّة منها أحسن من الكثرة، وأقبل لنفوسهم حذر السَّآمة، وهو حدُّ السخاء المتقدِّم. وقد كان رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم - يتخلّل[5] أصحابه بالموعظة مخافة[6] السآمة عليهم، وكذلك ينبغي للوارثين أن يكونوا.

وكذلك لم أر أعظَمَ عندهم[7]، وأجلّ في نفوسهم، وأحبَّ إليهم من رجل زهِد فيما في أيديهم[8] واحتجب عنهم، ولم يظهر لهم إلّا عندما يَعرف أنّ الحاجة قد مسَّتْهم للنَظَر إليه، فحينئذ تظهر لهم على ما قدّمتُ لك في أوّل الباب؛ فكلّ شيء نورده في

[1] ي، م، ش: مضمونة

[2] [الصافات: ٩٦]

[3] ش: الإنصاف.

[4] ش: وقد اختبرت.

[5] ك: يتخول.

[6] ف: خوف.

[7] ك، ف: عندهم أعظم.

[8] ف: أيدي الناس.

یہاں حجابِ غیری کے تحت ایک مخفی و محفوظ اشارہ ہے، اسی طرح تجھے چاہیے کہ اپنے تمام افعال، اقوال اور اعتقادات میں زہد اپنا، گھر بنا، چراغ جلا، پردے لٹکا، صورتوں کو ظاہر کر، تجھ پر حکمتِ الٰہی ظاہر ہو گی،[۳۹] تجھ پر حقائق ویسے نمایاں ہوں گے جیسے وہ حقیقتاً ہیں۔ کتابِ عزیز میں اس کی آیت یہ ہے: ﴿اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے﴾ جیسے انسان لوگوں کی چیزوں سے رغبت نہ رکھے تو وہ اِس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اِسی طرح اگر تو اللہ کا سب کچھ اللہ کے حوالے کرے، اور اِس میں طمع نہ رکھے، اپنے تمام افعال میں سے کسی فعل کی اضافت اپنی طرف نہ کرے؛ تب تو حقیقتاً زاہد، اور توحید میں راہ ہدایت پر ہو گا۔ لہذا اِن اوصاف کے حصول کے لیے کوشاں رہ تو اہلِ اتصاف میں سے ہو گا۔

میں مختلف علاقوں میں لوگوں کو آزماتا آیا ہوں، میں نے اِن کے نزدیک سب سے بڑھ کر اہمیت اور درجے والا، اُن کے نفوس میں عظمت اور بزرگی والا وہی شخص پایا جو زیادہ خاموش رہے اور کم بات کرے، جب بات کرے تو پُر حکمت کرے، کیونکہ مختصر بات تفصیل سے بہتر ہے، یہ دلوں تک پہنچتی ہے اور اس سے نفوس نہیں اکتاتے، یہی سخاوت کی اگلی حد ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو اِس طرح سے گھل مل کر نصیحت کرتے تھے، کہ کہیں وہ اکتا نہ جائیں، وارثین (نبوت) کو بھی یہی طرزِ عمل اپنانا چاہیے۔

اسی طرح میں نے دیکھا کہ لوگ اسی شخص کی عظمت کو مانتے ہیں، وہی ان کے دلوں پر راج کرتا ہے، اور وہی انہیں سب سے بڑھ کر محبوب ہوتا ہے جو ہر اُس شے سے بے رغبتی دکھائے جو اِن کے پاس ہے، جو اِن سے چھپے، صرف اُسی وقت اِن کے سامنے آئے جب اُسے یہ معلوم ہو کہ اَب وہ اس کے دیدار کے پیاسے ہیں، اُسے صرف اِسی وقت اُن کے سامنے آنا

ذلك المقام قُبِلَ لتعطّش النفوس إليه، فإن أقبلوا عليك بشيء من دنياهم، فارغب عنها ورُدَّهم[1] على فقرائهم، فإن أبوا إلّا بواسطتك فخذ[2] منهم وادفَعْ[3] لفقرائهم على علم منهم بذلك. هكذا تكون حالة الإمام، وبها يَعْظُم عند أهل مملكته.

[1] ش: ورده.

[2] ف: فخذه.

[3] ف، ش: وادفعه.

چاہیے جیسا کہ میں نے اِس باب کے شروع میں بتایا؛ اِس مقام پر (لوگوں کو) جو کچھ بھی پیش کیا جائے گا وہ قبول کریں گے کیونکہ نفوس اس کے پیاسے ہیں، اگر وہ اپنی دنیا میں سے تجھے کچھ پیش کریں تو اس سے بے رغبتی دکھا[40] اور یہ سب ان کے فقیروں کو دے دے، اگر وہ کہیں کہ آپ دیں تو خود ایسا کر کہ اُن کے سامنے اُن سے لے کر انہی کے فقرا میں بانٹ دے۔[41] امام کو ایسا ہی ہونا چاہیے، اور اسی طریقے سے وہ اہل مملکت میں مرتبہ پا سکتا ہے۔

الباب السادس في العدل
وهو قاضي هذه المدينة القائم بأحكامها

أيّد الله السيّد الهُمامَ الأعدلَ الأكملَ، ينبغي لك إن أردت بقاءَ مُلكك عليك، والظّفر بأعدائك، أن يكون مُتَوَلِّيَ أحكام رعيّتك ومنفّذ قضاياك؛ العدل؛ فإنّه -أبقاهُ الله عليك - ما ولي مدينةً قطّ ولا مملكةً إلّا ظهرت فيها البركة، ونمتِ الأرزاق، وعمّت الخيراتُ جميعها، وهو موجودٌ محمودٌ محبوبٌ على ممرّ الدهور والأعصار، وهو الميزان الموضوع في الأرض، وبه يكون الفصل في العرض الأكبر بين العباد، وهو الحاكم في ذلك اليوم، وهو المأمور به شرعًا، وإنّ المُلكَ جسدٌ روحُه العدل، ومتى لم يكن العدل خرب الملك.

وكانتِ الحكماءُ تقول: «عَدْل السلطان أنفع للرعيّة من خصب الزمان». وقد أمر الله - تبارك وتعالى - عباده، فقال: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾[1] وذمّ من لم يَتَّصف به ولا جعله حاكما عليه، فقال: ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ، الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ، وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ، أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ﴾[2]

وقال لقمان لابنه: ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾[3] وقال - تعالى -: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾[4] وهو العدل، وقال -

---

[1] [النحل: ٩٠]

[2] [المطففين:١-٥]

[3] [لقمان: ١٩]

[4] [الإسراء: ١١٠]

چھٹا باب عدل کا بیان
یہ اِس شہر کا قاضی ہے، اور یہ شہر اِس کے احکام سے قائم ہے

اللہ اس سید سخی عادل اور کامل (امام) کی مدد کرے! اگر تو اپنی اِس مملکت کی بقا اور اپنے اعدا پر فتح یابی چاہتا ہے تو تجھے چاہیے کہ تیری رعایا کے احکام کا متولی اور تیرے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے والا عدل ہی ہو؛ کیونکہ یہ عدل - اللہ تجھے اِس پر باقی رکھے - جب کسی شہر یا مملکت کی باگ دوڑ سنبھالتا ہے تو اُس میں برکت کا ظہور ہوتا ہے، رزق بڑھ جاتا ہے، اور ہر طرف خیر کا دور دورہ ہوتا ہے۔ یہ (عدل) صدیوں سے قابل تعریف اور قابل محبت موجود ہے، یہ زمین میں رکھا گیا میزان ہے، اور اِسی سے روز قیامت لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا، اُس روز بھی یہی حاکم ہوگا، اور شرعاً بھی اِسی کا حکم ہے۔ بیشک مملکت ایک جسد ہے جس کی روح عدل ہے، اگر عدل نہ ہو تو مملکت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

حکما کہا کرتے تھے: "بادشاہ کا عدل رعایا کی وقتی خوشحالی سے بہتر ہے۔" اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے﴾ اور جو لوگ عدل نہ اپنائیں، اور خود پر اِسے حاکم نہ بنائیں تو اُن کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے، جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں، کیا یہ نہیں سوچتے کہ مرنے کے بعد ان سے حساب کتاب لیا جائے گا﴾

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ﴿اپنی چال میں میانہ روی اپنا اور اپنی آواز کو پست کر﴾ اور اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿نہ تو اپنی نماز بہت اونچی آواز سے پڑھ اور نہ ہی آواز پست کر بلکہ ان کے درمیان والا راستہ اختیار کر﴾ جو کہ عدل ہے، اور وہ متعال فرماتا ہے: ﴿نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لے اور نہ ہی اِسے کھلا چھوڑ دے﴾

تعالى -: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾[1]

وقال - صلّى الله عليه وسلّم - لأبي بكر: «ارفع مِن[2] صوتك ولعمر اخفض» رضي الله عنهما، ومنه فِعله - صلّى الله عليه وسلّم - وقد انقطعت إحدى نعليه، فنزع الأخرى ومشى حافيًا حتّى يعدل في أقدامه، وعليه أنشأه الله وصوَّرَهُ.

ومِن وصايا بعض الحكماء: «لا تكن حُلْوًا فتسترط، ولا مُرًّا فتعقى». فالعَدْل سارٍ في جميع الأشياء، فاجعل العدل حاكما على نفسك وأهلك ورَجْلك وخَوَلِك وعبيدك وأصحابك، وجميع من توجَّه عليه حكمك، وفي كلامك وفعلك ظاهرا وباطنا.[3]

---

[1] [الإسراء: ٢٩]

[2] ي، ك: - من.

[3] م: بلغت قراءة.

حضور اکرم ﷺ نے ابو بکر سے کہا: "اپنی آواز تھوڑی بلند کیجئے جبکہ عمر سے کہا: آواز پست کیجئے" اللہ ان دونوں سے راضی ہو، اِسی طرح آپ ﷺ کا عمل؛ جب آپ کا ایک جوتا ٹوٹ گیا تو دوسرا بھی اتار دیا اور ننگے پاؤں چلنے لگے، تاکہ چال میں برابری ہو، اِسی اعتدال پر اللہ نے آپ کو تخلیق کیا اور صورت بخشی۔

بعض حکما کی وصیت ہے: "نہ اتنا میٹھا بن کہ نگل لیا جائے اور نہ ہی اتنا کڑوا کہ تھوک دیا جائے۔" عدل تو ہر چیز میں ہے، لہذا عـدل کو خود پر، اپنے اہل وعیال پر، اپنے مردوں، غلاموں، لونڈیوں، اپنے ساتھیوں اور ہر اُس شے پر حاکم بنا جس پر تیرا حکم چلتا ہے، اِسی طرح اپنی بات چیت اور اپنے ظاہری باطنی افعال پر بھی۔

الباب السابع
في ذكر الوزير وصفاته[1]، وكيف يجب أن يكون

جرىٰ التدبير الربّاني الحكمي في العادة أن لا يستقيمَ أمرُ مليكٍ في مُلكهِ[2] إلّا بوزير يُدَبِّره، يكون واسطةً بين المالك والمملوك. فكذلك اقتضت الحكمة، لمّا أبرزنا هذا الخليفة المذكور، أن نجعل له وزيرًا يُسمَّىٰ عقلا، وعليه يتوجّه الخطاب من الله - تعالىٰ - إذ هُوَ مدبّر المملكة. قال الله - تبارك وتعالىٰ -: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾[3] و﴿لِأُولِي النُّهَىٰ﴾[4] ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾[5] أي عقل.

فأوجد الله - سبحانه - لهذا الإمام هذا الوزير الذي يُقال له العَقْل، وإنّما سُمّي عقلا لأنّه يعقل عن الله - تعالىٰ - كلَّ ما يلقي إليه. وهو علىٰ المملكة كالعقال علىٰ الدابّة يحفظها حذر الخراب[6]، ولهذا سمّاه عقلا، واصطفاه له وزيرًا فعيلا، يحتمل أن يكون من الوِزْرِ والوَزَرِ، وكلاهما موجود فيه. فإن كان الوِزْر الذي هو الثِقل فإنّه حاملٌ أثقال المملكة وأعبائها، وإن كان من الوَزَرِ الذي هو الملجأ فإنّه يُلجأ إليه في جميع الأشياء؛ إذ هو لسان الخليفة، والمُنَفِّذ عنه أوامره.

فلهذا المعنىٰ صحَّ عليه اسم الوزارة لمّا لم يكن أيضا بُدٌّ من وجودِ معنىٰ هذا اللفظ. وهو موجودٌ عجيبٌ ومخترَعٌ لطيفٌ، أوجده الباري في ثاني مقامٍ من الإمام،

---

[1] ف: صفته.

[2] ي، ك: ملكٍ.

[3] [آل عمران: ١٩٠]

[4] [طه: ٥٤]

[5] [ق: ٣٧] ي، ش، ك: + أو ألقىٰ السمع.

[6] ي، ك: الحران.

ساتواں باب
وزیر اور اُس کی صفات کا بیان، اور اُسے کیسا ہونا چاہیے

پُر حکمت ربانی تدبیر عادتاً اس طرز پر جاری ہے کہ کسی بادشاہ کی بادشاہت وزیر کے بغیر ادھوری ہے، جو اِس (مملکت) کا نظم و نسق سنبھالے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ بنے۔ اسی لیے جب ہم نے اِس مذکور خلیفہ کو ظاہر کیا تو حکمت کا تقاضا تھا کہ ہم اِس کا ایک وزیر بھی بنائیں جس کا نام عقل ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب اسی کی طرف آئے کہ یہی مملکت کا انتظام سنبھالتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک اِس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴾ اور ﴿عقل مندوں کے لیے﴾ ﴿بے شک اِس میں اُس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو﴾ یعنی عقل ہو۔

پس اللہ سبحانہ نے اِس امام کو یہ وزیر عطا کیا جسے عقل کہا گیا، اِسے عقل اِس وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے القا کی جانے والی ہر بات کو مضبوط باندھ لیتی ہے، یہ مملکت کے لیے ویسے ہی ہے جیسے جانور کی وہ رسی جو اِس کی حفاظت کرتی ہے کہ کہیں یہ چوری نہ ہو جائے، اِسی لیے اِس کا نام عقل رکھا، اور اِسے (خلیفہ) کا سرگرم وزیر بنایا، یہ لفظ وِزْر یا وَزَر سے ہوسکتا ہے کیونکہ یہ دونوں معنی اِس میں موجود ہیں۔ اگر یہ ''وِزر'' بمعنی ثِقل یعنی بوجھ اٹھانے سے ہے تو (وزیر) مملکت کے بھاری بھرکم بوجھ اور ذمہ داریاں اٹھاتا ہے، اور اگر یہ ''وَزَر'' بمعنی ملجأ یعنی جائے پناہ سے ہے تو ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے؛ کہ یہ خلیفہ کا ترجمان اور اس کے احکام پر عمل درآمد کرواتا ہے۔

اسی لیے تو اس کے لیے اسم وزارت درست ہے کیونکہ یہ ان معانی کو خود میں سموئے ہے۔ یہ عجیب موجود اور لطیف ایجاد ہے، باری تعالیٰ نے اِسے امام کے دوسرے درجے میں پیدا کیا، اور خلیفہ سے اِس کی حیثیت ویسی رکھی جیسی چاند کی سورج سے ہے، اُن لوگوں کی رائے میں جو

وأنزله من الخليفة منزلة القمر من الشمس على مذهب من يقول بالاستمداد. ولهذا تراهُ عند حضور المَلِكِ وتجلّيه ليست له تلك الصّولة ولا يُبْصَر لأنَّ الأمر هناك صادر عن الإمام بارتفاع الوسائط، وهيبة المشاهدة عظيمة، وحَظُّها من كتاب الله قوله - تعالى -: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لله الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[1]

وفي وقتِ الحجاب وقعتِ الدعاوى[2]، نعوذ بالله من حجاب الدعوى، فمتى احتجب الخليفة كان للوزير الظهور وإنفاذ الأوامر، والإعطاء والمنع؛ إذ هو لسان الخليفة والمترجِم عنه، وهذا موجودٌ في سرِّ روحانيّة القمر والشمس. ألا ترى القمر إذا حصل في قبضة الشمس ليس له نورٌ ولا ظهورٌ، لاستيلاء الشمس عليه، فإذا كانت الليالي البيض كان له الظهور التامّ بمغيبِ الشمس عن مرأى[3] أعين الناظرين؛ فالقمر في ذلك الوقت يُشاهد الشمس، والعالم والناس لا يشاهدون إلّا القمر، وَهذا سرّ عجيب.

وهذا بابٌ عظيم، للحقائق فيه مجال وانفساح، ولأرباب القلوب فيه اعتبارٌ بيّن اندماجٍ واتّضاح؛ لأنّ الحكمة غريبةٌ في إبداره على قدر سِرَاره، ثلاث بثلاث، وقد ذكرنا هذا السرّ في غير هذا الموضع مستوفىً في «كتاب المثلّثات» لنا وحظّه من الكتاب العزيز: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ﴾[4]

وكان شيخنا أبو مدين[5] - رضي الله عنه - ما حصل له من سرِّ الوجودِ عند التجلّي المحمّدي إلّا مقام ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ولهذا كان يُصَرِّح بأنّ سورته من القرآن:

---

[1] [غافر: ١٦]

[2] ف: الدعوى.

[3] ل، ي، ك، ش: - مرأى.

[4] [الناس: ١-٣]

[5] ل، م: أبا مدين.

استمداد (یعنی طلبِ امداد) کے قائل ہیں۔ اسی لیے تو دیکھتا ہے کہ بادشاہ کی موجودگی میں اِس کا وہ رعب اور دبدبہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اِس کی طرف نظر کی جاتی ہے، کیونکہ ایسے موقع پر امام بغیر واسطوں کے براہ راست حکم صادر کرتا ہے، مشاہدے کی ہیبت بڑی عظیم ہے، کتاب اللہ میں اِس کا حصہ اُس کا یہ قول ہے: ﴿آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ الواحد القہار کی﴾

سب دعوے تو حجاب کے وقت ہوتے ہیں،[42] دعوے کے حجاب سے اللہ کی پناہ، جب خلیفہ اوجھل ہوتا ہے تو وزیر کو ظہور، حکم کے نفاذ، عطا اور منع کا اختیار حاصل ہوتا ہے؛ کیونکہ وزیر ہی خلیفہ کی زبان اور ترجمان ہے، یہ راز چاند اور سورج کی روحانیت میں بھی موجود ہے۔ کیا تونے چاند کو اُس وقت دیکھا ہے جب وہ سورج کی گرفت میں ہوتا ہے، کہ نہ اِس کا نور ہے اور نہ ہی ظہور، کیونکہ اِس پر سورج کا غلبہ ہے، لیکن چاندنی راتوں میں جب سورج نظروں سے اوجھل ہوجائے تو یہ اپنے جوبن پر ظاہر ہوتا ہے؛ اُس وقت چاند سورج کو دیکھ رہا ہوتا ہے جبکہ زمین اور لوگ صرف چاند کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، یہ ایک بڑا ہی عجیب راز ہے۔

یہ ایک عظیم باب ہے، اور حقائق کے لیے اِس میں بہت گنجائش ہے، ارباب قلوب کے لیے اس میں وضاحت اور ابہام کے نتائج ہیں؛ کیونکہ اِس کے بڑھنے کی حکمت اُس کے گھٹنے کے حساب سے ہے، تین کی لیے تین، ہم نے یہ راز اِس کتاب کے علاوہ اپنی کتاب "المثلثات" میں وضاحت سے بیان کیا ہے، کتاب اللہ میں اِس کا حصہ یہ ہے: ﴿کہہ دو کہ میں لوگوں کے رب، لوگوں کے مالک اور لوگوں کے معبود سے پناہ مانگتا ہوں﴾

ہمارے شیخ ابومدین رضی اللہ عنہ کو سرِ وجود میں سے تجلیٔ محمدی سے مقام ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ حاصل ہوا، اِسی لیے وہ صراحتاً یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ان کی سورت ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ سورہ ملک ہے۔ مقام ﴿الٰہ الناس﴾ قطب سے مخصوص ہے، اِسی لیے ابومدین دنیا میں موجود دواماموں میں سے ایک تھے۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾[1] ومقام ﴿إِلَٰهِ النَّاسِ﴾ انفرد به القطب، ولذلك كان أبو مدين أحدَ الإمامين الموجودين في العالم.

ثمّ نرجع ونقول: فلمّا أبدع بِنْيَتَهُ وسوَّىٰ جوهريّته، أودع فيه حُسنَ التدبير والسياسة، وجميع الأمور اللائقة بالمملكة من مقامِهِ إلىٰ أدنىٰ موجودٍ من رعيّته، وعلىٰ هذا المهيَع وردت الشرائع. ثمّ نقش - سبحانه وتعالىٰ - جميع العلوم في جوهرة[2] ذاته، فصار محَلًّا للعلوم مع أنّه لا يدري أين يُصرِّفها، ولا الحالات الّتي يُصرّفها فيها، وذلك حكمةٌ منه - تعالىٰ - ليكون مضطرًا إلىٰ الخليفة كما فعل بالخليفة فيما تقدَّم، عارفًا بنفسه وقدره، وعارفًا بمخدومه الذي أوجده من أجله.

ثمّ أقعد - سبحانه - الخليفةَ علىٰ عرش الوحدانيّة وردَّاهُ برداء الفردانيّة، وحلَّاه بالصفات الإلهيّة، فاكتسىٰ من الإجلال والهيبة والعظمة، ما لو ظَهَر لعالم الشهادة منها مقدار سَمَّ الخياط لبهرهم، وصعقوا[3] من حينهم، وسُلِبوا عن نفوسهم. وهذا مقام الخليفة! فكيف بنا بمشاهدة الحقّ - سبحانه - في دار الكرامة. فانظر - وفّقك الله - ما أعظم هذه القوة[4] العجيبة الّتي يؤيّدنا الله بها في إدراكنا عند النظر إليه - جلَّ جلاله - في الدار الآخرة.

فلمّا قام[5] الخليفةُ في هذا المقام أدخَلَ عليه العقلَ. فلمّا دخل عليه تجلَّتْ[6] صورة العقل في جوهريّته في ذات الخليفة، فلاحت له الأسرار والعلوم المنقوشة فيه. والناس يغلطون في هذا المقام، فيطلبون من خارج ما هو فيهم، فيتعَبُون ولو وَقفوا عند قوله

---

[1] [الناس: ١-٣]

[2] م، ف: جوهر.

[3] ي: ضعفوا. ف: لصعقوا.

[4] ي، ك، ش: القدرة.

[5] ف: + هذا.

[6] ل، ف، م، ش: + له. ف: فلما أدخل عليه تجلت له صورة العقل.

ہم اپنی بات کی طرف واپس لوٹتے اور کہتے ہیں: جب اُس نے عقل کا ڈھانچہ بنایا، اس کے جوہر کو سیدھا کیا تو اِس میں حُسنِ تدبیر اور سیاست کو رکھا، اور تمام وہ امورِ مملکت جو وزیر سے لے کر رعایا کے ادنیٰ ترین موجود کے لائق ہوں اس میں موجود ہیں، شرائع کا وُرود بھی اسی واضح راستے پر ہوا۔ پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ تمام علوم اُس کی ذات کے جوہر میں نقش کیے، اور یہ اِن علوم کی جا بن گئی، مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ انہیں کیسے استعمال میں لائے، اور نہ ان حالات سے واقف تھی جو اس میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ یہ اس متعال کی حکمت تھی تا کہ یہ عقل ہمیشہ خلیفہ (یعنی روح) کی محتاج رہے۔ جیسا کہ اُس نے خلیفہ کے ساتھ کیا جس کا ذکر ہو چکا۔ اپنی قدر و منزلت اور اپنے مخدوم کو پہچانے جس کے لیے اُسے تخلیق کیا گیا۔

پھر اس سبحانہ نے خلیفہ کو عرشِ وحدانیت پر بٹھایا، اُسے ردائے فردانیت اوڑھائی، اِسے صفاتِ الٰہیہ سے متّصف کیا، اِس نے عزت، ہیبت اور عظمت کا ایسا لباس پہنا کہ اگر عالم شہادت میں (ان صفات کی) سوئی کے نکے کے برابر مقدار بھی ظاہر ہو جائے تو انہیں خیرہ کر دے، وہ فی الفور غش کھا کر گر پڑیں اور اپنا آپ بھلا دیں۔ یہ تو خلیفہ کا مقام ہے! دارِ کرامت یعنی جنت میں حق سبحانہ کے مشاہدے کے وقت ہمارا کیا حال ہو گا؟ اللہ تجھے توفیق دے، غور کر کہ وہ قوت کس قدر عظیم اور عجیب ہو گی جو اللہ تعالیٰ ہمیں دارِ آخرت میں اپنی طرف سے دے گا، جس سے ہم رب کا دیدار کر سکیں گے؟

جب خلیفہ اِس مقام پر ٹھہرا تو عقل اِس کے پاس آئی، جب وہ اندر آئی تو عقل کی صورت اپنی جوہریت میں خلیفہ کی ذات میں نمایاں ہوئی، تب اُس پر اِس میں نقش علوم اور اسرار ظاہر ہوئے۔[۴۳] لوگ اِس مقام پر غلطی کرتے ہیں، جو ان میں داخل ہے اِسے خارج میں ڈھونڈتے ہیں، لہذا (خواہ مخواہ) تھکتے ہیں، اگر یہ اس متعال کے اِس قول پر غور کرتے: ﴿اور خود تم میں، کیا تم غور نہیں کرتے؟﴾ تو آرام پاتے۔

- تعالى -: ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[1] لاستراحوا.

قَدْ يَرْحَلُ الْمَرْءُ لِمَطْلُوبِهِ والسَّبَبُ الْمَطْلُوبُ فِي الرَّاحِلِ

فإذا أراد العقلُ معرفة شيء في تدبير المُلكِ وإصلاحِه افتقر عند ذلك إلى مشاهدةِ الإمام، فعند المشاهدة يلوح له المراد فيه، فيقوم له التجلّي منزلة الخطاب من الملِك إلى الوزير، إذ المراد حصول العلم، وبهذا يعبّر عن مخاطبة المعقولات؛ فإنّهم ليسوا بأجسام تكون[2] فيها أصواتٌ وحروفٌ. وإذا لم تكن أصواتٌ وحروفٌ ورقومٌ، إلى غير ذلك من الدلائل، فلك أن تَنْظُر إلى ما تؤدّي إليه تلك الأدلّة من الأصوات وغيرها في قلب السامع. فهو حصول المعنى، وهو أثر الكلام من المخاطِب. فكذلك[3] إذا حصل للعقل[4] آثار العلوم في قلبه من فيضِ الروح الكلّي عبَّرنا عنه بالكلام والقول والخطاب.

فلمّا أوجده على هذه الصِفة جعل مسكنه الدماغ، ليُشْرِف على أقطار المملكة، وأن يكون قريبا من خزانة الخيال الّتي هي مستقرّ جبايات البادية، وقريبا من خزانة الفكر والحفظ حتّى يَقرُبَ عليه النظر في جميع مهمّاته.

فينبغي لك أيّها الخليفة الأكرم: أن تُحافظ على وزيرك وتسايسه، وتتحبَّبَ إليه؛ فإنّ[5] في بقائه صلاح مُلكك[6] ومدينتك. ألا ترى إذا اتّفق في العقل شيءٌ وهلك بفَسَادِ محلّه كيف تخرَب مدينة الجسم، ولا يقدر الروح على تلفيقها! فحافظ على الوزير حفظك على نفسك، فهو يدك الّتي بها تبطش، وعينك الّتي بها تبصر.

---

[1] [الذاريات: ٢١]

[2] ش: يكون.

[3] ش: فلذلك.

[4] م: للعقول.

[5] ف: - فإن.

[6] ف: مملكتك.

"آدمی اپنے مطلوب کے لیے سفر کرتا ہے، جبکہ مطلوب کا سبب تو اِسی مسافر میں ہوتا ہے۔"[44]

جب عقل اِس مملکت کی اصلاح اور تدبیر میں کسی شے کی معرفت چاہتی ہے تو اُس وقت امام کے دیدار کی محتاج ہوتی ہے، اور دیدار سے ہی اِس پر مراد ظاہر ہوتی ہے، اور یہی تجلی بادشاہ کا اپنے وزیر سے کلام ہوتا ہے، کیونکہ مقصد تو علم کا حصول ہے، اور معقولات کے خطابات کو اسی طرح بیان کیا جاتا ہے؛ کیونکہ یہ اجسام نہیں کہ اِن کی آوازیں اور حروف ہوں۔ جب ان کی آوازیں، حروف اور لکھائی کی صورتیں اور اِس طرز کے دیگر دلائل نہیں، تو تجھے غور کرنا چاہیے کہ بولنا یا اِس طرز کے دیگر دلائل سننے والے کے دل میں کیا منتقل کرتے ہیں۔ یہ معنی کے حصول کے (ذرائع) ہیں، اور یہی مخاطِب کی بات کا اثر ہے۔ اِسی طرح جب عقل کو روحِ کلّی کے فیض سے اپنے دل میں علوم کے آثار حاصل ہوتے ہیں تو ہم اسے کلام، قول یا خطاب سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب حق نے (عقل کو) اِس صفت پر تخلیق کیا تو دماغ کو اِس کا مسکن بنایا، تاکہ یہ مملکت کے کونے کونے پر نظر رکھے، "ذخیرہ گاہ خیال"- جو کہ غیر آباد (علاقے) کے محصولات کا مرکز ہے- اور "ذخیرہ گاہ تفکیر اور یاد داشت" سے قریب رہے، تاکہ تمام امور پر نظر رکھنا اس کے لیے آسان ہو۔

لہذا اے مکرم خلیفہ! تجھے اپنے وزیر کی حفاظت کرنی چاہیے، اُس کے ساتھ بہترین معاملہ اور اُس سے محبت کا اظہار کر؛ کیونکہ اِس کی بقا میں ہی تیری مملکت اور تیرے شہر کی بقا ہے۔ کیا تو نے غور نہیں کیا جب عقل میں خلل آئے یا اِس کا مقام فاسد ہو جائے تو کیسے یہ شہر جسم اُجڑ جاتا ہے، اور روح بھی اس کی شیرازہ بندی نہیں کر پاتی! لہذا وزیر کی ویسے حفاظت کر جیسے تو اپنی حفاظت کرتا ہے، یہ تیرا وہ ہاتھ ہے جس سے تو پکڑتا ہے، تیری وہ آنکھ ہے جس سے تو دیکھتا ہے۔

فمتىٰ هَمَمْتَ بإمضاء أمرٍ في مُلكك فقَرِّبِ العقل وتدبّره[١] معه[٢] وشَاوِرْهُ، وانظر إلىٰ ما يَصدُرُ عنه فيه، واعمل بما يشير به عليك، فإنّ الله - تعالىٰ - قد أودع الصوابَ في رأيه. وتحفَّظْ من الوهم؛ فإنّ الوهم موجودٌ يَبرز للنفس علىٰ صورة العقل، فقد يلتبس عليك، وهو وزيرٌ مطاعٌ، له في الإنسان تأثير عظيم، وهو المستولي علىٰ الناس والباعث علىٰ الأفكار الردية، وهو يُورِث الوسوسة. فتحفَّظ منه، وميِّز وزيرك عينًا واسمًا، ولا تستبِدَّ بنفسك، فلا خير في أمرٍ ولا مُلك لا يدبّره عقل.

ولمّا كان الوزير قد يُتشَبَّه به من أكثر وجوهه وصفاته - لا من كلّها - أُضطررنا إلىٰ نعته بالنعوتِ الكاملة الّتي لا يمكن للوهم أن يتشبَّه بها علىٰ الكمال.

فانظر إلىٰ النعوتِ الّتي أنا أذكرها لك إن شاء الله، فإذا رأيتَها قد قامت بموجودٍ مّا فذلك وزيرك، وهو المراد، فاحْفَظْهَا وحَصِّلْهَا وحَصِّنْهَا تَغتَبِط إن شاء الله - تعالىٰ وتقدَّس -.[٣]

تفصيلُ خلق الوزير وصفاته:

فاعلم - رحمك الله -: أنّ العدلَ شَخْصُهُ، والهِمَّةُ رأسُه، والجمالَ وجهُه، والحفظ حَاجبَاه، والحياءَ عيناه، والطّلاقةَ جبينُه، والعزّةَ أنفُه، والصدقَ فمُه، والحكمةَ لسانُه، والنِيَّةَ[٤] عُنُقه، والسَّعَةَ واحتمالَ الأذىٰ صدرُه، والشّجاعةَ عَضُدُه، والتوكّلَ مَرفِقُهُ، والعصمةَ مِعصَمُهُ، والكرمَ كَفُّه، والإيثارَ بنانُه، والجودَ يدُه، واليُمْنَ يمينُه، واليُسْرَ يسارُه، والورعَ بطنُه، والعفّةَ فرجُه، والاستقامةَ ساقُه، والرجاءَ والخوفَ قدماه، والفطنةَ قلبُه، والعلمَ روحُه، والأمانةَ حياتُه، والزّهدَ لباسُه، والتواضُعَ تاجُه،

---

[١] ف: تدبر.

[٢] ش: - معه.

[٣] ش: - وتقدس.

[٤] ل، ي، ك: والتيه.

جب بھی اپنی مملکت میں کوئی حکم یا فرمان جاری کرنا ہو تو عقل سے اس بارے میں رائے اور مشورہ لے، اُس کی رائے پر غور اور اُس کے مشورے پر عمل کر، کیونکہ اللہ تعالی نے اُس کی رائے میں پختگی رکھی ہے۔ اور وہم سے بچ؛ کیونکہ وہم ایسی چیز ہے جو نفس کے سامنے عقل کی صورت میں آتا ہے، ہو سکتا ہے یہ تجھے دھوکے میں ڈال دے، وہم ایسا وزیر ہے جس کی بات مانی جاتی ہے، اور انسان میں اس کا بڑا اثر و رسوخ ہے، یہ لوگوں پر حاکم اور بُرے افکار کا موجب ہے، اور یہ وسوسے کو جنم دیتا ہے۔ لہذا اِس سے بچ، اپنے وزیر کو نام اور ہیئت سے متمیز رکھ، اور اپنی ذات میں آمر نہ بن جا، کیونکہ جو معاملہ یا مملکت عقل کے بغیر چلائی جائے اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

چونکہ یہ وزیر اکثر صفات اور رخوں سے -نہ کہ تمام سے- (وہم) سے مشابہت رکھتا ہے تو ہمیں یہ ضرورت پیش آئی کہ ہم وزیر کی جامع تعریف کر دیں تاکہ وہم کے لیے اس سے کامل مشابہت ممکن نہ رہے۔

لہذا اِن صفات پر غور کر جو میں تجھے بتاؤں گا، ان شا اللہ۔ اگر تجھے یہ اوصاف کسی موجود میں دکھائی دیں تو جان جا کہ یہی تیرا وزیر اور مراد ہے، لہذا اِنہیں یاد کر لے، اِنہیں جمع کر اور اپنے پلے باندھ، تو خوشی پائے گا، ان شا اللہ و تعالی۔

وزیر کی تفصیلی صفات و کردار:

اللہ تجھ پر رحم کرے، جان کہ عدل (وزیر) کی ذات ہے، عزم اُس کا سر ہے، خوبصورتی اُس کا چہرہ ہے، حفاظت اس کی دو اَبرویں ہیں، حیا اُس کی آنکھیں ہیں، خوشی اُس کی پیشانی ہے، عزت اُس کی ناک ہے، سچ اُس کا منہ ہے، حکمت اُس کی زبان ہے، نیت اُس کی گردن ہے، قوت اور تکلیف برداری اُس کا سینہ ہے، شجاعت اُس کا کاندھا ہے، توکل اُس کی کہنی ہے، عصمت اُس کی کلائی ہے، کرم اس کی ہتھیلی ہے، ایثار اُس کی پوریں ہیں، سخاوت اس کے ہاتھ ہیں، برکت اس کا دایاں ہاتھ اور آسانی اس کا بایاں ہاتھ ہے، پرہیز گاری اس کا پیٹ ہے، عفت اس کی شرم گاہ ہے، استقامت اس کی پنڈلی ہے، خوف اور امید اس کے دو قدم ہیں، ذہانت اس کا

والخشيةَ إكليلُه، والحلمَ خاتمُه، والأنسَ بيتُه، والهدىٰ طريقُه، والشريعةَ مصباحُه، والفهمَ دِثَارُه، والنُّصحَ شعارُه، والفراسةَ علمُه، والفقرَ كسبُه، والعقلَ اسمُه، والحقَّ سَمْعُه.

فإذا رأيت هذه الأوصاف: فاتّخذه وزيرا، ولليلك سميرا.

قال المؤلِّف - رضي الله عنه -: ولمّا كانتِ الفراسةُ علمَ هذا الوزير المذكور، ومحَلَّ كَشفِهِ واطِّلَاعِه علىٰ مكمنات[1] الخواطر ومغيَّبات الأمور، احتجنا إلىٰ أن نسوق منها طرفًا مختصرًا عقيب هذا الباب، حِكْمِيَّةً وشَرعِيَّةً، إن شاء الله تعالىٰ.[2]

[1] ي، ك، ش، ف: ممكنات.

[2] م: بلغت قراءة.

دل ہے، علم اس کی روح ہے، امانت اس کی حیات ہے، زہد اس کا لباس ہے، عاجزی اس کا تاج ہے، خشیت اس کا کنگن ہے، حلم اس کی انگوٹھی ہے، انس اُس کا گھر ہے، ہدایت اس کا راستہ ہے، شریعت اُس کا چراغ ہے، فہم اس کی اوڑھنی ہے، نصیحت اس کا شعار ہے، فراست اُس کا عِلم ہے، فقر اُس کا کسب ہے، عقل اُس کا نام ہے اور حق اُس کی سماعت ہے۔

جب تو کسی میں اِن اوصاف کو دیکھ تو اُسے اپنا وزیر اور راز دان بنا۔

مؤلف لکھتا ہے۔ اللہ اُس سے راضی ہو۔: چونکہ فراست اِس مذکورہ وزیر کا علم ہے، غیبی امور اور مخفی خواطر پر اُس کے کشف اور اطلاع کی جا ہے، تو ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اِس باب کے بعد فراست کا بھی مختصر تذکرہ ہو جائے، یہ عقلی اور شرعی فراست پر مشتمل ہو گا، ان شا اللہ و تعالی۔

الباب الثامن
في الفراسة الشَرَعِيَّة والحِكَمِيَّة

قال الله – عز وجل[1] –: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ﴾[2] وقال – صلّى الله عليه وسلّم –: «اتَّقُوا فِرَاسَةَ المؤمن فإنّه ينظر بنور الله». فالفراسة – أكرمك الله – نور من أنوار الله – عزّ وجلّ – يهدي به[3] عباده، ولها دلائل في ظاهِر الخلق، جرت الحكمةُ الإلهيَّة بارتباط مدلولاتها بها، وقد تَشِذُّ، ولكنّ ذلك نادر في الفراسة الحكميّة؛ إذ هي موقوفة على أدلّةٍ عاديّةٍ ضعيفة.

وأمّا الشرعيّة فلا تَشِذُّ لأنّها عن أمر إلهي، كما قال: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾[4] فهي مستمِرَّة عند أهلها لأنّ دلائلها في نفس من قامت به، خلاف الحِكميّة؛ فإنّ أدلّتها في نَفْسِ المتَفَرِّس[5] فيه. فرأينا أن نسُوقَ في هذا الباب الفراستين معًا على أَخْصَر ما يمكن وأتمّه.

الفراسة الحِكميّة:

(هي) – أعزّك الله – من المعارفِ الفكريّة، والعلوم النظريّة، والأحكام التجريبيّة. وإنّما مسَّتِ الحاجة إليها في هذا الكتاب إذ ليس كلّ أحد يهبه الله – تعالى

---

[1] ف، ك: تعالى.

[2] [الحجر: ٧٥]

[3] ي، م، ك: له. ف: بها، ش: + به من يشاء من.

[4] [الكهف: ٨٢]

[5] ك: المفترس.

آٹھواں باب
شرعی اور عقلی فراست کا بیان

اللہ عــزوجل فرماتا ہے: ﴿بیشک اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴾ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "مومن کی فــراست سے ڈرو، کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" اللہ تیری عزت بڑھائے، فراست اللہ عزوجل کے انوار میں سے نور ہے، جس سے وہ اپنے بندوں کو راہ دکھلاتا ہے، ظاہری جسم میں بھی اِس کے دلائل ہیں، حکمتِ الٰہی اس طرح سے جاری ہے کہ وہ ان (دلائل) سے ان کے مدلولات کو جوڑتی ہے، بعض اوقات ایسا نہیں بھی ہوتا، لیکن ایسا اتفاق عقلی فراست میں ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ عادت کے کمزور دلائل پر یہی (فراست) موقوف ہے۔

جہاں تک شرعی فراست کا تعلق ہے تو اِس میں قاعدے سے انحراف نہیں، کیونکہ یہ حکم الٰہی سے ہے، جیسا کہ (خضر علیہ السلام نے) فرمایا: ﴿میں نے یہ سب اپنی مرضی سے نہیں کیا﴾ یہ (فراست) اپنے اہل میں جاری و ساری ہے، کیونکہ اِس کے دلائل بھی اُسی میں ہوتے ہیں جس میں یہ قائم ہو، بر خلاف فراست عقلی؛ کہ جس کے دلائل اس میں قائم ہوتے ہیں جس کی جانب نظر کی جائے۔ ہماری کوشش ہے کہ اِس باب میں اِن دونوں فراستوں کا حسبِ توفیق مختصر اور جامع ذکر کیا جائے۔

عقلی فراست:

اللہ تجھے قوت دے! عقلی فراست کا تعلق فکری معارف، نظری علوم اور تجربی نتائج سے ہے۔ اِس کتاب میں اِس کے بیان کی ضرورت اِس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو نورِ یقین کی دولت سے سرفــراز نہیں کیا، اور نہ ہر کوئی اپنی نظر بصیرت پر پڑے پردے ہٹا کر اہل فراستِ شرعی کی صف میں آسکتا ہے۔ چونکہ ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

- نور اليقين، ويُزيلُ حجابَ الرَّيُونِ عن عَينِ بصيرته[١]، فينتَظِم في سِلكِ أهل الفراسة الشرعيّة. فلمّا لم يتمكَّنْ هذا لكلّ أحدٍ لكونها موهبة[٢] من الله - تعالىٰ - فلا يفوز بها إلّا الخواصّ من عباده. وكتابنا هذا موضوعٌ للخاصّ والعامّ فيما يُحتاجُ إليه، وهذا الباب من آكَدِ ما يُحتاجُ إليه ويُعوَّلُ عليه؛ لأنّ الإنسان مضطَرٌّ إلىٰ معاشرة الناس ومُخالَلَتِهم[٣]، كُلّ إنسانٍ في صنفه وفي عالمِه. وإذا كان هذا الاضطرار، وليس عنده من الفراسة الشرعيّة ما يُمَيِّز به بين إخوانه، سُقْنَا فصلا كافيا من الفراسة الحكميّة؛ ليقف الإنسان عنده، ويصرّفه في مهمّاته، ويشتغل بضروب الطّاعات، عسىٰ الله أن يَفتَح له بابا من عنده إلىٰ نور اليقين، وملاحظة الملكوت الأعلىٰ.

فاعلم: يا أخي - وفّقنا الله وإيّاك - أنَّ أحسَنَ الهيئاتِ وأعدلَ النشآتِ الذي ينبغي لك أن تَتَّخِذه سجيرًا، ولليلك[٤] سميرًا ولملكك وزيرًا؛ مَن ليس بالطويلِ ولا بالقصير، لَيِّنُ اللحم رَطْبُه[٥]؛ بين الغلظ والرِقَّة، أبيضُ مُشْرَبٌ بحمرةٍ وصفرةٍ، معتدلُ الشعرِ طويله، ليس بالسَّبْطِ ولا بالجَعْدِ القَطَطَ، في شعره حُمْرة ليس بذاك[٦] السواد، أسِيلُ الوَجْه، أعيُن مائلةٌ إلىٰ الغور والسواد، معتدل عظم[٧] الرأس، سَائل الأكتاف،[٨] في عُنُقِهِ استواء، معتدل اللَّبَّة، ليس في وَرْكه ولا صُلْبِه لحمٌ[٩]، خفيُّ الصوتِ؛ صَافٍ ما غَلُظَ منه وما رقَّ ممّا يستحَبُّ غلظه أورقَّتُهُ، في اعتدال، طويلُ البنان للرقّة، سَبْطُ

---

[١] ي، ك: ويُزيلُ عن عَينِ بصيرته حجابَ الرَّيُونِ

[٢] ك، ف: موهوبة.

[٣] ف: مخاللة.

[٤] ك: ولليل.

[٥] ش: بطنه.

[٦] ك، ف، ش: بذلك

[٧] ك: عظيم.

[٨] ليس في كتفه عظم بارز.

[٩] ش: ليس في صُلْبِه ولا وَرْكه لحمٌ.

خاص عطا ہے، لہذا یہ نعمت تو صرف خواص کے ہاتھ آئی، جبکہ ہماری یہ کتاب تو ہر خاص و عام کے لیے ہے، اور یہ باب تو اس حوالے سے سب سے زیادہ متقاضی ہے؛ کیونکہ ہر قِسم اور ہر دَور کا انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔ اگر اس طرح کی مجبوری ہو اور اُس کے پاس فراستِ شرعی بھی نہ ہو جس سے وہ اپنے ہم جنسوں کے مابین فرق کر سکے، تو ہم یہاں فراستِ عقلی کا ایک باب لائے ہیں؛ تاکہ انسان اس کو سمجھے، اپنے معاملات میں اس کا استعمال کرے، طاعات میں مشغول رہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ اُس پر اپنی طرف سے نورِ یقین اور ملکوتِ اعلیٰ کے مشاہدے کا کوئی در کھولے۔

اے بھائی! یہ جان ـ اللہ مجھے اور تجھے توفیق دے ـ سب سے بہتر ہیئت اور سب سے معتدل نشأت جسے تو اپنا دوست، اپنا راز داں اور اپنی مملکت کا وزیر بنائے؛ وہ نہ تو لمبا ہو اور نہ چھوٹا، جس کا جسم سختی اور نرمی کے مابین ہو، اس کی رنگت سرخی اور زردی مائل سفید ہو، اُس کے بال لمبے اور معتدل ہوں؛ نہ بالکل سیدھے اور بہت لمبے اور نہ ہی چھوٹے اور گھنگھریالے، اُس کے بالوں میں ایک حد تک سُرخی ہو، نرم وملائم چہرے والا، جس کی آنکھیں ابھری نہ ہوں اور سیاہ ہوں، جس کے سر کی ہڈی برابر ہو، جس کے کندھوں کی ہڈی نمایاں نہ ہو، جس کی گردن میں اعتدال ہو اور گردن کا نچلا حصہ بھی معتدل ہو، جس کی کمر اور سرین پر زیادہ گوشت نہ ہو، پست آواز کا حامل ہو؛ نہ آواز بھاری ہو نہ پتلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان جو بھلی لگے، لمبی اور نرم

الكفِّ، قليل الكلام والضحك إلّا عند الحاجة، ميلُ طباعه إلى الصفراء والسوداء، في نظره فرحٌ وسرورٌ، قليل الطمع في المال، ليس يريد التحكُّم عليك ولا الرياسة، ليسَ بعَجّلان ولا بطيءٍ.

فهذا، قالتِ الحكماء: أعدل الخِلْقَة وأحكمها، وفيها خلق سيّدنا محمّد[1] رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم - حتّى صحَّ له الكمال ظاهرًا وباطنًا. فإن قدرتَ أن لا تصحب إلّا مثل هذا فافعل، ولا تقف مع شهوتك إذا لم يُنَوِّرِ اللهُ بصيرتك. فإن رُزِقْتَ النور الإلهيّ، فأنت إذ ذاك سلطان العالمين وصاحب الحقيقتين، الوجود تحت قهرك ورياستك وأمرك.

واعلم يا أخي، أنَّ الحكماءَ زعموا في مقالاتهم في الفراسةِ، ورأيتُ ذلك تجربةً، أنّ أعدل الخلق ما تقدّم وصفه. وممّا ذكروا في مقالاتهم: إنّ البياض الصادق مع الزُّرقة والشُّقرة الكثيرة دليل على القِحَة والخيانة والفِسق وخفّة العقل. فإن كان مع ذلك واسع الجبهة ضَيِّق الذَّقْنِ أزْعَرَ أوْجَنَ كثير الشعر على الرأسِ، فقالت الحكماء: أنّ التحفّظَ ممّن هذه صفته كالتحفّظِ من الأفاعي القتّالة[2].

الشعر:

واعلم أنّ الحكماء[3] قالوا: إنّ الشعر الخَشِن يدلُّ على الشجاعة وصحّة الدماغ. والشعر الليّن يدلّ على الجبن وبردِ الدماغ وقلّة الفطنة. وكثرة الشعر على الكتفين والعنق يدلّ على الحمق والجرأة. وكثرة الشَعر على الصدر والبطن يدلّ على وحشية الطبع وقلّة الفهم وحُبّ الجور. والشُّقرة دليلٌ على الحمقِ وكثرة الغضب وسُرعَتِه والتسلّط. والأسود من الشعر يدلّ على العقل والأناة وحبّ العَدْل. والمتوسّط من

---

[1] ي، ك، ش: - محمد.

[2] ش: القاتلة.

[3] ش: + أنها.

پوروں والا، فراخ دست، کم گو اور شگفتہ مزاج، اُس کا طبعی رجحان صفرا اور سودا کی جانب ہو، اُس کی نظر میں فرحت اور سرور ہو، جو مال کی حرص نہ رکھتا ہو، نہ تجھ پر حکم چلائے اور نہ تیرا بڑا بن جائے، نہ بہت تیز طرار ہو اور نہ ہی بہت سست۔

حکما کے نزدیک یہی کامل ترین اور معتدل شکل و صورت ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ بھی اِسی شکل و صورت پر تخلیق ہوئے، اسی لیے ظاہری اور باطنی کمال آپ کا نصیب ہے۔ اگر تجھے دوستی کے لیے کوئی ایسا ملے تو اُسے اپنا دوست بنا، اگر اللہ نے تجھے نور بصیرت نہیں بخشا تو اپنی شہوت کا ساتھ مت دے، لیکن اگر تجھے نور الٰہی ملا ہے تو پھر تُو دو عالموں اور دو حقیقتوں کا سلطان ہے، اور یہ وجود تیرے قہر، تیری صدارت اور تیرے حکم کا تابع فرمان ہے۔

میرے بھائی! یہ جان کہ حکما نے مقالاتِ فراست میں لکھا، اور میں نے تجربے سے دیکھا کہ معتدل ترین صورت یہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ انہوں نے اپنے مقالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ حد سے زیادہ سفیدی، نیلی آنکھیں اور بہت زیادہ سرخی حماقت، خیانت، فسوق اور کم عقلی کی نشانی ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ کشادہ پیشانی، تنگ ٹھوڑی اور اِس پر کم بالوں کا ہونا، بڑے رخسار اور سر پر زیادہ گھنے بالوں والے کے بارے میں حکما کا کہنا ہے: ایسے شخص سے یوں بچنا چاہیے جیسے زہریلے سانپ سے بچا جاتا ہے۔

بال:

جان لے کہ حکما کہتے ہیں: سخت بال شجاعت اور درست دماغی کی نشانی ہیں۔ جبکہ نرم بال بزدلی، کور دماغی اور کم فہمی کی علامت ہیں۔ کندھوں اور گردن پر بالوں کی کثرت حماقت اور جرات کی نشانی ہیں۔ سینے اور پیٹ پر بالوں کی کثرت وحشیتِ طبع، کم فہمی اور ظلم سے محبت کی نشانی ہیں۔ بھورے یا زردی نما سفید (بال) حماقت، غصے کی کثرت و عجلت، اور تسلط جمانے کی نشانی ہیں۔ سیاہ بال عقل، حلم اور عدل سے محبت کی نشانی ہیں۔ اور اِن (رنگوں) میں برابری اعتدال کی نشانی ہے۔

هذين يدلّ على الاعتدال.

الجبهة:

قالت الحكماء: الجبهة المنبسطة الّتي لا غضون فيها تدلّ على الخصومة والشّغب، والرّقاعة والصّلف. ومن كانت جبهته متوسّطة في النتوء والسعة، وكانت فيها غضون[١]؛ فهو صدوق محبّ فَهِمٌ[٢] عالمٌ يقظانٌ مدبّرٌ حاذقٌ.

الأذنان:

ومَن كان عظيم الأذنين فهو جاهل إلّا أنّه يكون حافظا، ومن كان صغير الأذنين فهو أحمق سارق.

الحاجب:

والحاجب الكثير الشعر يدلّ على العِيّ[٣] وغثّ الكلام، فإن امتدّ الحاجب إلى الصّدغ فصاحبه تيّاه صلف. ومن رقّ حاجِبه فاعتدل في الطول والقصر وكانت سوداء فهو يقظان فَهِمٌ.[٤]

العين:

أردأُ العيونِ الزّرقُ، وأردأُ الزّرقِ الفيروزجيّة، فمن عظمت عيناه وجحظت: فهو حسود وقح كسلان غير مأمون، وإن كانت زرقاء: كان أشدّ، وقد يكون غاشّا. ومن كانت عيناه متوسّطة مائلة إلى الغور والكحلة والسواد: فهو يقظان، فَهِمٌ، ثقة،

---

[١] ف: أغصان.

[٢] ف: فهيم.

[٣] ل، ف: الغي. العي: العجز عن التعبير اللفظي بما يفيد المعنى المقصود وعدم الاهتداء لوجه المراد والعجز عن أدائه [المعجم الوسيط].

[٤] ف: فهيم.

پیشانی:

حکما کہتے ہیں: ایسی کشادہ پیشانی جس پر شکن نہ ہوں، وہ دشمنی، فساد، حماقت و کم عقلی، گھمنڈ اور شیخی کی نشانی ہے۔ جس کی پیشانی لمبائی اور چوڑائی میں برابر ہو اور اُس پر شکن ہو تو وہ سچا، محبت کرنے والا، سمجھ دار، علم رکھنے والا، ہوشیار، ماہر اور مدبر ہوتا ہے۔

کان:

جس کے کان بڑے ہوں تو وہ جاہل ہوتا ہے ہاں اگر وہ حافظ ہو، اور جس کے کان بہت چھوٹے ہوں تو وہ احمق اور چور ہوتا ہے۔

ابرو:

بہت گھنی ابرو والا بے تکی باتیں کرتا اور لغو گو ہوتا ہے۔ اگر اَبرو کان کی جانب زیادہ لمبی ہے تو ایسا شخص لمبی چھوڑنے والا گھمنڈی ہوتا ہے۔ اور جس کی ابروئیں پتلی، لمبائی اور چوڑائی میں برابر اور سیاہ ہوں تو وہ سمجھ دار اور ہوشیار ہوتا ہے۔

آنکھ:

بدتر آنکھیں نیلی ہیں اور نیلی میں بدترین فیروزی ہیں، جس کی آنکھیں بہت بڑی اور ابھری ہوئی ہوں تو وہ حاسد، بے حیا، کام چور اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اگر نیلی ہوں تو وہ ان مذکورہ صفات میں انتہا پسند اور دھوکے باز بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی آنکھیں برابر ہوں اور اندر کو دھنسی ہوں گہری سیاہ ہوں اور ان کے سِرے بھی سیاہ ہوں تو ایسا شخص ہوشیار، سمجھ دار، قابل بھروسا اور محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر یہ چوڑی اور بڑی ہوں تو ایسا شخص خبیث ہوتا ہے۔ جس کسی کی آنکھیں جامد اور جانوروں کی طرح کم حرکت کرنے والی ہوں یعنی بالکل ہی مردہ نظر ہو تو ایسا شخص جاہل اور ناسمجھ ہوتا ہے۔ جس کسی کی آنکھوں میں بلا کی تیزی اور حدت ہو، تو وہ حیلے باز، چور اور غدار ہوتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں سرخی ہو تو وہ دلیر اور پہل کرنے والا ہوتا ہے، اگر آنکھ کے ارد گرد زرد دھبے ہوں تو ایسا شخص لوگوں میں بدترین اور انتہائی خسیس ہوتا ہے۔

محبّ. فإن أخذت في طول البدن فصاحبها خبيث. ومن كانت عينه جامدة قليلة الحركة كالبهيمة، ميّت النظر: فهو جاهل غليظ الطبع. ومن كانت في عينه حركة بسرعة، وحدّة نظر: فهو محتال، لصّ، غادر. ومن كانت عينه حمراء: فهو شجاع مقدام، فإن كان حواليها نقط صفر فصاحبها أشرّ الناس وأرداهم.

الأنف:

إذا كان رقيقا[1] فصاحبه نزِق. ومن كان أنفه يكاد يدخل في فمه فهو شجاع. ومن كان أفطس فهو شبق. ومن كان ثقب أنفه شديد الانتفاخ فهو غضوبٌ، وإذا كان غليظ الوسطِ مائلا إلى الفطوسة فهو كذوب مهذار. وأعدل الأنوف ما طال غير طول فاحش. ومن كان أنفه متوسّط الغلظ، وقناه غير فاحشٍ؛ فهو دليل[2] العقل والفهم.

الفم:

ومَن كان واسعَ الفم فهو شجاع. ومن كان غليظَ الشفتين فهو أحمق. ومن كان متوسّطَ الشفتين في الغلظ مع حمرة صادقة فهو معتدل. ومن كانت أسنانه ملتوية أو ناتئة فهو خدّاع متحيّل غير مأمون. ومن كانت أسنانه منبسطة، خفافا، بينهما فلج؛ فهو عاقل، ثقة، مأمون، مدبّر. ومن كان لحم الوجه منه منتفخ الشدقين: فهو جاهل غليظ الطبع. ومن كان نحيف الوجهِ أصفر: فهو رديء، خبيث، خدّاع، شكس. من طال وجهه فهو وقيح[3]. من كانت أصداغه منتفخة، وأوداجه ممتلئة؛ فهو غضوب. مَن نظرتَه فاحمرّ وخجلّ، وربّما دمعت عيناه، أو تبسّم تبسّما لا يريده؛ فهو لك متودّد، محبّ فيك، لك في نفسه مهابة.

---

[1] م، ف: دقيقا.

[2] ش: + على.

[3] ي، ك، ف: وقح.

ناک:

اگر ناک پتلی ہو تو ایسا شخص کم عقل اور جلد طیش میں آنے والا ہوتا ہے۔ جس کی ناک لمبی ہو کے منہ تک پہنچے تو وہ بہادر ہوتا ہے۔ جس کی ناک چپٹی ہو تو وہ بہت شہوت پسند ہوتا ہے۔ جس کا نتھنا بہت زیادہ کھلا ہو تو وہ بہت غصے والا ہوتا ہے۔ اگر ناک درمیان سے موٹی اور چپٹی مائل ہو تو ایسا شخص انتہا درجے کا جھوٹا اور بے ہودہ بکواس کرنے والا ہوتا ہے۔ بہترین ناک وہ ہے جو لمبی تو ہو پر بہت زیادہ بھی لمبی نہ ہو۔ اور جس کی ناک بس زیادہ موٹی نہیں اور آنکھ کے پاس والا حصہ اونچا ہو جو برا نہ لگے تو یہ عقل اور فہم کی نشانی ہے۔

منہ:

بڑے منہ والا دلیر ہوتا ہے۔ بھاری ہونٹوں والا احمق ہوتا ہے۔ جس کے ہونٹ موٹائی میں معتدل اور گلابی ہوں تو ایسا شخص معتدل (مزاج) ہوتا ہے۔ جس کے دانت ٹیڑھے یا پھر ابھرے ہوئے ہوں تو وہ دھوکے باز، چال باز اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ جس کے دانت درمیانے ہوں، ہلکے اور ان کے درمیان خلا ہو تو وہ عقل مند، ثقہ، قابل اعتبار اور بہترین مدبر ہوتا ہے۔ جو شخص بھرے منہ والا اور چوڑے جبڑے والا ہو تو وہ جاہل اور بد مزاج ہوتا ہے۔ جس کا چہرہ کمزور اور زرد ہو تو وہ بد طینت، خبیث، دھوکے باز اور بد کردار ہوتا ہے۔ جس کا چہرہ لمبا ہو وہ بے حیا ہوتا ہے۔ جس کی کنپٹی کی جگہ پھولی ہو اور گردن کی وہ رگ جو غصے کے وقت پھول جاتی ہے اُبھری ہو تو وہ شخص بہت غصے والا ہوتا ہے۔ اور جس کی طرف تو دیکھے اور وہ شرمائے، حیا سے اُس کا چہرہ سرخ ہو جائے، یا اُس کی آنکھیں بھیگ جائیں، پھر غیر ارادی طور پر وہ مسکرائے؛ تو جان جا کہ وہ تیرا شیدائی اور عاشق ہے، اور اُس کے دل میں تیری بڑی عظمت ہے۔

(الصوت)

الصوت الجهير يدلّ على الشجاعة. والمعتدل بين الكدّ والتأنّي، والغلظ والرقّة؛ يدلّ على العقل والتدبير والصدق. سرعة الكلام ورقّته تدلّ على القحة والكذب والجهل. الغلظ في الصوتِ دليل على الغضب، وسوء الخلق. الغنّة في الصوتِ دليلة على الحمق وقلّة الفطنة وكبر النفس.

(الحركة)

التحرك الكثير دليل على الصلف والهذر والخداع. الوقار في الجلسة وتدارك اللفظ، وتحريك اليد في فصول الكلام دليل على تمام العقل والتدبير وصحّة العقل.[1]

(العنق)

قِصَر العنق دليل على الخبث والمكر. طول العنق ورقّته دليل على الحمق والجبن والصّياح، فإن انضاف إليهما صغر الرأس فإنّه يدلّ على الحمق والسّخف. غلظ العنق يدلّ على الجهل وكثرة الأكل. اعتدال العنق في الطول والغلظ دليل على العقل والتدبير وخلوص المودّة والثقة والصدق.

(البطن والظهر)

البطن الكبير يدلّ على الحمق والجهل والجبن. لطافة البطن وضيق الصدر تدلّان على جودة العقل وحسن الرأي. عرض الكتفين والظهر يدلّان على الشجاعة وخفّة العقل. انحناء الظهر دليل على الشّكاسة والنّزاقة. استواء الظهر علامة محمودة.

---

[1] ي، ك: العقد.

آواز:

بلند آواز بہادری کی علامت ہے۔ کرخت اور نرم، بھاری اور پتلی کے درمیان آواز عقل تدبیر اور سچائی کی علامت ہے۔ بہت تیز اور پتلی آواز میں بات کرنا جھوٹ، بے حیائی اور جہالت کی علامت ہے۔ آواز کا بھاری ہونا غضب اور بدکرداری کی نشانی ہے۔ ناک سے آواز نکالنا (غنہ کی آواز) حماقت، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور کند ذہنی کی نشانی ہے۔

حرکت:

بے جا حرکت شیخی خور، ہرزہ سرا اور دھوکے باز کی نشانی ہے۔

اطمینان سے بیٹھنا اور لفظوں کو ٹھیک سے ادا کرنا، اثنائے کلام ہاتھوں کو حرکت دینا پختگی عقل، پختگی تدبیر اور ٹھیک بات کرنے والے کی نشانی ہے۔

گردن:

چھوٹی گردن مکاری اور خباثت کی نشانی ہے۔ لمبی اور پتلی گردن بے وقوف، بزدل اور چلانے والے کی نشانی ہے، اگر اِس کے ساتھ سر بھی چھوٹا ہو تو یہ حماقت اور کم عقلی کی علامت ہے۔ موٹی گردن جہالت اور زیادہ کھانے کی نشانی ہے۔ لمبائی اور موٹائی کے درمیان گردن کا معتدل ہونا عقل، تدبیر، پُر خلوص محبت، ثقہ اور صادق کی علامت ہے۔

پیٹ اور پیٹھ:

بڑا پیٹ حماقت، جہالت اور بزدلی کی نشانی ہے۔ لطیف پیٹ اور تنگ سینہ عقل کی پختگی اور صائب الرائے کی نشانی ہے۔ چوڑے کندھے اور پیٹھ بہادری اور کم عقلی کی علامت ہے۔ جھکی کمر بدکرداری اور جلد طیش میں آنے کی علامت ہے۔ سیدھی کمر اچھائی کی علامت ہے۔

(الكتفان والذراعان)

بروز الكتفين دليل على سوء النيّة وقبح المذهب. إذا طالت الذراعان حتّى تبلغ الكفُّ الرّكبةَ دلّ على شجاعة وكرم ونبل[1] نفس. وإذا قصرت فصاحبها جبان محبّ في الشرّ. الكفّ الطويلة مع الأصابع الطوالِ تدلّ على النفوذ في الصناعةِ وإحكام الأعمال وتدبير الرئاسة.

(القدم والساق)

اللحم الغليظ في القدم يدلّ على الجهلِ وحبّ الجور. القدم الصغير الليّن يدلّ على الفجور. رقّة العقِب تدلّ على الحسن[2]، وغلظه يدلّ على الشجاعة. غلظ الساقين مع العرقوبين دليل على البلَه والقحة. من كانت خطاه واسعة بطيئة فهو منجح في جميع أعمالهِ ومفكّر في عواقبه، والضدّ للضدِّ.

فهذا – وفّقك الله – فصل مختصر من الفراسة الحِكميّة على ما وضعته الحكماء، فتحقّقه ترشد في معرفة[3] الناس – إن شاء الله تعالى –[4].

(النشأة المعتدلة الروحانية)

قال المؤلِّف – رضي الله عنه –: ولنعمد في ذا الفصل الذي ذكرت الحكماء إلى النشأة[5] المعتدلة المذكورة في أوّل هذا الباب، ولنُمشِ عليها النشأة الروحانيّة حرفًا حرفًا، فأقول: اعلم أنّ الروح الإنساني لمّا كان له وجهٌ إلى النور المحض ووجهٌ إلى الظلمة المحضة؛ وهي الطبيعة؛ كانت ذاته متوسّطة بين النور والظلمة، وسبب ذلك

---

[1] ل، ف، ش: نيل النفس.

[2] ف، ش: الجبن.

[3] ل، ف: معارف.

[4] ش: – تعالى.

[5] – ف: النشأة.

کندھے اور بازو:

کندھوں کا بڑا ہونا بدنیتی اور بدکرداری کی نشانی ہے۔ اگر بازو اتنے لمبے ہوں کہ ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچیں تو یہ دلیری، فیاضی اور شریف النفس ہونا ہے۔ اور اگر بازو چھوٹے ہوں تو ایسا شخص بزدل اور شرپسند ہوتا ہے۔ لمبی ہتھیلی اور لمبی انگلیاں ہنرمندی، کام میں مہارت اور نظم ونسق چلانے والے کی نشانی ہیں۔

پاؤں اور پنڈلی:

پاؤں پر زیادہ گوشت جہالت اور ظلم پسند ہونے کی نشانی ہے۔ نرم و نازک اور چھوٹا پاؤں بدکاری پر دلالت ہے۔ باریک ایڑیاں حسن کی جبکہ موٹی ایڑی بہادری کی علامت ہے۔ موٹی پنڈلیاں اور کونچیں (ایڑی کے اوپر کا پٹھا) رائے کی ناپختگی اور بے حیائی کی نشانی ہے۔ جس کے دونوں قدموں میں فاصلہ ہو اور وہ سست رفتار ہو تو وہ اپنے کاموں میں کامیاب اور ان کے انجام کا فکرمند ہوتا ہے، جبکہ الٹ کا معاملہ الٹ ہے۔

اللہ تجھے توفیق دے، یہ عقلی فراست کے باب میں حکما کے وضع کردہ اقوال کا اختصار ہے۔ اِن اقوال کی حقیقت سمجھ، تجھے لوگوں کی پہچان ہوگی، ان شا اللہ تعالی۔

معتدل روحانی نشأت

مؤلف کہتا ہے - اللہ اُس سے راضی ہو -: اب ہم اُس حصے کی طرف لوٹتے ہیں جسے حکما نے اس باب کی ابتدا میں اعتدال پسند نشأت قرار دیا، اور اِس روحانی نشأت سے اس کا حرف بحرف موازنہ کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: یہ جان کہ روحِ انسانی کا ایک رخ نورِ محض اور دوسرا رُخ ظلمتِ محض کی طرف ہے؛ جسے طبیعہ کہتے ہیں؛ اور اُس کی ذات نور اور ظلمت کے درمیان ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اسے طبیعی عنصری نشأت کے مدبر کے طور پر تخلیق کیا گیا، جیسے نفسِ کلیہ عقل (عالم تدبیر) اور الهباء (عالم اجسام) کے درمیان ہے۔ پس الہباء خالص ظلمت ہے تو عقل خالص نور، اور نفس اِن دونوں کے درمیان برزخ ہے۔

أنّه خلق مدبّرا[1] لنشأة طبيعيّة عنصريّة كالنفس الكلّيّة الّتي بين الهباء والعقل. فالهباء ظلمة محضة، والعقل نورٌ محض، والنفس بينهما كالسّدفة.

فمتىٰ ما لم يغلِبْ علىٰ اللطيفة الإنسانيّة أحدُ الوصفين؛ كان معتدلا يؤتي كلّ ذي حقّ حقّه. ومتىٰ ما غلَبَ عليه النور المحض أو الظلمة المحضة؛ كان لما غلب عليه، كما ذُكر في النشأة الجسمية[2] من الطولِ المفرط أو القِصر المفرطِ، والبياض المفرط والسواد المفرط، وكلّ ضدّين علىٰ التفاوت في أحد الطّرفين، فأقول:

أمّا البياضُ المفرطُ: فاستفراغه للنظر في عالم النور بحيث لا يبقىٰ فيه ما يُدبِّر به[3] عالم طبيعته، فيفسد سريعًا قبل حصول الكمالِ؛ فكان مذمومًا. وكذلك في الجانب الآخر، وهو السَّوادُ المفرط، بحيثُ يمنعه النظر في طبيعتِه عن عالم النور، فذلك أيضًا مذمومٌ. فإذا كان وقتًا ووقتًا، كما قال - عليه السلام -: «لي وقتٌ[4] لا يَسعُنِي فيه غير ربّي» وكان له وقتٌ مع أصحابِهِ ووقتٌ مع أهْلِه؛ وكذلك الطول والقِصر مُدّة إقامته في النظر في أحد الجانبين، فينبغي أن تكون المدّة بقدر الحاجة.

وأمّا اعتدال اللحم في الرطُوبة بين الغلظ والرقّة: هو اعتداله في البرزخيّات، بين المعنىٰ والحسِّ كاللحم بين الجلد والعظم. وأمّا اعتدال الشعر: فكونه بين القبض والبَسط. وأمّا كونه أسيل الوجه: فهي الطلاقة والبشاشة. وأمّا كونه أعيَن: فصحّة النظر في الأمور[5].

وأمّا كون عينه مائلةً إلىٰ الغُئورة[6] والسواد: فاستخراج الأمور الخفيّة والعلوم

---

[1] ي، ل: مدبّر.

[2] ي، ك: الحِسِّيَّة. (بدلت في متن نسخة ي: الجمسية إلىٰ الحسية)

[3] ل: ما يدبره.

[4] ش: + مع الله.

[5] ش: وأمّا كونه أعين: فصحّة النظر في الأمور. وأمّا كونه أسيل الوجه: فهي الطلاقة والبشاشة

[6] ش: الغور. ف: الغورة.

جب تک اِس لطیفۂ انسانی پر اِن دونوں اوصاف میں سے کوئی ایک (وصف) مکمل غلبہ نہیں پاتا یہ معتدل رہتا ہے، ہر حق دار[45] تک اُس کا حق پہنچاتا ہے۔ لیکن اگر اِس پر خالص نور یا خالص ظلمت کا غلبہ ہو جائے؛ تو یہ اُسی کا (غلام) ہو کر رہ جاتا ہے جس کا غلبہ ہوا، جیسا کہ نشأت جسمی میں حد سے زیادہ طوالت یا کوتاہ قامت ہونے کا ذکر ہے، یا بے انتہا سفیدی اور سیاہی کا تذکرہ ہے، ہر دو الٹ چیزیں ان میں دو انتہاؤں پر ہیں، میں کہتا ہوں:

(باطن میں) حد سے زیادہ سفیدی سے مراد عالم نور میں اِس قدر مگن ہو جانا ہے کہ اپنے عالم طبیعی (یعنی جسم) کی تدبیر سے ہی ہاتھ اٹھالینا ہے، ایسی صورت میں (یہ جسم) حصولِ کمال سے پہلے ہی زبوں حال ہو جائے گا؛[46] اور ایسا قابل مذمت ہے۔ اسی طرح دوسری طرف حد سے زیادہ سیاہی یہ ہے کہ اپنے عالم طبیعی میں ایسا کھو جائے[47] کہ عالم نور کو دیکھ ہی نہ پائے، یہ بھی قابل مذمت ہے۔ لیکن اگر اس سب کا اپنا وقت ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا: "میرا رب تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جب میرے پاس میرے رب کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔" جبکہ آپ اپنے اصحاب کو بھی وقت دیتے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی وقت گزارتے۔ اسی طرح (حد سے زیادہ) لمبائی یا کوتاہ قامتی اس کا ایک طرف نظر کر کے وقت گزارنا ہے، ہونا تو اس طرح چاہیے کہ یہ مدت بقدر حاجت ہو۔

جہاں تک اس کے جسم کا موٹاپے اور دبلے پن کے مابین ہونا ہے: تو یہ امور برزخ میں اِس (روح) کا اعتدال ہے؛ معنی اور حِس کے درمیان، جیسے گوشت ہڈیوں اور جلد کے درمیان ہوتا ہے۔ جہاں تک بالوں کا معتدل ہونا ہے تو یہ (روح) کا قبض اور بسط کے درمیان ہونا ہے۔ جہاں تک اِس کا نرم ملائم چہرے والا ہونا ہے: تو یہ (روح میں) خندہ روئی اور بشاشت ہے۔ جہاں تک خوبصورت بڑی آنکھوں والا ہونا ہے: تو (روح میں) یہ معاملات کی درست نظری ہے۔

جہاں تک اِس کی آنکھوں کا اُبھرا نہ ہونا اور سیاہ ہونا ہے: تو (روحانی طور پر) یہ مخفی معاملات اور غیبی علوم کو ڈھونڈنا ہے۔ جہاں تک اس کے سر کی ہڈی کا معتدل ہونا ہے: تو (روح

الغيبيّة. وأمّا كونه معتدِلَ عِظَمِ الرأس: فتوفير العقل. وأمّا كونه سائل الأكتاف: فاحتمال الأذىٰ من غير أثر. وأمّا كونه مستوي العنق: فالاستشراف علىٰ الأشياء من غير ميل إليها. وأمّا كونه معتدل اللَّبَّة، الذي هو مجرىٰ النفَس لاستقامة الأصواتِ، فاستقامة الكلام في الخطاب بما يليق بالمخاطَبِ.

وأمّا كونه ليس في وركه ولا صلبه لحمٌ: نظرا[1] إلىٰ الأمور الّتي يلجأ إليها ويتورّك عليها أن يكون تخلُّصه لأحد الطرفين، فإنّه إن كانت برزخيّةً قد تغدر به في غالب الأمر.

وأمّا كونه خفيّ الصوت: فهو حفظ السرّ. وأمّا صفاء الصوت: فهو أن لا يزيد فيه شيئا. وأمّا طول البنان: فلطافة التناول. وأمّا سَبْطُ الكفّ: فرمي الدنيا من غير تعلّقٍ. وأمّا قلّة الكلام والضحك: فنظرُه إلىٰ مواقع الحكمة؛ فيتكلّم ويضحك بحسب[2] الحاجة. وأمّا كون ميلِ طباعِه إلىٰ الصفراء والسوداء: فهو أن يغلب عليه الجنوح إلىٰ العالم العلوي.

وأمّا كونه في نظره فرحٌ وسرورٌ: فهو استجلابُ نفوس الغير عليه بالمحبّة.

وأمّا كونه قليلَ الطمع في المال: فهو البُعْدُ عن الغائلة. وأمّا كونه ليس يريد التحكّم عليك ولا الرئاسة: فهو شُغْلُه بكمال نفسه لا بك. وأمّا كونه ليس بعجلان ولا بطيء: أي ليس بسريعِ الأخذ مع القدرة ولا عاجز.

فهذا قد ذكرنا اعتدال نشأة[3] اللطيفة الإنسانيّة حرفًا بحرفٍ علىٰ النشأة المعتدلة الطينيّة الّتي ذكرناها عن الحكماء آنفا. ثمّ تأخذ[4] تفصيل الأعضاءِ علىٰ هذا المثال بقدر

---

[1] م، ش، ف: نظر.

[2] ش: بقدر.

[3] ف: النشأة.

[4] ش: نقصد.

میں) یہ عقل کی زیادتی ہے۔ جھکے کاندھے ہونا: ایسے تکلیف برداشت کرنا ہے کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ گردن کا درمیانی ہونا: چیزوں کو نظر میں رکھنا لیکن ان کی طرف مائل نہ ہونا ہے۔ گردن کے نچلے حصے کا معتدل ہونا۔ جو سانس کی نالی ہے تاکہ آواز ٹھیک نکل سکے۔ تو یہ وقت کلام مخاطِب کے شایان شان پختہ بات کرنا ہے۔

جہاں تک اس کی کمر اور سرین پر گوشت کا نہ ہونا ہے: تو یہ اُن امور میں غور کرنا ہے جن پر بھروسا کیا جاتا یا جن کی پناہ لی جاتی ہے، تاکہ یہ (روح) کسی ایک طرف ہو جائے، کیونکہ اگر یہ درمیان میں ہو گی تو غالب گمان یہی ہے کہ نقصان اٹھائے گی۔

جہاں تک اُس کا پست آواز ہونا ہے: تو (باطن میں) یہ راز دانی کی علامت ہے، آواز کا نکھار (یہ بتاتا ہے) کہ وہ بات کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرتا۔ پوروں کا طویل ہونا: پکڑنے کی لطافت ہے۔ فراخ دست ہونا: دنیا چھوڑنا اور اِس سے تعلق توڑنا ہے۔ کم بولنا اور کم ہنسنا: حکمت و دانائی سے کام لینا ہے؛ کہ وہ حسب ضرورت ہی بولتا اور ہنستا ہے۔ جہاں تک اس کے مزاج کا سودا یا صفرا کی طرف جھکاؤ رکھنا ہے تو یہ اُس کا عالم عُلوی کی طرف جھکاؤ رکھنا ہے۔

اُس کی نظر میں فرح اور سرور کا ہونا: غیروں کو اپنی جانب الفت سے مائل کرنا ہے۔ اُس کا مال کی طمع نہ رکھنا: فتنے سے دوری کی طرف اشارہ ہے۔ اُس کا تجھ پر حکم نہ چلانا اور برتری نہ چاہنا: اُس کا اپنے نفس میں ایسا گم ہونا ہے کہ اُسے تیری خبر ہی نہیں۔ جہاں تک اس کا جلد باز اور سست نہ ہونا ہے: تو یہ قدرت ہوتے ہوئے بھی جلد پکڑ نہ کرنا اور نہ ہی اِس سے عاجز ہونا ہے۔

یہ ہے لطیفۂ انسانی کی وہ اعتدالی نشأت جو حرف بحرف اس معتدل جسمانی نشأت کے مطابق ہے جس کا تذکرہ ہم نے حکما کے بیان کے مطابق کیا۔ اب تجھے اس بارے میں جس قدر درست نظری کی توفیق ملے اسی قدر اِس مثال کے مطابق اعضا کی تفصیل اخذ کر۔ ہم نے اندیشہ طوالت کے باعث یہ (تفصیل) یہاں بیان نہیں کی۔ اب ہم شرعی فراست کی طرف لوٹتے ہیں، میں کہتا ہوں:

ما يوفّق[1] للنظر السديد في ذلك. ولم نودعه هُنا لِئَلّا يطول الكتاب، فلنرجع إلى الفراسة الشرعيّة، وأقول[2]:

الفراسة الشرعيّة:

اعلم - رحمك الله ونوّر بصيرتك - أنّ عالم الملكوتِ هو المحرّك لعَالَم الشهادة، وتحت قهره وتسخيره، حكمةً من الله - تعالى - لا لنفسه استحقّ ذلك. فعالم الشهادة لا تصدر منه حركة ولا سكون، ولا أكل ولا شرب، ولا كلام ولا صمت، إلّا عن عالم الغيب. وذلك أنّ الحيوان لا يتحرّك إلّا عن قصدٍ وإرادةٍ وهما من عمل القلب؛ وهو من عالم الغيب. والحركة - وما شاكلها - من عالم الشهادة. وعالم الشهادة عندنا كلُّ ما[3] أدركناه بالحسّ عادة، وعالمُ الغيب ما أدركناه بالخبر الشرعي أو النظر الفكري فيما لا يظهر للحسّ عادةً.

فنقول: إنّ عالم الغيب يُدْرَك بعين البصيرة، كما أنّ عالم الشهادة يدرَك بعين البصر. وكما أنّ البصر لا يُدْرِك عالم الشهادة، ما لم يرتَفِع عنه حجاب الظُّلَمِ أو ما أشبهه من الموانع، فإذا ارتفعت الموانعُ وانبسطتِ الأنوارُ على المحسوساتِ أدرك البصرُ المبصَرات، فإدراكها مقرونٌ بنور البصر ونور الشمسِ أو السراجِ وأشباههما من الأنوار.

كذلك عين البصيرة حجابه[4] الرُّيُون والشهوات، وملاحظاتُ الأغيار، إلى مثل هذه من الحجب[5]، فيحول بينه وبين إدراك الملكوت؛ أعني عالم الغيب. فإذا عَمَد

---

[1] ك: نوفق.

[2] ك: نقول. م: بلغت قراءة.

[3] ي: من.

[4] ل، ي، ك، ش: + هو.

[5] ل، م: الحجوب.

شرعی فراست:

اللہ تجھ پر رحم کرے تیری بصیرت کو روشن کرے، یہ جان کہ عالم ملکوت ہی عالم شہادت کو حرکت دینے والا ہے، اُس کے قہر اور غلبے تلے ہے، یہ اللہ تعالی کی حکمت ہے، (عالم ملکوت) نے خود سے یہ استحقاق نہیں پایا۔ عالم شہادت کی ہر حرکت و سکون، کھانا پینا، بات چیت اور خاموشی وغیرہ سب عالم غیب سے ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ ہر جاندار اپنے قصد اور ارادے سے حرکت کرتا ہے، اور یہ دونوں (یعنی قصد اور ارادہ) عمل قلب ہے؛ جو کہ عالم غیب سے ہے۔ جبکہ حرکت اور اس جیسی دوسری چیزیں عالم شہادت سے ہیں۔ ہمارے نزدیک عالم شہادت وہ سب ہے جس کا ادراک ہم عموماً حِسّ سے کرتے ہیں، جبکہ عالم غیب کا ادراک ہم شرعی خبر یا اُس غور و فکر سے کرتے ہیں جو عموماً حس میں ظاہر نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں: بیشک عالم غیب کا ادراک بصیرت سے ہے، جبکہ عالم شہادت کا ادراک بَصر سے ہے۔ جیسے ظاہری آنکھ اُس وقت تک عالم شہادت کا ادراک نہیں کر پاتی جب تک کہ ظلمت یا اس طرح کے دوسرے حجابات نہ اٹھ جائیں، جب یہ پردے اُٹھ جاتے ہیں اور روشنی چیزوں سے ٹکراتی ہے تو نظر چیزوں کا ادراک کرتی ہے، لہذا نظر کا ادراک نظر کی روشنی اور سورج، چراغ یا اس جیسی روشنی سے ہوتا ہے۔

اسی طرح بصیرت کی آنکھ پر السّریون (یعنی زنگ)، شہوات، اغیار کی طرف دیکھنا، یا اسی طرز کے دیگر حجابات ہیں، یہ حجابات بصیرت اور ملکوت یعنی عالم غیب کے درمیان آ جاتے ہیں۔ جب انسان اپنے دل کے آئینے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مختلف مجاہدات اور ریاضات سے

الإنسان إلى مرآة قلبه، وجلَّاها بأنواع الرياضاتِ والمجاهداتِ حتّى أزال[1] عنها كلَّ حجابٍ، واجتمع نورها مع النور الذي يَنبَسِط على عالم الغيب؛ وهو النور الذي يتراءى به أهل الملكوتِ، وهو بمنزلة الشمس في المحسوس، اجتمع عند ذلك نورُ عين البصيرة مع نورِ التمييز، فكشَفَ المغيَّبَات على ما هي عليه. غير أنّ بينهما لطيفة معنىً، وذلك أنّ الحسّ يحجبه الجِدار، والبُعد المفرطُ، والقرب المفرطُ، والأجسام الكثيفة الحائلة بينه وبين من يريد إدراكَه، وهذا لِقُصورهِ[2] عادةً. وقد تنخرق لنبيٍّ أو وليٍّ كقول النبيّ – صلّى الله عليه وسلّم –: «إنّي أراكم من وراء ظهري». وفي الأولياء ابتداءُ المكاشفات لهم في أوّل سلوكهم. وإنّ المريد أوّل ما يُكْشَفُ له عن المحسوسات؛ فيرى رَجُلًا مقبلا، أو على حالةٍ مّا، وبينهما البعد المفرط والأجسام الكثيفة؛ بحيث أن يراه بمكّة، أو يرى الكعبة وهو بأقصى المغرب، وهذا كثيرٌ عند المريدين في أوّل أحوالهم، ذقتُ ذلك[3] ولله الحمد.

ثمّ ينتقلون عن ذلك، إن كانوا من أهل العناية والاختصاص بالوراثة النبويّة. وإن بقي عليهم ذلك – أعني خرق العادة على الدوام – فهم المعبّر عنهم بالبدلاء. وإن تخلّلهم ذلك في وقت دون وقت؛ فهو إمّا وارث، وإمّا عابدٌ صاحب فتراتٍ.

وأمّا عالم البصيرة فلا؛ إذ عالم الغيبِ ليس بينه وبين عين البصيرة مَسَافة ولا بُعد ولا قرب مفرط، وحجابه إنّما هو الران والقُفْلُ والكِنُّ، وقد ارتفعت بالمجاهداتِ فلاحت أعلام الغيوب. لكن ثَمَّ أمر نذكره؛ وهو وإن تخللت[4] عين البصيرة كما ذكرناه، فإنّ ثمَّ حجابا آخر إلهيًّا، وهو أنّ النور الذي ينبسط من حضرة الجود على

---

[1] ل، ف: زال.

[2] ف: القصور.

[3] م، ش: + كله.

[4] ك: انجلت.

اسے جِلا بخشتا ہے حتی کہ اِس سے ہر حجاب اٹھ جاتا ہے،[48] اور اِس (آئینے) کا نور عالم غیب پر پھیلے نور سے مل جاتا ہے۔ اور یہ وہی نور ہے جس سے اہلِ ملکوت[49] ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، (عالم) جس میں اِس کی مثال سورج جیسی ہے۔ اِس موقع پر بصیرت کی آنکھ کا نور، نورِ تمیز[50] سے مل جاتا ہے، اور غائب اشیا اپنی حقیقت پر ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر ان دونوں کے درمیان ایک لطیف سا فرق ہے، وہ یہ کہ ظاہری نظر کو دیوار، از حد دوری، بہت نزدیکی اور ایسی کثیف چیزیں جو ادراک کی جانے والی شے اور نظر کے درمیان آ جائیں ادراک سے روک دیتی ہیں، یہ اِس نظر کی فطری کمزوری کے باعث ہے۔ جبکہ نبی اور ولی کی نظریں فطری کمزور نہیں رہتی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔'' اور اولیا کو اُن کے سلوک کی ابتدا میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے مرید پر محسوسات عیاں ہوتی ہیں؛ وہ کسی شخص کو آتے، یا کسی خاص حالت پر دیکھتا ہے جبکہ ان کے درمیان از حد دوری اور کثیف اجسام ہیں؛ مثلا یہ اُسے مکہ میں دیکھے، یا خانہ کعبہ کو دیکھے جبکہ وہ (خود) مراکش میں ہو، مریدین کے احوال کی ابتدا میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے، اللہ کا شکر ہے میں نے اِس کا ذوق پایا۔

پھر اگر وہ نبوی وراثت سے مخصوص اہلِ عنایت ہوں تو اِس منزل کو پار کر جاتے ہیں۔ اگر یہ خلاف عادت ادراکات انہیں ہر وقت حاصل رہیں تو ایسے لوگ ابدال کہلاتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ان کے ساتھ وقتاً فوقتاً پیش آئے؛ تو (ایسا شخص) یا تو وارث ہے یا پھر صاحبِ وقفہ[1] عابد۔

جہاں تک عالَم بصیرت کا تعلق ہے تو وہ ایسا نہیں؛ کیونکہ عالم غیب اور بصیرت کی آنکھ میں فاصلہ، دوری، یا از حد قربت کا حجاب نہیں، اس (عالم) کا حجاب الرّان (دل پر لگا زنگ) القُفل (دل پر لگا تالا) اور الکنّ (پردہ) ہے، یہ (حجابات) مجاہدات سے اُٹھ جاتے ہیں اور غیوب کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور معاملے کا تذکرہ ضروری ہے؛ وہ یہ کہ۔ جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ جب بصیرت کی آنکھ روشن ہوتی ہے تو اسے ایک اور خدائی حجاب کا سامنا ہوتا ہے؛ وہ یہ کہ حاضرتِ وجودیہ میں سے غیب اشیا پر حاضرتِ جُود سے پھیلا نور اُن پر مکمل پھیلا نہیں

---

[1] یعنی اس کے ساتھ ایسا وقفوں میں ہوتا ہے۔

المغيّبات في الحضرات الوجوديّة[1] ليس يعمُّها إلّا علىٰ قدر ما يريد الله - تعالىٰ - أن يَكشِفَ لك منها، مع أنّك في غاية الصفاء والجلاء.

وذلك هو مقام الوحي، دليلنا علىٰ ذلك لأنفسنا ذوقُنا له، ولغيرنا قوله - تعالىٰ[2]-: ﴿قُلْ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾[3] مع غاية الصفاء النبويّ. فكيف بالوليّ الذي ما فُتِحَ له من الطريق خُرْت[4] إبرة. فهذا هو الحجاب الإلهيّ. وهو في الكتاب العزيز: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾[5] فقوله: ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾[6] هو قَدْرُ ما يُكشَفُ له من عالم الغيب، فيرىٰ تأثيره في عالم الشهادة، فيتكلّم به علىٰ ذلك الحَدِّ، فيقول: «يكون كذا ولا يكون كذا، وعاقبة أمرٍ مّا[7] إلىٰ كذا»، علىٰ قدر الكشف. وهذا الحجابُ الإلهيُّ لا يمكن رفعُهُ عقلًا ولو بلغ المرء أعلىٰ الغاياتِ، بدليل أنّ هذا الحجاب إنّما هو العلم الأزلي المتعلّق بمعلوماتٍ غير متناهيةٍ، وكلّ ما حصره الوجود فهو متناهٍ، ولا يكشف عين البصيرة إلّا ما دخل في الوجود بوجهٍ مّا من أوجه مراتب الوجود.[8] فلا حُجَّة لك في قوله - تعالىٰ -: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ﴾[9] قال الله - تعالىٰ -: ﴿مَا

---

[1] ش: + في غاية الصفاء.

[2] ش: - تعالىٰ.

[3] [الأحقاف: ٩]

[4] خُرت: ثقب، ف: خرم.

[5] [الشورىٰ: ٥١] ي، ك: + أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ.

[6] [الأحقاف: ٩]

[7] ك: وعاقبة أمرنا.

[8] أي مراتب الوجود أربعة عيني وذهني ورقمي ولفظي.

[9] [يس: ١٢]

ہوتا، بلکہ یہ اتنا ہی پھیلتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ تجھ پر یہ غیب اشیا ظاہر کرنا چاہتا ہے، حالانکہ تیرا دل انتہا درجے کا پاک اور صاف ہے۔

یہی مقامِ وحی ہے، جس پر ہمارے لیے تو ہمارا ذوق ہی دلیل ہے، لیکن دوسروں کے لیے اللہ تعالی کا یہ قول دلیل ہے: ﴿کہہ دو: میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو صرف اُس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کیا جاتا ہے﴾ نبوت کی انتہائی پاکیزگی کے ساتھ ایسا ہے۔ تو ولی کے لیے (سب کچھ کیسے عیاں ہو سکتا) جس کے لیے اِس راستے میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی سوراخ نہیں کھولا گیا۔ یہی تو حجاب الٰہی ہے۔ کتاب عزیز میں اِس کا تذکرہ یوں ہے: ﴿کسی بشر کے لیے روا نہیں کہ اللہ اُس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعے، یا حجاب کے پیچھے سے﴾ اور اللہ کا یہ قول: ﴿میں تو صرف اُس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کیا جاتا ہے﴾ یہ اُسی مقدار کے مطابق ہوتا ہے جو اُس پر عالم غیب سے ظاہر کی جاتی ہے، اور وہ عالم شہادت میں اِس کی تاثیر دیکھتا ہے تو اِسی حد پر کلام کرتا ہے، کہتا ہے: "ایسا ہو گا اور ایسا نہیں ہو گا، اور اس کام کا نتیجہ یہ ہو گا" اپنے کشف کے مطابق۔ یہ ایسا حجاب الٰہی ہے کہ عقلاً اِس کا اُٹھایا جانا محال ہے، چاہے کوئی شخص (نیکی اور پارسائی کی) انتہا پر ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حجاب لامتناہی معلومات سے متعلق علم ازلی ہے، وجود میں محصور ہر شے متناہی ہے، عین بصیرت بھی اُسے ہی دیکھتی ہے جو مراتب وجود کے رخوں میں سے کسی بھی رخ سے وجود میں داخل ہوا۔ پس اللہ تعالی کے اِس قول میں تیرے لیے کوئی حجت نہیں: ﴿ہم نے امام مبین میں ہر شے کا شمار کر رکھا ہے﴾ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اللہ کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوتے﴾ اور (اگر یہ سارا سمندر سیاہی ہو تو) ﴿میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا﴾ کیونکہ کلمات لامتناہی ہیں۔

نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللهِ﴾[١] وقال: ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي﴾[٢] وذلك لعدم التناهي.

فإذا تقرّر هذا، وصَحَّ لنا حدّ الكشف عن عالم الغيب، فمهما ظهر ممَّن حَصَلَ في هذا المقام شيءٌ من ذلك على ظاهره في حقِّ شخصٍ مَّا، فتلك الفراسة؛ وهي أعلى درجات المكاشفة، وحظُّها من الكتاب المبين: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾[٣] وذلك[٤] لها علامات في الحِسّ؛ بينها وبين عالم الغيب ارتباط. وهذا علمٌ موقوفٌ على الذوق خلاف الفراسة الحِكْمِيَّة فإنّها موقوفةٌ على التجربة والعادة؛ وقد لا تصدق. وهذا لا سبيل عند أهل هذا الشأن إلى تكذيبه؛ فإنّه نور الله - تعالى - فلا يُعطِي إلّا الحقائق.

فهكذا تكون الفراسة الشرعيّة، وسبب حصولها ما ذكرناه. وقد جعل الله لعالِم عِلمها علاماتٍ في ظاهر الموجودات، كما جاءَ الأثر عن عثمان - رضي الله عنه - حين أخذ على الرجل في نظره إلى ما لا يحلّ له، فقال له الرجل: أَوَحْيٌ بعد رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم -؟ فقال: لا، ولكن قال رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم -: «اتّقوا فراسة المؤمن فإنّه ينظر بنور الله»، رأيتُ ذلك في عينيك.

وهذه العلامات إنّما هي حُجُبٌ نصَبَهَا الله - تعالى - لأعين الغير، لتأنيس القلوب الضَّعِيْفَة واستمالتها[٥] حتّى تطمئنَّ. ولو قال غيرُ النبي: «إنّما رأيتُ ذلك، لمّا انبسط نور[٦] اليقين على الكتاب الحفيظ؛ فنظرتُ فِعلَكَ فيه؛ فقضيتُ عليك»؛ مجّتهُ

---

[١] [لقمان: ٢٧]

[٢] [الكهف: ١٠٩]

[٣] [الحجر: ٧٥]

[٤] م: + أن.

[٥] ك: استمالها.

[٦] من هنا بدأ النقص في نسخة ك حتى الباب السادس عشر من هذا الكتاب.

جب یہ ثابت ہو گیا، اور ہمیں عالم غیب میں کشف کی درست حد معلوم ہو گئی، تو اِس مقام والے شخص سے ظاہر میں کسی دوسرے شخص کے بارے میں جو کچھ بھی ظاہر ہوا، تو یہی فراست ہے؛ جو کشف کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، کتاب مبین میں اس کا نصیب یہ ہے: ﴿بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴾ وہ اس طرح کہ اس کی علامات حس (عالم شہادت) میں ہیں؛ اور ان (علامات) کا عالم غیب سے ربط ہے۔ یہ علم عقلی فراست کے بر خلاف ذوق پر مبنی ہے؛ (عقلی فراست) تو تجربے اور عادت پر مبنی ہے؛ جو بعض اوقات سچ نہیں بھی ہوتی۔ لیکن شرعی فراست والے لوگ جانتے ہیں کہ یہ کبھی جھوٹ نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے جو صرف حقائق ہی بتاتا ہے۔

یہ ہے شرعی فراست اور اس کے حصول کا طریقہ۔ بیشک اللہ نے اس کے عالم کے لیے ظاہر موجودات میں علامات رکھی ہیں، جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے، جب آپ نے ایک شخص کی سرزنش اس بات پر کی کہ اس کی آنکھ میں حرام شے کو دیکھنے کے اثرات تھے، وہ بولا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" مجھے یہ تیری آنکھوں میں دکھائی دیا۔

یہ علامات وہ حجابات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اغیار کے لیے رکھے، تاکہ کمزور دلوں کی تسلی ہو اور وہ ان پر بھروسا کر کے مطمئن ہوں۔ اگر کوئی غیرِ نبی یہ کہے: "میں نے دیکھا، یعنی جب کتاب حفیظ[51] پر نور یقین[52] پھیلا؛ تو میں نے اِس میں تیرا یہ عمل دیکھا؛ اور تجھ پر حکم لگایا" تو سماعت اس کا انکار کرتی اور نفوس اِس سے تنگی پاتے ہیں حالانکہ وہ اِس بات میں سچا ہے۔ لیکن جب وہ (ان

الآذان وقبضتْ عنه النفوس مع صدقه في ذلك. فلمّا علّقت بعلامات ظاهرة؛ سكن القلب والخاطر الضعيف إلى ذلك، مع قوّة دليل الشرع في قوله: «اتّقوا فراسة المؤمن» اجتمع من ذلك بعض إيمان. ومع ذلك قد يُتَّهم، ويقال: لعلّه كاهن أو صاحب رأي، فالعلل كثيرة.

تنبيه:

بقي لنا من[١] الباب شيء في الغرض الذي قصدنا، وهو تصحيح النسختين بالمقابلة في الفراستين الشرعيّة والحكميّة. وذلك أنّ للقائل أن يقول: إذ ولا بدّ عندكم من المقابلة؛ فأين حظّ الأشقر والأزرق، والعظيم الأنف والمعتدل الكحولة من هذه الفراسة الشرعيّة؟

فنقول له:[٢] سألتَ سؤال عارف، ونحن - إن شاء الله - نخلّصه لك ونلخّصه بأيسر شيء؛ وهو أنّا نظرنا إلى الفراسة الحكميّة، فرأينا أربابها والقائلين بها والقاطعين بحكمها راجعين إلى طرفين وواسطة، وقسموا الأشياء إلى مذموم ومحمودٍ، فجعلوا الخير كلّه والمحمود في الوسط، وجعلوا الذمّ والشرّ في الطرفين، فقالوا في الأبيض الشديد[٣] والأشقر الأزرق ما سمعتَ من الذمّ وأنّه غير محمودٍ، وكذلك الأكحل الشديد السَّواد، والرقيق[٤] الأنف جدّا؛ مذموم كلّ هذا، والمعتدل بينهما الغير[٥] مائل إلى أحد الطرفين ميلا كلّيّا هو المحمود على حسب ما تقدّم في الفراسة الحِكميّة.

فلمّا رأيناهم قد حصروا هذه الأشياء وقصروها على هذا القدر نظرنا ذلك في

---

[١] ش: + هذا.

[٢] ي، ف: - له.

[٣] ش: + البياض.

[٤] ف: الدقيق.

[٥] ش: غير.

باطنی علامات کو) ظاہری علامات (کے حجاب) میں بیان کرتا ہے تو دل اور کمزور خیال کی تسلی ہو جاتی ہے، کہ اِس میں شریعت کے اِس قول کی قوت بھی ہے: "مومن کی فراست سے بچو" تو اِس کے ساتھ تھوڑا بہت ایمان بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اِس سب کے باوجود ایسے شخص کو تہمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کہا جاتا ہے: شاید یہ کاہن ہے یا صاحب رائے ہے، علتیں تو بہت سی ہیں۔

حرف آگاہی:

اَب اِس باب میں ہمارے لیے صرف وہی غرض بچی جو ہمارا مقصدِ (تالیف) تھی؛ کہ اِن دونوں نسخوں کا عقلی اور شرعی فراست میں موازنہ کر کے انہیں درست کیا جائے۔ وہ اِس لیے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے: اگر آپ نے موازنہ کرنا ہی ہے؛ تو گورا پن اور نیلگوں آنکھیں، بڑی ناک اور درمیانی سیاہ چشم کا اِس فراست شرعی میں کیا حصہ ہے؟

ہم کہتے ہیں: تو نے عارف والا سوال کیا ہے، ہم - ان شا اللہ - تجھے اِس کا بہت واضح اور مختصر جواب دیں گے؛ وہ یہ کہ جب ہم نے عقلی فراست میں غور کیا تو ہمیں پتا چلا کہ اِس کے اصحاب، قائلین اور اِس کا قطعی حکم لگانے والے دو انتہاؤں اور وسط کی طرف لوٹتے ہیں، انہوں نے چیزوں کو قابل تعریف اور قابل مذمت میں تقسیم کیا، چنانچہ ہر بھلائی اور قابل تعریف کو درمیان میں جگہ دی، جبکہ برائی اور قابل مذمت کو دونوں کناروں پر رکھا، تو نے دیکھا کہ انہوں نے حد سے زیادہ گورا پن، سفیدی اور نیلی آنکھوں کی تعریف نہیں کی، اور نہ ہی انہیں اچھا جانا، اسی طرح شدید سیاہ اور بہت پتلی ناک کو بھی اچھا نہ جانا، جبکہ اعتدال ان کے درمیان ہے، جو کسی ایک جانب حد سے زیادہ مائل نہ ہو، یہی - جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے - عقلی فراست میں قابل تعریف ہے۔

جب ہم نے دیکھا کہ انہوں نے اس طرح سے اشیا کا احاطہ کیا اور اس مقدار سے ان پر حکم لگایا تو ہم نے عالم باطن میں غور کیا؛ کہ (وہاں اشیا کا) حسن اور قبح کہاں ظاہر ہوا؟ ہم کہتے ہیں:

هذا العالم؛ أين ظهر الحُسْنُ والقُبْحُ؟. فقلنا: لا حُسن ولا قبح إلّا شرعًا، على هذا قام لنا الدليل. فلمّا رأينا أنّ الحمد والذمّ على الفعل من جهةٍ مّا شرعًا، نظرنا كيف نجمع طرفين وواسطة، لنجعل[١] الطرفين مذموما ولنجعل[٢] الوسط محمودًا الذي هو محلّ الاعتدال.

فنقول: الإنسان لا يخلو أن يكون واحدا من ثلاثةٍ بالنظر إلى الشرع: وهو إمّا أن يكونَ باطنيًّا محضًا؛ وهو القائل بتجريد التوحيد عندنا حالًا وفعلًا. وهذا يؤدّي إلى تعطيل أحكام الشرائع وقلب أعيانها. وكلّ ما يؤدّي إلى هدم قاعدة من قواعد الدين، فهو مذموم بإطلاق. عصمنا الله وإيّاكم من ذلك.

وإمّا أن يكون ظاهريًّا محضا متغلغلا، بحيث أن يؤدّيه ذلك إلى التجسيم والتشبيه. فهذا مثل ذلك ملحقا[٣] بالذمّ شرعًا.

وإمّا أن يكون جاريًا مع الشريعة على فهم اللسانِ؛ حيثما مشى الشارع مشى، وحيثما وقف وقف، قدما بقدم. وهذا هو الوسط، وبهذا تصحّ محبّة الله له، قال – تعالى –: ﴿فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾[٤] فباتّباع الشارع واقتفاء أثره[٥]؛ صحّت محبّة الله للعبيد[٦]، وغفرت[٧] الذنوب، وصحت[٨] السعادة الدائمة. فهذا – أعزّك اللهُ – وجهُ مقابلة النسختين.

---

[١] ي، ف: لجعل. ل: نجعل.

[٢] ي، ف: ولجعل. ل: نجعل.

[٣] في سائر النسخ: ملحوق. ي: عدلت ملحوق إلى ملحقا.

[٤] [آل عمران: ٣١].

[٥] ف: – واقتفاء أثره.

[٦] ي: للعبد.

[٧] ف: صحت محبة الله وغفران.

[٨] ل، ي، ك، ش، ف: وحصلت.

حُسن اور قبح (یعنی اچھا اور برا ہونا) صرف شریعت (کے بتانے) سے ہے، دلیل نے ہمیں یہی بتایا ہے۔ پس جب ہم نے دیکھا کہ تعریف یا مذمت شرعی ہے، تو غور کیا کہ ہم ان دو انتہاؤں اور وسط کو کیسے ملائیں، تاکہ یہ دونوں انتہائیں قابل مذمت اور درمیانی راہ- جو کہ راہ اعتدال ہے- قابل تعریف ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں: شریعت کے اعتبار سے کوئی بھی انسان ان تینوں میں سے ہی ہو گا: یا تو وہ مطلقاً باطنی ہو گا؛ جو ہمارے نزدیک حال اور فعل سے توحید کی تجرید کا قائل ہونا ہے۔ یہ عمل شریعت کے احکام معطل کرنے اور ان کے اعیان الٹائے جانے کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر وہ عمل جو دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کو منہدم کرنے کی طرف لے جائے، تو وہ (فعل) مطلقاً قابل مذمت ہے۔ [۵۳] اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے بچائے۔

یا پھر وہ مطلقاً کٹّر ظاہری ہو گا، کہ یہ سب اُسے تجسیم اور تشبیہ [۵۴] کی طرف لے جائے گا۔ ایسا شخص بھی اِس پہلے کی طرح شریعت میں قابلِ مذمت ہے۔

یا پھر وہ زبان کے تقاضوں کے مطابق شریعت کے ساتھ ساتھ چلے گا، جہاں شارع چلے گا وہ بھی چلے گا، اور جہاں (شارع) رُکے گا وہ بھی رکے گا، قدم بقدم (پیروی کرے گا)، اور یہی وسط ہے، اِسی وجہ سے اسے اللہ کی محبت ملے گی، وہ متعال فرماتا ہے: ﴿میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا﴾ پس شارع کی اتباع اور اس کے نقش قدم پر چلنے سے ہی بندوں کو اللہ کی محبت ملتی ہے، گناہوں کی بخشش ہوتی اور دائمی سعادت ملتی ہے۔ اللہ تجھے عزت بخشے، یہ ہے دو نسخوں کا موازنہ۔

فإن قال قائل: سلّمنا هذا التقابل، وهو صحيح، فكيف نميّزه من الإنسان على التعيين؟ وإذا رأيت رجلا ساكنا يشهد الصلوات والجماعات وهو مع ذلك منافق مُصِرٌّ؟

قلنا: قد تقدّم مكان هذا في هذا الباب، ولكن لا بدّ أن نُجيبك على ما سألتَ. وذلك أنّ السكون وشهود الصلوات وأشباههما من عالم الشهادة، وكونه كافرًا بها في سرّه فهو من عالم الغيب. ونحن إذا تحصّل لنا الفراسة الشرعيّة حكمنا بكونه[1] كافرا في نفوسنا، وأبقينا مالَه ودمَه معصومًا شرعًا لظهور الكلمة التوحيديّة، فمعاملتنا له على هذا النسق، وما كُلِّفْنَا غير هذا.

فهذا - وفّقك الله - تلخيص الفراسة الشرعيّة والحِكميّة، قد أوضحتها[2] لك غاية الإيضاح والتبيين، والله - سبحانه[3] - يوفّق سيّدنا للعمل بأسباب حصولها في نفسه، ويحابيه[4] بالوقوف عليها، إنّه القادر على ذلك والمليء به.[5]

---

[1] ل، م، ش: لكونه.

[2] ش: أوضحته.

[3] ش: تعالى.

[4] ش: ويحبوه.

[5] م: بلغت قراءة.

اگر کہنے والا کہے: ہم اِس موازنے کو تو درست مانتے ہیں، لیکن ہم حتمی طور پر کسی انسان میں یہ کیسے جان سکتے ہیں؟ مثلاً اگر کوئی مقیم شخص (ظاہراً) نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھے، لیکن (اِس کے) باوجود اگر وہ (باطن میں) پکا منافق ہو تو؟

ہم کہتے ہیں: اس باب میں یہ تو پہلے ہو گزرا، لیکن ہم تجھے تیرے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ کسی مقیم کا باجماعت نمازیں پڑھنا یا اِس طرح کے دوسرے اعمال عالم شہادت سے (تعلق رکھتے) ہیں، اور اِس کا اپنے دل میں اِن سے انکار عالم غیب سے ہے۔ لہذا جب ہمیں شرعی فراست حاصل ہوتی ہے تو ہم اپنے دلوں میں اُسے کافر ہی تصور کرتے ہیں، لیکن منہ سے کلمہ توحید کہنے کی وجہ سے شرعاً اسے اس کی جان و مال میں معصوم مانتے ہیں، ہمارا اس کے ساتھ یہ معاملہ ہے اور ہمیں اِسی کا مکلف کیا گیا۔

اللہ تجھے توفیق دے یہ ہے شرعی اور عقلی فراست کا وہ خلاصہ، جو میں نے تیرے سامنے وضاحت اور شرح سے بیان کیا۔ اللہ سبحانہ ہمارے اِس سردار کو اس (فراست) کے اسباب حصول کے لیے عمل کی توفیق دے، اِسے ان کی مکمل معرفت بخشے، کیونکہ وہ اِس سب پر قادر ہے اور یہ اُس کے پاس وافر ہے۔

الباب التاسع
في معرفة الكاتب، وصفاته، وكُتبِه

عَلَيْكَ بِكَاتِبٍ لَبِقٍ رَشِيقٍ ذَكِيٍّ فِي شَمَـــــائِلِهِ حَرَارَهْ

تُنَاجِيهِ بِطَرْفِكَ مِنْ بَعِيدٍ فَيَفْهَمُ رَجْعَ لَحْظِكَ بِالْإِشَارَهْ

الكاتبُ – وفّق اللهُ الإمامَ، وسلك به حيث لا خلف ولا أمام – موجودٌ لطيفٌ كريمٌ شريفٌ، أصفق عالم الغيب على شرفه واعتلائه، نجيٌّ[1] إدريس النبي – عليه السلام – وهو أوّل من خطّ بالقلم، وهو صاحب جلاء القلب[2] وغطائه، وبيده زمام منع الخير وإعطائه، يجول بين سناه الباهر وسنائه، ويتردّد بين شعاعه وضيائه، منفِّذ الأوامر على القرب والبُعْد، عالم بسرّ مَن له الأمر من قبل ومن بعد، يغني ويفقِر، ويشحّ ويؤثِر، سجلّه ذاتُ النفس الكلّيّة؛ وهي حرّة الإمام الزكيّة، الموصوفة بالمطمئنّة الراضية المرضيّة، كتب في رقّها المنشور العُلوم البرزخيّة، فعندما تظهر آثاره على صفحات قراطيس الأجسام، عُبِّر عن ذلك بنفوذ أمر الإمام.

ونحن – إن شاء الله[3] – قد بنينا أن نذكر في هذا الباب، صفة الكاتب والكتاب، في فصلين، والله المؤيّد لا ربّ غيره.

---

[1] ف: فجيء. أي يكتب من أسرار حقيقة إدريس عليه السلام.

[2] ف: القلوب.

[2] ف: القلوب.

[3] ف: تعالى.

نواں باب
کاتب، اُس کی صفات اور کتابوں کی معرفت

"نہایت چالاک، ہوشیار، تیز طرار اور سمجھ دار کاتب رکھ، جس کے کردار میں جوش اور حرارت ہو، کہ جب تو اُسے دور سے اشارہ کرے تو تیرے اشارے سے وہ تیری بات سمجھے۔"

اللہ اِس امام کو توفیق دے اور اِسے ایسی راہ پر چلائے کہ جہاں نہ کوئی عقب ہے نہ پیش، کاتب ایک لطیف کریم اور شریف موجود ہے۔ عالم غیب کا اِس کی شرافت اور عالی مرتبگی پر اتفاق ہے، یہ نبی ادریس علیہ السلام کا ہم راز[1] ہے، کہ آپ نے سب سے پہلے قلم سے لکھا، اور یہ (کاتب) قلب کو جلا بخشنے والا اور اِس کا پردہ (اٹھانے) والا ہے، اِسی کے ہاتھ خیر دینے اور نہ دینے کا اختیار ہے، یہی (روح) کی چکا چوند چمک اور بلندی کے درمیان پھرتا ہے، اُس کی روشنی اور شعاع کے درمیان متردد رہتا ہے، قربت اور دوری پر احکام کو نافذ کرتا ہے، اور اُس کا راز دان ہے جس کے ہاتھ-اول اور آخر-سب حکم ہے، جو غنا بخشتا اور محتاج کرتا ہے، جو دیتا اور روک لیتا ہے، اس کی دستاویز نفس کلیہ کی ذات ہے؛ جو کہ امام الزکیہ کی آزاد کردہ ہے، جو مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ سے موصوف ہے، (کاتب نے) اس (نفس) کے منشور صفحات پر علوم برزخیہ مندرج کیے، سو جب اجسام کے اوراق پر اُس کے آثار کا ظہور ہوا، تو اِسے احکام خلیفہ کا نفاذ کہا گیا۔

ان شا اللہ ہم اِس باب کے دو اجزا میں کاتب کی صفت اور کتاب کا بیان لائیں گے، اللہ ہی مددگار ہے اُس کے سوا کوئی رب نہیں۔

---

[1] یعنی کاتب حضرت ادریس علیہ السلام کی حقیقت سے اسرار قلم بند کرتا ہے۔

فصل في الكاتب

اعلم - وفّقك الله - أنّ الله - تعالىٰ - جعل في المملكة الكبرىٰ لوحًا محفوظًا وقلمًا معلومًا عليًّا بيمين مقدّسةٍ عن التأليف والتغيير. فنفذ أمر الإرادة بالعلم من الحقّ إلىٰ اليمين بتحريك القلم علىٰ سطح اللوح المحفوظِ بعلم ما كان وهو ولا كان، وما يكون وما لا يكون. ولمّا انبنىٰ[١] هذا الكتاب علىٰ مقابلة النسختين ومقابلتهما علىٰ النشأتين، أردنا أن نعرِف أين الكاتب منّا:

قَلَمُ الْإِلَـهِ وَلَوْحُـهُ الْمَحْفُــــوظُ ... قَلَمِي وَلَوْحِي فِي الْوُجُودِ يُمِدُّهُ

مَا شِئْتُ أُجْرِي وَالرُّسُومُ حُظُوظُ ... وَيَدِي يَمِينُ اللهِ فِي مَلَكُــــوتِهِ

فالكاتبُ صفةٌ لطيفةٌ علميّةٌ تسمّىٰ اليمين لها يمين[٢]، ومادّتها من علّيّين؛ وهو مقام الأبرار، صاحِبة[٣] الشراب الممزوج. فإذا أراد الإمام أن يُظهر أمرًا من الملكوتِ في عالم الشهادة تجلّىٰ للقلب، فانشرح الصدر، وذلك عبارة عن كشف الغطاء، فارتقم فيه مراد الإمام. وذلك القلب هو مرآة العقل، فرأىٰ العقلُ في مرآته ما لم يكن رآه قبل ذلك، فعرف أنّه مراد الإمام، فاستدعىٰ الكاتبَ فأطلعه علىٰ المرادِ وقال له: اكتب في ذات النفس كذا وكذا، فإذا حصل في النفس خرج علىٰ الجوارح. فلهذا قلنا فيه: إنّ شرابَه ممزوجٌ؛ لأنّه امتزج بعين المقرّبين؛ وهو العقل، فلهذا حصل له الشرف الكامل في حقّه.

فإن قيل: ما مقام هذا الكاتب؛ العرش أو الكرسي أو بينهما؟ وقد علمنا علىٰ ما قرّرنا في مُواضعتنا[٤] أنّ الكرسيَّ هو محلّ الفرقان؛ وهو النفس، قال الله - تعالىٰ -:

---

[١] ش: بنينا.

[٢] ش: عين.

[٣] ف: أصحاب.

[٤] مواضعتنا: اصطلاحنا. ف: مواضِعنًا. ش: مواضعها.

کاتب کا جزو

اللہ تجھے توفیق دے، یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی مملکت (یعنی کل کائنات) میں لوحِ محفوظ اور معلوم قلم اعلی بنایا جو اُس مقدس ہاتھ میں ہے جو تالیف اور تغییر سے پاک ہے۔ پس حق کے علم سے چاہا گیا حکم ہاتھ کی طرف آیا کہ لوح محفوظ کی سطح پر قلم کو حرکت دے اور وہ علم لکھے جو تھا، جبکہ (وجود)[۵۵] نہ تھا، اور جو ہو گا اور جو نہ ہو گا۔ چونکہ اِس کتاب کی بنیاد دو نسخوں کے تقابل اور اور دو نشاتوں کے مقابلے پر ہے تو ہم نے یہ بھی بتانا چاہا کہ ہم میں کاتب کہاں ہے:

"وجود میں میری لوح (یعنی قلب) و قلم (یعنی زبان) کو خدا کا قلم اور اُس کی لوحِ محفوظ امداد دیتی ہے، میرا ہاتھ عالم غیب میں اللہ کا ہاتھ ہے، جو میں چاہتا ہوں جاری کرتا ہوں، جبکہ یہ نقوش تو صرف نصیب ہیں۔"

پس کاتب ایک لطیف علمی صفت ہے اِسے یمین کہتے ہیں کیونکہ اس کے لیے قوت ہے۔ اِس کا مادہ (علیین) میں سے ہے؛ جو نیکو کاروں کا مقام ہے؛ ممزوج مشروب والوں کا۔ جب امام ملکوت (یعنی عالم غیب) نے عالم شہادت میں کوئی حکم ظاہر کرنا چاہتا ہے تو دل پر تجلی کرتا ہے، جس سے سینہ کشادہ ہوتا ہے، اِسی کو "پردے اٹھنا" کہتے ہیں، پھر اِس (دل) میں امام کی مراد لکھی جاتی ہے۔ دراصل یہ قلب عقل کا آئینہ ہوتا ہے، اور عقل اِس آئینے میں وہ کچھ دیکھتی ہے جو اُس نے اِس سے پہلے نہیں دیکھا، وہ جان جاتی ہے کہ یہی امام کی مراد ہے، لہٰذا وہ کاتب کو بلاتی ہے، اِسے مراد بتاتی ہے، اور کہتی ہے: ذاتِ نفس میں یہ یہ لکھ دو، جب یہ نفس میں رقم ہوتا ہے تو اعضائے بدن سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اِسی لیے ہم نے اِس (کاتب) کے بارے میں کہا: اس کا مشروب ممزوج ہے؛ کیونکہ یہ اِس میں عین المقربین کی آمیزش ہے؛ جو کہ عقل ہے، اِسی لیے اِس بارے میں اِسے کامل شرف حاصل ہوا۔

اگر پوچھا جائے: اس کاتب کا مقام کیا ہے؟ عرش، کرسی یا پھر ان کے درمیان؟ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے اپنی اصطلاح میں کرسی کو فرق کی جا قرار دیا ہے؛ جو کہ نفس ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿جس نے نفس کو برابر کیا اور اِسے اِس کا فجور اور تقوی الہام کیا﴾ یہ فرقان[۵۶] ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾[1] فهذا فرقان. والكاتب مرتبته أن يكتب في محمودٍ ومذموم على اختلاف الأحوال، وليس مقامه بحيث كتابته، فخبّرني كيف يتّفق هذا؟

قلنا: قولك صحيح، فاعلم أنّه ليس من العرش إلى الكرسيّ مدحٌ ولا ذمّ، سوى علوم مقدّسة وتنزّلاتٍ نزيهة عن الاتّصاف بالفرقان.[2] والعرش مقام الإمامِ، والكرسيّ مقام النفس؛ وهي محلّ التغيير والتطهير حالا ومقاما، فإذا نفذ الأمرُ إلى الكاتب فإنّه ينفذ واحدًا مقدّسا لا يتّصف بذمٍّ ولا حمدٍ.[3]

والكاتب إنّما يكتب من الخزانة المحمّديّة؛ وهي الّتي فرق فيها[4] كلّ أمرٍ حكيم. فيأخذ ذلك الأمر من الخزانة المحمّديّة على ما وُضع لمتعلَّقه، فإن كان حمدًا فهو ذاك، فيحصل عند ذلك للكاتب علمًا وعينًا لا حالا ومقاما؛ لأنّه فوق ما يكتب. فما يصدر عنه إلّا حسن. فهو بذاته مع الإرادة وتصرّفه[5] في شغله؛ التي هي الكتابة من[6] الخزانة المحمّديّة. فالذي حصّل الأمر وردّه أمرين إنّما هو الرسول بذلك الأمرِ والمخاطب، فالكتابة من ظاهره، والكاتب من باطنه.

فحقيقة الرسول هي المِدّة لحال الكاتب في حَاله ومقامه، وحالهُ أو حقّه هو المِدُّ له في رقومه وأفعاله. فهو فرق[7] من حيث هو مشرف، وهو واحد من حيث ذاته. وهذا كلّه ليس لنفسه؛ لأنّه لو أراد الله - تعالى - أن يبدّله بالتقديس تغييرا،

---

[1] [الشمس: ٧-٨]

[2] ل، م، ش، ف: والفرقان.

[3] ف: بحمد ولا ذمٍ.

[4] ف، ش: فيها يفرق.

[5] ف: تصرفه.

[6] ي، ش: مع.

[7] ف، ش: فوق.

اور کاتب کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اختلافِ احوال کے سبب مذموم اور محمود دونوں (عمل) لکھے، اِس کا مقام صرف اس کے لکھنے سے نہیں، لہٰذا مجھے بتاؤ کہ ان دونوں میں کیا مطابقت ہے؟

ہم کہتے ہیں: تیری بات ٹھیک ہے، یہ جان کہ عرش سے لے کر کرسی تک نہ کوئی تعریف ہے اور نہ کوئی مذمت، یہاں تو صرف مقدس علوم اور فرقان کے اتصاف[۵۷] سے منزہ تنزلات ہیں۔ عرش امام کا مقام ہے تو کرسی نفس کا مقام ہے؛ یہی حال اور مقام سے تغییر (تبدیلی) اور تطہیر (پاکی) کی جا ہے، پس جب حکم کاتب تک پہنچتا ہے تو یہ مقدس اور واحد ہوتا ہے جسے اچھائی اور برائی سے متّصف نہیں کیا جاتا۔

کاتب ذخیرہ گاہِ محمدی سے لکھتا ہے[1]؛ یہ وہی (ذخیرہ) ہے جہاں ہر پُر حکمت معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔[۵۸] وہ (کاتب) یہ معاملہ ذخیرہ گاہ محمدی سے ایسے اخذ کرتا ہے جیسے یہ اپنے متعلَق کے لیے وضع کیا جاتا ہے، اگر یہ قابل تعریف ہو تو وہ بھی ایسا ہی (لکھتا) ہے؛ اِس وقت کاتب کو علم اور عین[۵۹] حاصل ہوتا ہے، (یہ اس کا) حال اور مقام نہیں؛ کیونکہ اس (کاتب کا مقام) تو اِس سے بہت بڑھ کر ہے جو وہ لکھتا ہے، لہٰذا اِس سے صرف بھلائی ہی صادر ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات میں ارادہ (الٰہیہ) کے ساتھ ہوتا ہے اور اپنے کام میں - جو کہ کتابت ہے - ذخیرہ گاہ محمدی کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس جو ایک معاملے کو دو معاملوں میں لوٹا دے تو وہ اس معاملے کا پیامبر اور مخاطب ہوتا ہے، سو کتابت اس کے ظاہر سے ہے اور کاتب اس کے باطن سے۔

رسول کی حقیقت کاتب کے حال اور مقام میں اُس کی معاون ہوتی ہے، جبکہ (کاتب) کا حال یا اُس کا حق لکھنے اور افعال میں اُس کا مددگار ہوتا ہے۔ نگران کی حیثیت میں اس میں فرق ہے جبکہ ذات کی حیثیت میں یہ واحد ہے۔ اور یہ سب کچھ کاتب کی ذات میں نہیں؛ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی تقدیس کو تغییر اور اس کی علیین کو سجین میں بدلنا چاہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ لیکن یہاں ایک راز ہے جسے ہم سوال کی صورت میں پیش کرتے ہیں تاکہ اس کی طلب میں ہمت بلند ہو، ہم کہتے ہیں: کیا اِس کاتب کا سجین میں ہونا محال ہے کہ ہم یہ کہیں: ابو جہل اور دیگر

---

[1] کیونکہ تمام علوم ذخیرہ گاہ محمدی میں موجود ہیں۔

وبعلّيّين سجّينا لما منعه من ذلك مانع. لكن هنا سرٌّ نسوقه في معرض السؤال لترتفع الهمّة إلى طلبه، وهو أن نقول: أمِنَ[1] المحال أن يوجد هذا الكاتب[2] في سجّين حتّى نقول: إنّ بعض أبي جهل وغيره من الفراعنة في علّيّين - أعني كاتبه وحقيقته - وبعضه في سجّين؟ أو تكون المشيئة في حقّ المعتنَى به تقدّس كاتبه وحقيقته، وغير المعتنَى به[3] في سجّين؟ وإن كان محالا ارتفاعُه عقلا فقد شقي الشقيّ بكلّيّته. فانظروا في كشف هذا السرّ[4] المستور، وفتح هذا الباب المقفَل من أنفسكم لا من غيركم.

قلنا: فهذا الكاتب موجودٌ شريفٌ اصطنعه الخليفة لنفسه، واتّخذه سميرا لأنسِه. فممّا يجب عليه أن يكون حسن الخلق، صبورًا حمولًا للأذى، كاتما للأسرار الملكُوتِيَّة، فصيحا بليغا يستدرج المعاني الكثيرة في عبارات وجيزة تنبئ عنها صريحا، لا يسوق نصّا في كتابه إلّا في مقام يأمن عقابه، فإن لم يأمن فليسق من الألفاظِ في كتابه ما يحتمل معنيين فصاعدًا، حتّى لو ظهر على الإمام في بعض كتبه شيء يعطيه أحد محتملات اللفظِ، وكره الإمام ذلك، عدل الإمام إلى الاحتمال الثاني الذي يحتمله ذلك اللفظُ، والله كثير العفو والتجاوز.

فإنّه إذا دخله الاحتمال[5] سقط كونه دليلا على شيء معيّن، وهذا من مهارة الكاتب وثقابته، وأن يجمع بين اعتدال حروفه ومعانيه، ولا يستعمل في كتابه إلّا الألفاظ الصقيلة المعتادة الخطابيّة الّتي لها وَقْعٌ في النفس وتعلّق بالقلب. وأن يبدأ في سجلّاته بالحمد والثناء والصلاة، ثمّ يأخذ في عدل الإمام وأوصافه الحسنة الشريفة ومقامه المنيف ويرغَبُ فيه، ثمّ بعد ذلك يذكر ما أُمر به فإن كان خيرا فهو المرغوب،

---

[1] ف: من.

[2] ش: الكتاب.

[3] ل، م: - به.

[4] ي: الستر.

[5] ش: + الثاني.

فرعونوں کا کچھ حصہ -میرا مطلب ہے ان کا کاتب اور حقیقت- علیین میں ہے، اور کچھ حصہ سجین میں ہے؟ یا پھر عنایت الٰہی والوں کے حق میں مشیت ان کے کاتب اور حقیقت کو پاک کرنا ہے اور جنہیں عنایت الٰہی حاصل نہیں وہ سجین میں ہیں؟ اگرچہ عقلاً شبہ اٹھنا محال لگتا ہے لیکن بد بخت اپنی کلیت میں بد بخت ہے۔ اس مستور راز اور اس مقفل باب کو اپنے (نہ کہ غیروں) کے نفوس سے کھولنے پر غور کر۔

ہم کہتے ہیں: یہ کاتب ایک شریف موجود ہے جسے خلیفہ نے خود سے مخصوص کیا اور اپنے انس کا ساتھی بنایا۔ لہذا اس (کاتب) کو چاہیے کہ بہترین کردار اپنائے، صابر و بُردبار ہو کر تکالیف برداشت کرے، اِسے چاہیے کہ عالم غیب کے اسرار چھپائے، فصاحت و بلاغت میں ایسا ہو کہ مختصر عبارات میں ایسے کثیر معانی لائے کہ مطلب واضح ہو جائے، اپنی کتاب میں صرف وہی عبارت لائے کہ جس کے انجام سے بچ پائے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ذو معنی الفاظ کا استعمال یقینی بنائے، کہ اگر امام کو اس کی کتابت میں کسی لفظ کے احتمالات میں سے کچھ پسند نہ آئے تو امام اس لفظ کے عطا کردہ دوسرے احتمال کی طرف جائے، بیشک اللہ بہت عفوو درگزر والا ہے۔

کیونکہ جب کسی لفظ میں احتمال آ جائے تو اُس کی کسی ایک معین چیز پر دلالت ختم ہو جاتی ہے، اور یہ کاتب کی مہارت اور دانائی ہے کہ وہ حروف اور اُن کے معانی کے درمیان برابری لائے، اپنی کتاب میں ایسے مزین خطابی الفاظ استعمال کرے جو سیدھے نفس سے ٹکرائیں اور دل میں اتر جائیں۔ اپنی دستاویزات کی ابتدا حمد و ثنا اور صلوٰۃ (وسلام) سے کرے، پھر اس کے بعد امام کے عدل، اِس کے بہترین وبلند پایہ اوصاف، اور اس کے عالی مقام کا تذکرہ کرے، اور اس (مقام) کی رغبت رکھے۔ پھر وہ کچھ لکھے جس کا اِسے حکم دیا گیا، اگر یہ بھلائی ہے تو مطلوب ہے، اور اگر ایسا نہیں تو بایزید بسطامی سے پوچھا گیا: کیا عارف بھی گناہ کرتا ہے؟ فرمایا: ﴿اللہ کا حکم ایسی تقدیر ہے جو لکھی جا چکی﴾

وإن كان غير ذلك فقد قيل لأبي يزيد: أيعصي العارف؟ قال: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَراً مَقْدُوراً﴾[1]

واعلم يا أخي، أنّ الكاتب إذا كان على ما ذكرناه فهو قَرع باب الصدّيقيّة ومن ثَمَّ يحصُلُ له «ما رأيتُ شيئا إلّا رأيت الله قبله».

فصل في الكتاب

ولّما كانت اليمين (هي) الكاتبة، افتقرنا إلى قلم ودواةٍ، واستمداد ولوحٍ يقع فيه الخطّ كالحقّ واليمين، والنّون، والقلم الأعلى، واللوح المحفوظ وما هو مثل التخطيط في الحال، وارتقام الأمثلة في اللوح، ومثل ما يكون إيجاد العوالم الصادرة عن الأمثلة المرقومة في اللوح.

فافهم اللوح المحفوظ هنا ولوح المحو والإثبات، وانظر كيف أثبتناه حاويا لما لا يتناهى في رقمه، وكلّ ما دخل في الوجودِ متناهٍ، فابحث كيف لا يتناهى، ومَا هو في العالم الأصغر كالقطب، ولعلّه السرّ الموقور في الصدر، وهو موضع يحتاج العارف الالتجاء في معرفته. فاللوح هو محلّ الكتابة فلنسمّيه الكتاب ونقول: إنّه ينقسم قسمين: كتابٌ مرقوم وكتابٌ مسطور. قال الله - تعالى -: ﴿وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ﴾[2] وقال: ﴿كِتَابٌ مَرْقُومٌ﴾[3] فأقسم بالمسطور، وأخبر عن المرقوم أنّه[4] في محلّين: في سجّين وفي[5] علّيّين، فالمسطور في عالم الأرواح والمرقوم في عالم الغيب والشهادة.

---

[1] [الأحزاب: ٣٨]

[2] [الطور: ٢]

[3] [المطففين: ٩]

[4] ف: - أنه.

[5] ف: - في.

اے بھائی! یہ جان، اگر کاتب ایسا ہوا جیسا ہم نے بتایا تو اُس نے صدیقیت کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور یہاں اِسے یہ ملا: "میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ کو اس سے پہلے دیکھا۔"[٦٠]

کتاب کا جزو:

چونکہ دایاں ہاتھ لکھنے والا ہے تو ہمیں قلم، دوات، سیاہی اور اُس تختی کی ضرورت ہے کہ جس پر لکھا جائے، جیسا کہ حق، یمین، نون، قلم اعلیٰ، لوحِ محفوظ، یا حال کے نقوش اور لوح پر رقم مثالیں ہیں، یا جیسا عوالم کی ایجاد اِن مثالوں سے ہے جو لوح پر لکھی گئیں۔

(اے سالک!) یہاں لوحِ محفوظ اور لوحِ محو و اثبات (کے فرق) کو سمجھ، اور دیکھ کہ ہم نے اِسے کیسا جامع قرار دیا، کہ اِس لکھنے کی کوئی انتہا نہیں، وجود میں داخل ہر شے متناہی ہے، پس غور کر کہ یہ کیسے لا متناہی ہے، یا جو کچھ عالم اصغر (یعنی انسان) میں ہے جیسا کہ قطب (یعنی قلب)، شاید یہ سینے میں پیوست راز ہی ہے، یہ ایسی جا ہے کہ عارف اس کی معرفت میں وسیلے کا محتاج ہے۔ لوح لکھنے کی جا ہے چنانچہ ہم اِسے کتاب کہتے ہیں، ہم کہتے ہیں: اس کی دو اقسام ہیں: ۱-کتابِ مرقوم، ۲-کتابِ مسطور۔[٦١] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قسم ہے طور کی، اور کتابِ مسطور کی﴾ اور فرمایا: ﴿اور کتابِ مرقوم﴾ اُس نے مسطور کی قسم کھائی اور مرقوم کے بارے میں بتایا کہ یہ دو جگہوں پر ہے[٦٢]: سجین میں، اور علیین میں۔ لہٰذا مسطور عالم ارواح میں ہے[٦٣] جبکہ مرقوم عالم غیب و شہادت میں ہے۔

حقائق کی جہت اور کشفِ صحیح کی رو سے مرقوم ہی بعینہٖ مسطور ہے، لیکن جب ملا اعلیٰ والوں نے اِس کا صرف ایک رخ دیکھا؛ وہ جو کہ ان کے سامنے تھا، اور جو عالم امر کے لیے ہے؛ تو یہ مسطور ہوئی۔ چونکہ انسان نے بلندی اور پستی دونوں کو جمع کیا تو اِس نے دونوں رخ دیکھے، یوں

ومن جانب الحقائق أنّ المرقوم هو المسطور عينه من جانب الكشف الصحيح، لكن لمّا لم يعاين منه الملأ الأعلىٰ إلّا الوجه الواحدَ الذي مِن قِبَلها وهو لعالم الأمر؛ كان مسطورا، ولمّا كان الإنسان قد جمع العلو والسّفل أشرف علىٰ الوجهين وكان له مرقوما. فما ولي الراقم فهو المسطور، وهو الموضع المشكل؛ موضع انعقاد الخيوط وتداخل بعضها علىٰ بعض، وما ولي الأرض من الكتاب كان مسطورا أيضا، ومرقوما باعتبار الوجه الذي يلي الراقم في حقّ من شاهدهما. فهذا المسطور الأرضي هو علم الفقهاء؛ أصحاب علوم الأحكام، المحجوبة قلوبهم بحبّ الدنيا عن[1] معاينة الملكوت.

فالملائكة في المسطور من عالم الأمرِ العلويّ، والفقهاء المحجوبون في المسطور من عالم الخلق السفليّ، والمحقّقون في المرقوم بمشاهدة الوجهين: فما ولي الأرض شاهدوه حسّا، وما ولي الراقم وهو ما فوق العرش في حقّ سرّ المحقّق، وما فوق السماء في حقّ بعض عوالم الأمر شاهدوه قلبا وعقلا ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡۖ قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ﴾[2] تجلّىٰ لهم فخاطبوه، فخاطبهم فانحجبوا، فإذا خرقوا الحجاب وانعدمت في حقّهم الأسباب، نظروا إلىٰ سرّ القدر كيف تحكم[3] في الخلائق ولحظوا الأمرَ علىٰ مبدئه؛ فإن شاءوا صمتوا، وإن شاءوا نطقوا. فخطابه لهم كتابه في قلوبهم؛ وهي الألواح المحفوظة المكتوب فيها ﴿مِن كُلِّ شَيۡءٖ مَّوۡعِظَةٗ وَتَفۡصِيلٗا لِّكُلِّ شَيۡءٖ﴾[4] وفيها يقرءون، وعنها يخبرون، وتلك (هي) الخواطر الربّانيّة.

فيا أيّها السيّد: تفطّن لهذا الكاتب، فإنّه وإن كان لك منصبُ الإمامة فله منصبُ الخطابة، لا تستقلّ بها دونه فهو الإمام فيها، لو حصلتَ معه فيها لخدمته،

---

[1] ف: من.

[2] [سبأ: ٢٣]

[3] ي: يحكم.

[4] [الأعراف: ١٤٥]

یہ اِس کے لیے مرقوم ہوئی۔ (اس کا جو حصہ) کاتب سے قریب ہے تو وہ مسطور ہے؛ یہ اشکال کا مقام ہے؛ اِس جگہ سب دھاگے ملتے اور ایک دوسرے میں ضم ہوتے ہیں، کتاب کا جو حصہ زمین (یعنی عالم اجسام) سے قریب ہے تو (اِس رخ سے) وہ بھی مسطور ہے، لیکن ایک دوسرے رخ سے راقم کے قریب والا حصہ مرقوم ہے، یہ اُس کے حق میں جو ان دونوں (رخوں) کو دیکھے۔ یہ زمینی مسطور فقہا کا علم ہے؛ جو علوم احکام والے لوگ ہیں، جن کے دل دنیا کی محبت میں ایسے گم ہیں کہ انہیں ملکوت کی خبر نہیں۔[٦٤]

پس مسطور میں فرشتے علوی عالَم امر سے ہیں، اور مسطور میں محجوب فقہا سفلی عالَم خلق سے ہیں، جبکہ محققین مرقوم میں ہیں کہ یہ دونوں رخوں کا مشاہدہ کرتے ہیں: جو زمین سے ملا ہوا ہے اُسے جِس سے دیکھتے ہیں اور جو راقم (یعنی کاتب) سے ملا ہوا ہے۔ یہ محقق راز (یعنی انسان کامل) کے لیے عرش سے اوپر کا عالم ہے، اور چند عوالم الامر کے لیے آسمان سے اوپر کا عالم ہے۔ تو یہ اسے دل اور عقل سے دیکھتے ہیں ﴿حتی کہ جب ان کے دلوں پر سے پردہ اٹھتا ہے تو پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا؟ کہتے ہیں: حق (کہا)﴾ اُس نے اِن پر تجلی کی تو انہوں نے اُس سے بات کی، پر جب اُس نے اِن سے بات کی تو یہ حجاب میں آ گئے، لیکن جب انہوں نے یہ حجاب چاک کیا اور ان کے حق میں اسباب معدوم ہوئے تب انہوں نے تقدیر کے راز کو دیکھا کہ یہ کیسے مخلوقات کو قابو میں کیے ہے، انہوں نے معاملے کو اِس کے موجد کی نسبت سے دیکھا؛ اگر (اس کا اظہار نہ کرنا) چاہا تو خاموش رہے اور اگر (اظہار کرنا) چاہا تو بول پڑے۔ اُس کا اِن سے خطاب اِن کے دلوں میں اُس کی کتاب ہے؛ یہ (دل) تو وہ محفوظ تختیاں ہیں جن پر ﴿ہر چیز کی نصیحت اور تفصیل لکھی ہوئی ہے﴾ یہ انہی (تختیوں) کو پڑھتے ہیں، اور انہی سے سب بتاتے ہیں، اور یہی خواطر ربانیہ ہیں۔

لہٰذا اے سردار! اس کاتب کو سمجھ، اگر تجھے منصبِ امامت حاصل ہوا تو اسے منصب خطابت ملا، تو اس کے بغیر (یہ منصب) نہیں سنبھال سکتا کیونکہ وہ بھی اس میں امام ہے، اگر تو (اس منصب میں) اُس کے ساتھ ہو گا تو اُس کی خدمت کرے گا، لیکن تیری اِس محیط امامت میں حق قائم کرنے کے لیے اِس کا اور اس کے گروہ میں شامل دوسروں کا بڑا ہاتھ ہے؛ لہٰذا اس کا احترام

ولكن لإقامة الحقّ لك في الإمامة الإحاطيّة دخَل هذا وغيره في حزبها؛ فراعِ حرمته؛ فهو صاحب طابعك، والمخاطِب عنك، فتحبّب[1] إليه وإلّا أفسد عليك ملكك؛ فإنّ الوزير مفتقر إليه. فغايتك وغاية وزيرك تدبير حضرة مسكنك، وكتبه تمشي في باديتك بما يريده، لا بما تريده أنت، إن شاء ذلك.

واعلم أنّ الحضرة لا معنىٰ لها إلّا بباديتها، فإن فسدتِ البادية وثارت عليك أدّىٰ ذلك إلىٰ فساد ملكك، وأنّىٰ لك بتلافيه! فهو الأمين علىٰ الفجور والتقوىٰ، ومُلكك يقبل الصفتين معًا. وقد نصحتك فالزم.

توقيع ربّاني:

نفذ الأمر المطاع الإلهيّ إلىٰ الخليفة الإنسانيّ، المبثوث فيه سرّ ألوهتي[2] بالتردّد بين إنّيّتي وهويّتي، وقد أبحت وجهي لمن أراده بلا إرادة، ومزّقت الحجب تمزيقا لا يقبل ترقيعا ولا تلفيقا، وفزعت عن القلوب فتزيّنت بمعالم الغيوب، فاعكف في حضرتي ساجدًا، فإنّك لا تزال مشاهدًا؛ فإنّ الرؤية في السجود والحجاب في الوقوفِ، فإنّي القيّوم القائم ﴿عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾[3] فافهم ما سطرته، وانظر فيما رسمته؛ فإنّه لا خطاب في الرؤية، ولا رؤية في الخطاب. والسلام عليك سلام مَن لم ينفصل عنك ولا اتّصل بك، ورحمة الشهود، وبركات الوجود.

توقيع ملكي:

نفذ الأمر الحتم إلىٰ الملَك الكريم: أُنـزُل علىٰ قلب الخليفة الإنساني، فإنّك تجده علىٰ أحد ثلاثة أحوالٍ: إمّا معي، أو مع نفسه، أو مع عدوّه إبليس.

---

[1] ي: وتحبب.

[2] ل،م، ش: ألوهيتي. ف: ألوهيته.

[3] [الرعد: ٣٣]

کر؛ کیونکہ یہ تیرا مُہر بردار اور ترجمان ہے، اِس کے ساتھ محبت سے پیش آ نہیں تو یہ تیری مملکت تباہ و برباد کر دے گا؛ کیونکہ وزیر اِس کا محتاج ہے۔ تیری اور تیرے وزیر کی غایت تیرے رہائشی علاقوں کی تدبیر کرنا ہے، جبکہ اِس (کاتب) کی تحریریں تیرے دیہاتی علاقوں میں ویسے جاتی ہیں جیسے وہ چاہتا ہے، نہ کہ جیسے تو چاہتا ہے، اگر وہ ایسا چاہے۔

جان لے کہ شہروں کا دارو مدار دیہاتوں پر ہوتا ہے، اگر دیہی آبادی تیرے خلاف علم بغاوت بلند کریں تو یہ تیری مملکت کی بربادی کا باعث ہو گا، تو معاملات کو کیسے سدھارے گا! کہ یہی بدکاری اور پرہیزگاری پر امین ہے، تیری رعایا تو یہ دونوں صفات قبول کرتی ہے۔ میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے اب اسے پلے باندھ لے۔

حکم نامۂ رب:

اطاعت نامۂ الٰہی خلیفۂ انسانی۔ جس میں میری الوہت کا راز میری انّیت اور ھویت کے درمیان متردد پھونکا گیا۔ کو یوں جاری ہوا: بیشک میں نے اپنا چہرہ اُس پر ظاہر کیا جسے میں نے بلا ارادہ چاہا، اور میں نے تمام حجابات کو چاک کیا کہ اَب نہ تو یہ جُڑ سکتے ہیں اور نہ ہی سِل سکتے ہیں؛ میں نے قلوب سے پردے اٹھائے اور تو یہ غیوب کے عوالم سے آراستہ ہوئے، لہٰذا میرے حضور سربسجود ہو، کہ تو ہمیشہ مشاہدے میں رہے گا؛ کیونکہ رویت سجود میں اور حجاب وقوف[۶۵] میں ہے، بیشک میں ہی القیوم اور القائم ہوں ﴿ہر اُس نفس پر جس نے کمایا﴾ پس غور کر جو میں نے لکھا اور اسے سمجھ جو نقش کیا؛ کیونکہ رویت میں کلام نہیں، اور کلام میں رویت نہیں۔ اور تجھ پر سلامتی۔ ایسی سلامتی جو نہ تجھ سے جدا ہے اور نہ جڑی ہے۔ شہود کی رحمت اور وجود کی برکات ہوں۔

حکم نامۂ فرشتہ:

حتمی حکم نامہ صاحبِ تکریم فرشتے کو یوں جاری ہوا: خلیفۂ انسانی کے دل میں جا، بیشک تو اُسے اِن تین احوال میں سے کسی ایک حال پر پائے گا: ۱- میرے ساتھ، ۲- اپنے نفس کے ساتھ، ۳- یا اپنے دشمن ابلیس کے ساتھ۔

فإن وجدتَه معي: فلا تلق إليه شيئا ممّا أوقعت لك في هذا التوقيع؛ فإنّي[1] أتولّاه بنفسي. لا أَكِلُ مَن توجّه إليّ وآثرني على كلّ أحدٍ إلى غيري؛ فأنا أتولّى سياسة قلب عبدي. فتأدّب أيّها الملَك الكريم، ولا تشعره بنزولك؛ فيفرَق ويبادر إليك لمعرفته بأنّك من عندي، من جهة اسم مّا. فتوارىٰ عنه، واحفظه من نفسه وشيطانه، وجاهدهما ما استطعتَ.

وإن وجدتَه مع نفسه: فأخطر له محادثة منك في سرّه من غير أن يشعر بك القرين العدوّ ولا النفس.[2] أن يأفل أنفاسك محسوبة عليك، وأوقاتك عليك شهداء، فإيّاك والمباح فتندم، وإيّاك والمحظور[3] والمكروه فتشقىٰ، وعليك بالمحجّة البيضاء، وأدَاء ما افترض الله عليك. وإذا أردتَ فعل مباح من المباحات من أكل وشرب ونوم وغير ذلك فلا تتناوله تناول العامّة فتندم أو تشقىٰ، ولكن تناوله بتنزيه وعبادة:

أمّا التنزيه: فأن تتناوله برؤية نقصك وافتقارك إلى الحقّ فيه، وتنزيه الحقّ عن حاجته لذلك كما قال - تعالى -: ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾[4] فقد نبّهك وعلّمك.

وأمّا العبادة: فأن تنظر في ذلك من جهة ما يليق فتتّخذه عونا على عبادتك، كالأكل للقوّة على أداء الصلاة والفرائض من جهاد وغيره، والنوم للقوّة على قيام الليل والنكاح، لا لإنزال الشهوة ولكن[5] لولدٍ صالح أو اعتصام عن مواقعة محرّم، والفرجةِ للاعتبار وإماطة الأذىٰ وإرشادِ الضالّ وإغاثة الملهوف، وما أشبه ذلك فهذه

---

[1] ل، م: وإني.

[2] عبارة موجودة في شرح التدبيرات الإلهية للشيخ البيتامي، المخطوط: وإن وجدته مع ابليس عدوه: فحل بينه وبينه، وأشرق عليه بنور ملكيتك؛ فإنها تحرق ناريته. وإياك يخلص إلى قلبه الذي هو بيت ربه. وإياك أيضا.

[3] ش: + والمنكور.

[4] [الانعام: ١٤]

[5] ص ٥٥.

اگر تو اُسے میرے ساتھ پائے: تو اُسے ایسا کچھ مت بتا جو میں نے تجھے اِس حکم نامے میں اُسے بتانے کو کہا؛ کہ میں اسے خود بتا رہا ہوں۔ جو میری طرف متوجہ ہو جائے اور سب پر مجھے ترجیح دے تو اُسے میں کسی غیر کے حوالے نہیں کرتا؛ بیشک میں اپنے بندے کے دل کا نظام خود سنبھالتا ہوں۔ لہٰذا اے صاحب تکریم فرشتے! ادب سے پیش آ، اور اُسے اپنے آنے کا مت بتا؛ کہیں اس کی توجہ نہ ٹوٹ جائے اور وہ اِس لیے تیرے پاس جانے میں جلدی کرے کہ تو میرے کسی خاص اسم کی جہت سے میرا پیغام لایا ہے۔ (اے فرشتے!) اُس سے خود کو چھپا، اُس کے نفس اور شیطان سے اُسے بچا، اور جس قدر ہو سکے اِن دونوں کا مقابلہ کر۔

اگر تو اُسے اپنے نفس کے ساتھ پائے: تو چھپ کر اُس تک ایسے بات پہنچا کہ بیری (شیطان) اور نفس کو پتا نہ چلے۔ اسے کہہ: تیری یہ گنی چنی سانسیں بھی ختم ہو جاتی ہیں، اور تیرے یہ اوقات تجھ پر گواہ ہوں گے، لہٰذا اُس مباح سے بچ جو باعثِ ندامت ہو، اور اُس مکروہ اور ممنوع سے رک جو باعث شقاوت ہو، تجھے محجہ البیضاء (یعنی شریعت مطہرہ)[٦٦] پر چلنا چاہیے، جو کچھ اللہ نے تجھ پر فرض کیا اسے ادا کر۔ اگر تو مباح کاموں میں سے کچھ کرنا چاہے جیسے کھانا پینا سونا وغیرہ تو عام عوام کی طرح مت کر،[٦٧] مبادا یہ تیری ندامت اور بدبختی کا باعث بنے، بلکہ اسے تنزیہ اور عبادت سمجھ کے کر۔

تنزیہ اِس طرح کہ اسے کرتے وقت اپنے عیوب پر نظر رکھ کہ تو حق کا محتاج ہے، اور حق اِن حاجات سے منزّہ ہے، جیسا کہ اس متعال نے فرمایا: ﴿وہ سب کو کھلاتا ہے اور اُسے کوئی نہیں کھلاتا﴾ بیشک اُس نے تجھے بتایا اور سکھایا۔

عبادت اِس طرح کہ اسے (مباح کو) اِس کے لائق رخ سے دیکھ اور اِسے اپنی عبادت میں مددگار بنا؛ جیسے کھانا نماز کی ادائیگی اور دیگر فرائض مثلاً جہاد وغیرہ کے لیے قوت دیتا ہے، نیند رات کے قیام اور جماع میں معاون ہے، صرف شہوت کے لیے نہیں، بلکہ نیک اولاد اور حرام کام (یعنی زنا) سے بچاؤ کا ذریعہ ہے،[٦٨] سیر و سیاحت غور و فکر کے لیے ہے، اسی طرح تکلیف دور کرنے، گمراہ کو راستہ دکھانے، مجبور کی مدد کرنے یا اِس طرز کی دیگر خواطر حکم نامۂ الٰہی، اور فرشتے کی القا سے ہیں۔

خواطر المَلَك بالتوقيع الإلهيّ.

توقيع نفساني:

نفذ الأمر الإلهيّ الذي لا يُرَدّ إلى النفس البرزخيّة: أخطر إلى الخليفة الإنساني أن يفعل ما فيه راحته في الدنيا، ولا طلب عليه فيه في الأخرى، ولا له فيه أجر عندنا، فإن أجابك فهو لك لا لي، وإن أعرض عنك فهو لي لا لك، أو لمن هو له على حسب وقته. وإنّك ستجده على إحدى ثلاث: إمّا معي، أو مع المَلَك، أو مع الشيطان.

فإن وجدتَه معي: فتعرّض إليه؛ فإنّه يصير فراغك شغلا، ويرفع حجابك، وتسعد به. وإن وجدته مع المَلَك: فتأدّبي وقفي حتّى ينفصل الملك بالنوم أو بالغفلة والسّهو، وحينئذ تخطر له ذلك. وإن وجدتَه مع الشيطان: فزاحِمْهُ وحل بينهما وأتيه باللائمة ولا يغلبنّك عليه، وامضِ في سلطانك فيه وكده؛ فإنّ كيده ضعيف، واثبتي[1] على ما جئته به ولا تتنوّعي عليه فإنّه سيعود إليك.

توقيع شيطاني:

نفذ الأمر الإلهيّ الإرادي لا الأمري: انزل على الخليفة الإنساني بتعدّي الحدود وانتهاك المحارم والكفر والشرك والبغي والحسد والفحشاء، وعبادة غيري، فإن توقّف لك في أمر مّا فاعدل عنه إلى أمر آخر، ولا بدّ لك أن تجده على إحدى ثلاث: إمّا معي، أو مع الملك، أو مع النفس.

فإن وجدتَه معي: فانظر في أيّ باب هو وفي أيّ اسم، وأنزله من مملكتك الّتي

---

[1] ل، م، ف: واثبت.

حکم نامۂ نفس:

رد نہ کیا جانے والا الٰہی حکم نفسِ برزخی کو یوں جاری ہوا: (اے نفسِ برزخی!) خلیفۂ انسانی کو وہ کام کرنے کا کہہ جس میں اُس کے لیے دنیاوی راحت تو ہو لیکن آخرت میں اس پر کوئی پکڑ نہ ہو، اور نہ ہی ہمارے پاس اس کا کوئی صلہ ہو۔[۶۹] اگر اُس نے تیری بات مانی تو وہ تیرا ہے میرا نہیں، لیکن اگر اُس نے تیری بات نہ مانی تو وہ میرا ہے تیرا نہیں، یا پھر وہ اپنے وقت کے حساب سے اُسی کا ہے جس کے لیے یہ عمل کیا۔ (اے نفس!) تو اُسے تین میں سے کسی ایک حالت پر پائے گا: ۱-میرے ساتھ، ۲فرشتے کے ساتھ، ۳-شیطان کے ساتھ۔

اگر تو اُسے میرے ساتھ پائے: تو اُس کے سامنے آ[۷۰]؛ کہ وہ تیری فراغت کو کام سے بھر دے گا، تیرا حجاب اٹھائے گا اور تو اِس سے خوش بخت ہو گا۔ اگر تو اُسے فرشتے کے ساتھ پائے: تو ادب کر اور رک جا، یہاں تک کہ فرشتہ نیند، غفلت یا غلطی کی وجہ سے اُس سے دور ہو جائے، اِس کے بعد ہی تو اُسے اپنی بات بتا۔ اگر تو اُسے شیطان کے ساتھ پائے: تو شیطان کو اُس سے دور بھگا اور اُن دونوں کے درمیان آ جا، اور (خلیفہ) کو طعن ملامت کر، تیرے ہوتے ہوئے شیطان اس پر غالب نہ ہونے پائے، اپنی قوت سے اس کا مقابلہ کر اور چالیں چل؛ کیونکہ اس کی چالیں کمزور ہیں، اور جو بات تو اُس کے پاس لے کر آیا ہے اسی پر قائم رہ اور زیادہ باتیں مت کر کیونکہ یہ سب باتیں لوٹ کر تیری طرف ہی آئیں گی۔

حکم نامۂ شیطان:

ارادی-نہ کہ تشریعی- حکم نامۂ الٰہی شیطان کو یوں جاری ہوا: خلیفۂ انسانی کے پاس یوں آ کہ وہ حدود کی خلاف ورزی کرے، حرام چیزوں: کفر، شرک، بدکاری، حسد، فحاشی اور غیر اللہ کی عبادت کا مرتکب ہو۔ اگر وہ کسی معاملے میں تیری پیروی سے رُک جائے تو اِسے چھوڑ کر کسی دوسرے معاملے کی طرف چل پڑ، تو لازماً اسے تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر پائے گا: ۱-میرے ساتھ، ۲-فرشتے کے ساتھ، ۳- نفس کے ساتھ۔

اگر تو اُسے میرے ساتھ پائے: تو دیکھ کہ وہ کس باب (یعنی مقام) اور کسی اسم کے ساتھ

ملّكتك إيّاها من عالم الخيال من جنس الحقيقة الّتي هو معي فيها، حتّىٰ ترىٰ عصمتي لأوليائي، وحفظي لهم، وغيرتي عليهم، كيف هو[١]. فإذا نزل إلىٰ أفعالي أو صفاتي فألق له ممّا في توقيعك؛ فإن قبِله فهو لك في ذلك الوقت، ثمّ يتوب فيحور[٢] وزره عليك تُعذّب به في نار جهنّم خالدًا مخلّدًا فيها أبدًا، وإن أشرك[٣] فهو لك، وعذابه عليه وعليك.

وإن وجدتَه مع الملَك: فحارِبه؛ فإن غلبتَه بقيتُ أنا؛ فإن خذلتُ عبدي ملّكتك ناصيتَه، وإن نصرتُه فأمران: إمّا أن لا يقبل منك، وإن قبِل؛ قلبَ عينَها، فعاد ما نصبتَ له بُعدًا قربةً إليَّ، وحارَ[٤] كيدك عليك.

وإن وجدتَه مع النفس: فزيِّن لها العاجلة وابسط لها الأمل؛ فإن اشتغلتْ به فألْقِ؛ فإنّه عبد مطاع لك في الحال، وأنا معه بين الخذلان والنّصرة، أحكم بعلمي فيه وأنا العليم القدير.

فهذا – أيّها السيّد الكريم – توقيعات الحقّ في الوجود المعبّر عنها بالخواطر، قد أوضحت لك مكانتها، وإنّ كاتبك من أعرف الناس بها، وهؤلاء الثلاثة تحت تسخيره، والحقّ – تعالىٰ – يجيبه فقد حاز العلم الإحاطي والمقام، فاعرف قدره ولا تنزل به عن درجته، فإنّ هذه التوقيعات بيده، وأمرها لا يردّ، وما أتي علىٰ الملوكِ قديما[٥] إلّا من مجالسها، ولا تغيّر حالها إلّا من بساطها.

فتفقّد بساطك الكريم، وميّز بين الولي والعدوّ فيه بفعلك معه، والإحسان في الجملة، مقيّد ومسدّد، يذهب بالضغائن، ويزيل الحقد، ويُثمر المودّة والغيرة

---

[١] ش: هي.

[٢] ش: فيحول. يحور: يرجع.

[٣] ي: اشترك.

[٤] ش: وصار.

[٥] ش: + من إصلاح أمر.

ہے، پھر اِسے اپنی مملکت - جس کا میں نے تجھے مالک بنایا- میں سے عالم خیال میں اس حقیقت کی جنس میں اتار جس میں وہ میرے ساتھ حاضر ہے، تا کہ تو دیکھ سکے کہ میں اپنے دوستوں کی حفاظت کیسے کرتا اور انہیں کیسے بچاتا ہوں، اور ان کے لیے میری غیرت کا کیا مقام ہے۔ پھر جب وہ میرے افعال اور میری صفات میں اُتر آئے تو اس پر اپنے حکم نامے میں لکھا القا کر ؛اگر اُس نے تیری بات مانی تو وہ اِس وقت تیرا ہو گا، پھر اگر اس نے توبہ کی تو یہ گناہ تیری طرف لوٹ آئے گا اور تو اس کی سزا میں ابد الآباد عذاب جہنم کا مزہ چکھے گا، اگر اس نے شرک کیا تو وہ تیرا (پیروکار) ہو گا اور اِس (گناہ) کا عذاب تم دونوں کے سر ہو گا۔

اگر تو اُسے فرشتے کے ساتھ پائے: تو اُس (فرشتے) سے جنگ کر ؛اگر تو اُس پر غالب آگیا تو صرف میں ہی باقی بچوں گا ؛اگر میں نے اپنے بندے کی مدد چھوڑ دی تو اُسے تیرے سپرد کر دوں گا، لیکن اگر میں نے اُس کی مدد کی تو دو باتیں ہوں گی: ۱- یا وہ تیری بات نہیں مانے گا۔ ۲- اگر اُس نے تیری بات مان بھی لی تو اِس کی حقیقت تبدیل ہو جائے گی، لہذا تیرا اُسے مجھ سے دور کرنا بعینہ اُسے میری قربت میں پہنچائے گا، اور تیرا وار تجھ ہی پر لوٹ آئے گا۔

اگر تو اُسے نفس کے ساتھ پائے: تو اُسے دنیا کا لالچ دے اور اُس کی امیدیں بندھا ؛اگر وہ اسی میں مصروف ہو جائے تو اُس پر القا کر ؛ کیونکہ ایسی حالت میں وہ تیرا فرمانبردار بندہ ہو گا، اور میں اُس کی مدد کرنے اور نہ کرنے کے درمیان ہوں گا، میں اِس بارے میں اپنے علم سے فیصلہ کروں گا، بیشک میں ہی صاحب علم اور صاحب قدرت ہوں۔

اے معزز سردار! وجود میں یہ حق کے وہ حکم نامے ہیں جنہیں خواطر کہتے ہیں، میں نے تجھ پر ان کے مراتب واضح کر دیئے، بیشک تیرا کاتب سب سے بڑھ کر اِن سے آگاہ ہے، یہ تینوں تو اُس کے تصرف تلے ہیں، حق تعالیٰ اِس کی مدد کرتا ہے، بیشک اس (کاتب) نے محیط علم اور اعلی مقام پایا، اِس کی قدر کر اور اسے اس کے منصب سے معزول مت کر، کیونکہ یہ تمام حکم نامے اِسی کے ہاتھ ہیں، اور اِن کا حکم لوٹایا نہیں جاتا۔ پرانے بادشاہوں پر تباہی اُن کی ہم مجلسوں سے ہی آئی، اور اِن کے حاشیہ برداروں نے ہی انہیں ڈبویا۔

لہذا اپنے مکرم حاشیہ نشینوں پر نظر رکھ، دوست اور دشمن کے درمیان ان کے عمل سے

والسلام.[1]

---

[1] م: بلغت قراءة.

فرق کر، احسان ہر حال میں لازم و ملزوم ہے؛ یہ بغض اور کینہ دور کرتا اور محبت، غیرت اور سلامتی پیدا کرتا ہے۔

الباب العاشر في المسدّدين، والعاملين أصحاب الجبايات والخراج

اعلم أيّها السيّد الكريم - حفظ الله عليك سلطانك - أنّ الله - تعالىٰ - قد رفع الموجودات بعضها علىٰ بعضٍ، وجعلها رئيسةً مرءوسة، ومالكة مملوكة. وأنّ الله - تعالىٰ - يطالبك يوم القيمة بالعَدْلِ في رعيّتك؛ باديتها وحاضرتها. وأنّ الله[1] سيسألهم عنك، كما قال: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا﴾[2] وقال: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[3] يعني بها، وقال: ﴿حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاؤُهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[4] وقال يبيّن الحقائق: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾[5] وأمثال هذا.

فالعين، والأذن، واللسان، واليد، والبطن، والفرج، والرجل من عمّالك وأمنائك[6] من أهل باديتك، وكلّ واحد منهم رئيس وخازن علىٰ صنف من أصناف المال الذي يجبيه. ورئيسهم وإمامهم الحِسُّ الذي ترجع إليه هذه الحواسّ كلّها بأعمالها[7]، وإنّ الحسّ برئاستِه ومملكتِه مرءوس تحت سلطانِ الخيال، والخيال بما فيه

---

[1] + ف، ش: تعالىٰ.

[2] [الاسراء: ٣٦]

[3] [النور: ٢٤]

[4] [فصلت: ٢٠]

[5] [فصلت: ٢٢]

[6] ش: أمنائك وعمّالك.

[7] ش: + إليه.

دسواں باب: قائم مقام عاملین، اصحاب محصولات اور خراج

اے معزز سردار! -اللہ تیری سُلطانی کی حفاظت کرے- جان لے کہ اللہ تعالی نے بعض موجودات کو دیگر بعض سے بلند کیا، کہ انہیں آقا و غلام، مالک اور مملوک بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تجھ سے تیری - آباد و غیر آباد - رعایا کے عدل کے بارے میں پوچھے گا۔ اللہ اُن سے تیرے بارے میں بھی پوچھے گا، جیسا کہ اُس نے فرمایا: ﴿بے شک سماعت، بصارت اور قلب، ان سب سے پوچھا جائے گا﴾ اور فرمایا: ﴿جس روز اُن کی زبانیں، اُن کے ہاتھ اور اُن کی ٹانگیں اُس پر گواہی دیں گی جو وہ کیا کرتے تھے﴾ یعنی جو کچھ وہ اِن سے کیا کرتے تھے، اور فرمایا: ﴿یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے، تو اُن کے کان، آنکھیں اور اُن کی جِلدیں اُن کے اعمال کی گواہی دیں گی﴾ اور پھر حقائق بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اور تم یہ گمان نہ رکھتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری جِلدیں ہی تم پر گواہی دیں گی﴾ یا اسی طرز کی دیگر آیات۔

پس آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیٹ، شرم گاہ اور ٹانگ تیرے بیابانوں میں تیرے ملازم اور وفادار ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک مال کی اُس صنف کا صدر اور خزانچی ہے جو اُس کے پاس محصولات کی شکل میں آتی ہے۔ اِن سب کا سردار اور امام تو حِس ہے کہ جس کی طرف سارے حواس اپنے اعمال لوٹاتے ہیں، اور حِس اپنی اِس سرداری اور صدارت میں قوتِ خیال کے تابع ہے، اور خیال - کہ اس میں درست بھی ہے اور فاسد بھی - قوتِ ذکر کے تابع ہے، اور ذکر قوتِ فکر کے تابع ہے، اور فکر سلطانِ عقل کے زیر اختیار ہے، جبکہ عقل تیری وزیر ہے اور تو وہ بادشاہ اور امام ہے جسے روح قدسی کہا جاتا ہے۔

من صحّةٍ وفسادٍ مرءوس تحت سلطان الذِّكر، والذكر مرءوس تحت سلطان الفكرِ، والفكر مرءوس تحت سلطان العقلِ، والعقل وزيرك وأنت الرئيس الإمامُ المعبّر عنه بالروح القدسي.

والذي ينبغي لك أيّها الإمام الكريم، إذ ولا يتمكّن أن تباشر الأشياء بنفسك، أن تجعل الأمر متّحدًا؛ فتنظر في أمينٍ ثقةٍ قويّ الجأش، ينظر في استخراج هذه الجبايات من أيدي الرَّعيّة على طريق العدل والسياسة، فإنّك لا بقاء لك دون بيت مالٍ ولا غنى عنه ألبتّة، وأنت مطالب بجميعها تطلبك الرعيّة بالرفق وحسن المعاشرة، ويطلبك من استخلفك بامتثال الأمر وتمشية العدل.

فاحذر هذين المقامين، ولا تولّ مسدّدًا ولا عاملًا إلّا عارفًا بقدر ماله وعليه شحيحا. وليكن واحدًا فإنّ الكثرة تؤدّي إلى الفسادِ في الأمر الواحد، فإنّك إن ولّيت أكثر من واحدٍ طلب كلّ واحد منهم الجاه عندك والظهور على صاحبه، فيظهرون الاجتهاد، والرعيّة ضعيفة، فربّما حملوا عليها ما لا تحتمله، فيكون ذلك سببا إلى قطيعتهم وهلاكهم، فالذي تفسده بهذا النظر أكثر ممّا تصلحه[1]. وقد قال - عليه السلام - «إنّ المنبتّ لا أرضا قطع ولا ظهرا أبقى» وقال: «من يشادّ هذا الدين يغلبه» وقال من استخلفك: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾[2] فصم وأفطر وقم ونم.

وقد اخترتُ لك مسدّدًا لن تعدم خيرًا ما دام معك. وقد نظرت له في وَزعةٍ يمشون معه، فابعثه على هذه الجباية بوزعته، فإنّك تحمد سيرته وتشكر بصيرته؛ ألا وهو العلم ووزعته الثبات، والاقتصاد، والحزم، والرفق. فإنّه إذا دخل إلى[3] عمالتك مع وزعته أقام ميزان العدل وحسن السياسة، فإنّه نافذ البصيرة يعرف خبث الرعيّة

[1] م: يصلحه.

[2] [الإسراء: ٢٩]

[3] ش: على.

لہٰذا اے معزز امام! چونکہ ہر کام تو خود نہیں کر سکتا اس لیے (اپنے معاملات) ایک حکم کے تحت لا، اور امانت دار، قابل بھروسا، طاقتور اور مضبوط اعصاب والے کسی شخص کو اس محکمے کا سربراہ بنا، جو رعایا کی جیب سے یہ محصولات عدل اور حکمتِ عملی سے نکلوائے، کیونکہ بیت المال کے بغیر تیرا گزارا نہیں، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تجھ سے اس سب کا پوچھا جائے گا، رعایا تجھ سے نرمی اور حسن معاشرت چاہتی ہے، اور جس (ذات) نے تجھے خلیفہ بنایا وہ تجھ سے حکم کی بجا آوری اور عدل و انصاف چاہتا ہے۔

لہٰذا اِن دو مقاموں سے ڈر، اور ایسا ملازم اور عامل مقرر کر جو نہ صرف مال کی قدر جانے بلکہ اِسے خرچ کرنے میں محتاط رویہ اپنائے۔ اور یہ کوئی ایک ہو کیونکہ کسی معاملے کے ایک سے زیادہ مدبر اِسے خراب کر دیتے ہیں۔ اگر تو اس منصب پر ایک سے زائد اشخاص مقرر کرے گا تو اِن میں سے ہر ایک تیری نظر میں مرتبہ چاہے گا، اور باقیوں کو نیچا دکھائے گا، وہ اس معاملے میں اجتہاد کریں گے، جبکہ رعایا کمزور ہے، ہو سکتا ہے وہ رعایا پر اتنا بوجھ ڈال دیں جسے یہ نہ اٹھا سکے، اور یہ عمل رعایا کے عدم تعاون اور تباہی کا موجب بنے، ایسی صورت میں تو اصلاح کی بجائے خرابی کا باعث ہو گا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا ارشاد ہے: "راستہ بھٹک جانے والے نے نہ سفر طے کیا اور نہ ہی کسی پیٹھ (مطلب سواری، اونٹ) کو باقی چھوڑا۔"[1] اور فرمایا: "جو اِس دین کے ساتھ سختی کرے گا تو وہ عاجز اور مغلوب ہو جائے گا۔" اور رب تعالیٰ کا کہنا ہے: ﴿نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ لے اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دے﴾ بلکہ روزے بھی رکھ اور ناشتے بھی کر، (رات میں) قیام بھی کر اور نیند کے مزے بھی لے۔

میں نے تیرے لیے ایک ایسا عامل چُنا ہے کہ جب تک وہ تیرے ساتھ ہو گا تیرا بھلا ہی کرے گا۔ اور میں نے اِس کے ساتھ چلنے والے ماتحتوں کا بھی سوچ رکھا ہے، لہٰذا اس (عامل) کو اِن ماتحتوں کے ساتھ بھیج، تو اِس کی سیرت کو سراہے گا اِس کی بصیرت کا مشکور ہو گا؛ جان لے کہ یہ علم ہی ہے اور اس کے ماتحت ثابت قدمی، میانہ روی، دور اندیشی اور نرمی ہی ہیں۔ جب یہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ تیرے اہلکاروں سے ملے گا تو بہترین حکمت عملی سے عدل کا میزان قائم کرے گا، کیونکہ یہ صاحبِ بصیرت ہے جو رعایا کی جعل سازیوں اور دھوکہ بازیوں سے آگاہ ہے، یہ اُن

ومكايدها، فيأخذ ما يجب له، ويكلِّف على قدر المصلحة والوسع ولا[1] يتجاوز. فاعتمد عليه وأمّره على من[2] ذكرناه من الرؤساء من أصحاب الخراج؛ فإنّك تحمد عاقبته إن شاء الله.[3]

[1] ل، م، ف: ولم.

[2] ش: ما.

[3] م: بلغت قراءة عليه، أحسن الله إليه، كتبه علي النشبي.

سے اُتنا ہی وصول کرے گا جتنا (ٹیکس) اُن پر لازم ہے، اُن کی وسعت اور مصلحت کے مطابق ان پر بوجھ ڈالے گا اور زیادتی نہیں کرے گا۔ اِس پر بھروسا کر اور اِسے محصولات ادا کرنے والے اصحاب۔ جن کا ہم نے ذکر کیا۔ پر حاکم بنا؛ بے شک تو اس کے نتیجے کو سراہے گا، ان شا اللہ۔

الباب الحادي عشر
في رفع الجبايات إلى الحضرة الإلهيّة، ووقوف الإمام القدسي عليها، ورفعها إلى الملك الحقّ سبحانه

اعلم أيّها السيّد الكريم: - إعلام تنبيه لا إعلام تعليم - أنّ الله - تعالى - هو ملِك الأملاكِ، وربُّ الأربابِ، وسيِّدُ السَّادات، والكلُّ عدمٌ بوجوده؛ إذ هو الموجود على الإطلاق، الذي لا بداية لوجوده، ولا نهاية لبقائه، ولا ظاهر ولا باطن في علمه في حقّه. بل الأشياء كلّها: قديمها وحديثها، أوّلها وآخرها، أسفلها وأعلاها إنّما ظهرت به، وإنّما رجعت إليه منه، لا يخرج شيء منه إلّا إليه. فجميع أعمالك كلّها خفيّها وجليّها هو - سبحانه - مطّلع عليها، فلا يطّلع لك[1] على ما يكرهه منك، ولا يجدك حيث نهاك، ولا يفقدك حيث أمرك، وأنت سميع مطيع.

أيّها السيّد الكريم:[2] تعيّن علينا التنبيه على كيفيّة وصول جباياتك إليك من الحضرة القلبيّة والحسّيّة، ومنك إلى الله - تعالى -.

أمّا الحضرة الحسّيّة: فإنها تجبي المحسوسات الّتي ذكرناها، والخيال أميرها، وصاحب خراجِه الحسُّ. فتأخذ الحواسّ جميع المحسوسات على اختلاف أصنافها، وتؤدّيها إلى الحسِّ؛ صاحب الخراج، فيرفعها في خزانة الخيالِ فيكتسب[3] هنالك اسما من جنس ما رفعت إليه، وزال عنها اسم المحسوسات، وانطلق عليها اسم المتخيَّلات. ثمّ يكون الخيال أيضا صاحب خراج تحت سلطان الذّكرِ، فيحفظها

---

[1] ف: منك.

[2] م، ش: إثبات كلمة "ثم" في الهامش. ي: شطب على كلمة ثم في المتن.

[3] ش: فتكتسب.

گیارہواں باب

حاضرت الٰہیہ میں محصولات کا پہنچایا جانا، امام قدسی کا ان پر وقوف اور بادشاہ حقیقی سبحانہ کے دربار میں پیش کرنا

اے معزز سردار! آگاہی کے لیے نہ کہ تعلیم کے لیے یہ جان، بیشک اللہ تعالیٰ ہی بادشاہوں کا بادشاہ، رب الارباب اور سرداروں کا سردار ہے۔ اُس کے وجود کے سامنے ہر ایک عدم ہے؛ کہ وہی موجودِ مطلق ہے، جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں اور جس کی بقا کی کوئی انتہا نہیں، اور اس کے لیے اس کے علم میں کوئی ظاہر اور باطن نہیں۔ بلکہ تمام قدیم و جدید، اول و آخر، پست اور بلند اشیا اُسی سے ظاہر ہوئیں، یہ اُس سے اُسی کی طرف لوٹتی ہیں، اُس سے جو شے نکلتی ہے وہ بھی اُسی کی طرف جاتی ہے۔ پس وہ (پاک) تیرے ہر خفیہ اور ظاہر عمل کو جانتا ہے، وہ تجھ سے وہ نہ جانے جو اسے تجھ میں پسند نہیں، وہ تجھے اس جگہ نہ پائے جہاں جانے سے اس نے تجھے منع کیا، اور وہاں غیر حاضر مت ہو جو کرنے کا اُس نے تجھے حکم دیا، تجھے بات سننے اور ماننے والا ہونا چاہیے۔

اے معزز سردار! ہم پر یہ بتانا لازم ہے کہ تیرے محصولات حاضرتِ قلبی اور حسی سے تجھ تک کیسے پہنچتے ہیں، اور تجھ سے اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے جاتے ہیں۔

جہاں تک حاضرت حِسی کا تعلق ہے تو یہ وہ محسوسات لاتی ہے جن کا ہم نے تذکرہ کیا، خیال اِس (حاضرت) کا امیر ہے اور حِس صاحبِ خراج۔ حواس تمام اقسام کی محسوسات کو جمع کر کے حس کے سپرد کرتے ہیں؛ جو کہ صاحبِ خراج ہے، پھر (حس) انہیں ذخیرہ گاہِ خیال میں لے جاتی ہے، وہاں اِن کا نام تبدیل ہو کر اُس جنس میں سے ہو جاتا ہے جس تک یہ لائے گئے؛ اِن کا نام محسوسات سے تبدیل ہو کر متخیلات پڑ جاتا ہے۔ پھر خیال خود قوتِ ذکر تلے صاحبِ خراج ہے، یہ (ذکر) اِن کی حفاظت کرتا ہے اور وہاں اِن کا نام متخیلات سے تبدیل ہو کر

وينتقل هنالك اسم المتخيّلات عنها إلى المذكورات أو المحفوظات.

ثمّ يرجع الذكر صاحب خراجٍ تحت سلطانِ الفكر، فيعرضها عليه فيسبرها ويخلّصها ويسأل الرعيّة عنها، ويفرّق بين الحقّ والباطلِ في ذلك؛ فإنّ الحسّ له أغاليط كثيرة، وينتقل اسم المذكورات عنها إلى المتفكّرات. فإذا سبرها وردّ منها إلى الحسّ ما غلط فيه، وأخذ منها ما صحّ ورحل به إلى حضرة العقل، صار الفكر صاحبَ خراج تحت سلطان العقل، فلمّا وصل إلى حضرة العقل دخل عليه، وعرض[١] عليه ما جاء به من العلوم والأعمال مفصّلة: هذا عمل السمع، هذا عمل البصر، هذا عمل اللسان حتّى يستوفي جميع ذلك.

وينتقل اسمها إلى المعقولات، فيأخذها العقل الذي هو الوزير، ويأتي به إلى الروح الكلّي القدسي، فتستأذن له النفس الناطقة فيدخل، فيضع جميع المعقولات بين يديه ويقول له: السلامُ على السيّد الكريم والخليفة، هذا[٢] وصل إليك من بادية حضرتك على يدي عمّالك.

فيأخذها الروحُ فينطلق إلى حظيرة[٣] القدس، فيخرّ ساجدا، وتلك السجدة قربٌ وقرعٌ لباب الحقّ حضرة القبول فيفتح، فيرفع رأسه، فتقع الأعمال من يده للدّهش الذي يحصل له في ذلك التجلّي، فينادى: ما جاء بك؟ فيقول: أعمال فلان بن فلان الذي جعلني سلطانك خليفةً عليه، قد رُفِع إليّ جميع الخراج الذي أمرتني بقبضه من بادية الحضرة. فيقول الحقّ: قابلوه بالإمام المبين الذي كتبته قبل أن أخلقه فلا يغادر حرفا واحدًا، فيقول: ارفعوا زمامه في علّيّين فيُرفَعُ، وهذا في سدرة المنتهى.

وأمّا إن كان في تلك الأعمال مظالم وما لا يليق؛ فلا تفتح لها أبواب السماء،

---

[١] ل: واعرض.

[٢] ش: + ما.

[٣] ي، ش، ف: حضيرة القدس.

محفوظات یا مذکورات ہو جاتا ہے۔

پھر ذکر قوتِ فکر تلے صاحب خراج ہے، جو اِن محصولات کو (فکر) کے سامنے مکمل طور پر چیک کرنے کے بعد پیش کرتا ہے، ان کا خلاصہ اخذ کر کے رعایا سے اِس بارے میں پوچھتا ہے، اور ان میں حق و باطل کی تفریق کرتا ہے؛ کیونکہ حِس کی بہت سی غلطیاں ہیں، یہاں مذکورات کا نام تبدیل ہو کر متفکّرات ہو جاتا ہے۔ جب یہ اِس کی جانچ پڑتال کر لیتا ہے تو حس کی اغلاط اُس کو لوٹاتا ہے، اور درست محصولات حضرت عقل کے پاس پہنچاتا ہے، یہاں فکر اختیارِ عقل کے تحت صاحب خراج ہوتی ہے، جب یہ حاضرتِ عقل کے پاس پہنچتی ہے تو ان علوم اور اعمال کو اُس کے سامنے مفصل انداز میں پیش کرتی ہے: یہ سماعت کا عمل ہے، یہ بصارت کا عمل ہے، یہ زبان کا عمل ہے، یہاں تک کہ تمام اعمال پیش کرتی ہے۔

تو اِس کا نام معقولات رکھ دیا جاتا ہے، لہذا عقل- جو کہ وزیر ہے- اِن (معقولات) کو لے کر "پاک کُلّی روح" کے حضور پیش ہوتی ہے، نفسِ ناطقہ اِس کے لیے اجازت طلب کرتا ہے تو یہ اندر جاتی ہے، وہاں یہ تمام معقولات اِس کے سامنے رکھتے ہوئے کہتی ہے: اے معزز سردار اور خلیفہ! السلام علیکم؛ آپ کے اہلکاروں کے ہاتھوں آپ کی غیر آباد سلطنت سے یہ (محصولات) اکٹھے ہوئے ہیں۔

روح انہیں لے کر بارگاہ قدس کی جانب چلتی ہے، وہ (درِ اقدس) پر سجدہ ریز ہوتی ہے، یہ سجدۂ قربت اور حاضرتِ قبول (یعنی) دروازۂ حق کا کھٹکھٹانا ہے، دروازہ کھلتا ہے تو روح اپنا سر اُٹھاتی ہے۔ حاضرت الٰہیہ کی دہشت خیز تجلی کے باعث نامۂ اعمال اس کے ہاتھوں سے گر پڑتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے: کیا لائی ہے؟ کہتی ہے: یہ فلاں بن فلاں کے اعمال ہیں جس پر آپ کی قدرت نے مجھے خلیفہ بنایا، میرے پاس اِس کی غیر آباد سلطنت کے وہ تمام محصولات پہنچ گئے جن کے جمع کرنے کا آپ نے مجھے حکم دیا۔ حق فرماتا ہے: اِس کا موازنہ امام مبین (یعنی لوح محفوظ) سے کرو؛ جسے میں نے اُس کی تخلیق سے پہلے لکھا، تو ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا، پھر وہ کہتا ہے: اِس کے اعمال کو علیین میں لے جاؤ، پس حکم کی تعمیل ہوتی ہے، اور یہ سدرۃ المنتہیٰ میں ہے۔

اگر اِن اعمال میں مظالم یا (اس پاک مقام) کے شایانِ شان اعمال نہیں؛ تو اُس کے لیے

ومحلّ وصولها لفلك الأثير، وهنالك يقع الخطاب كما وقع في الأوّل، ثمّ يؤمر بها فتودع في سجّين. قال - تعالى -: ﴿إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ﴾[1] وقال: ﴿إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ﴾[2] ويقول الحقّ للروح القدسي في سدرة المنتهى: «يا عبدي، هذه الأعمال رفعتك إلينا، وأحلّتك هذا المحلّ الأسنى، انظر أخاك وصاحبك دون السماء. فينظر إليه، فيعرف مِنّة الله عليه، فيشتغل بالمنّة عن المشاهدة، فيقول الحقّ: قد شغله فضلي عنّي، فيحتجب.

ولولا هذا ما صحّ أن يزول من تلك الحضرة، ولكن قد جعل الله لكلّ شيء سببًا لتتمّ الكلمة، قال - تعالى -: ﴿وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾[3] وقال: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾[4] وانتقل اسم الأعمال عندما وصلت إلى الروح من المعقولات، فأطلق عليها الأرواح، فكساها - سبحانه - لمّا نظر إليها حُلّةَ البهاء، وأقعدها على منبر الجلال، ونقل اسمها من الأرواح إلى الأسرار. فهذا معنى قول القائل: تزكوا الأعمال أي تتطهّر، وتعلو وتنمو، فتنتقل عليها الأسماء بانتقالها، وهي واحدة في ذاتها. فانظر ما أشرف حركة العبد في الطاعة.

وهناك يجتمع الظاهر والباطن، والشريعة والحقيقة، وعمل الجوارح وعملُ القلوب؛ أعني في حضرة العقل. وأمّا أعمالك السيّئات فإنّها تفترق من الصالحات في خزانة الخيال، ومن العالم العلوي في الفلك الأثير. فعليك - أيّها السيّد - بهذه الأعمال الّتي تخترق السماوات العلى، وأمّا العلوم فليست من الأعمال الّتي ذكرناها؛ فإنّ العلوم بحيث معلوماتها، فإذا صعدت المعارف ووقفت كلّ معرفةٍ بمعروفها، فاجعل

---

[1] [المطففين: ٧]

[2] [المطففين: ١٨]

[3] [النساء: ١٧١] م: + وروح منه إلى ...

[4] [فاطر: ١٠]

آسمان کے دروازے نہیں کھلتے[42] اور یہ فلکِ ایتھر میں وصول کیے جاتے ہیں، اور یہاں اسی طرح بات چیت ہوتی ہے جیسے پہلے کے ساتھ ہوئی، پھر ان کے بارے میں یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ انہیں سجین میں ڈال دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک بدکاروں کی کتاب سجین میں ہے﴾ اور فرمایا: ﴿بیشک نیکوکاروں کی کتاب علیین میں ہے﴾ سدرۃ المنتہیٰ میں حق روحِ قدسی سے کہتا ہے: "اے میرے بندے! ان اعمال نے تجھے ہم تک پہنچایا، تجھے اس بلند و بالا مقام پر ٹھہرایا، ذرا آسمان سے نیچے اپنے بھائی اور دوست کو تو دیکھ۔ جب اُسے دیکھتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ اِس پر اللہ کا کتنا احسان ہے، یوں وہ مشاہدہ چھوڑ کر احسان میں مشغول ہو جاتا ہے، اور حق فرماتا ہے: میرے فضل اور احسان نے اِس کی توجہ مجھ سے ہٹا دی، پس وہ حجاب میں آ گیا۔

اگر ایسا نہ ہو تو روح کبھی اُس کی بارگاہ سے نہ ہٹے، لیکن اللہ نے ہر شے کا ایک سبب بنایا ہے تا کہ (اس کی) بات پوری ہو، وہ متعال فرماتا ہے: ﴿اور اُس کا کلمہ جسے اُس نے مریم کی طرف القا کیا﴾ اور فرمایا: ﴿پاک کلمہ اُسی کی طرف بلند ہوتا ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے﴾ جب یہ اعمال معقولات سے روح تک پہنچتے ہیں تو اِن کا نام تبدیل کر کے ارواح رکھ دیا جاتا ہے، جب حق تعالیٰ کی نظر اِن (اعمال) پر پڑی تو اُس نے انہیں جمال کا لباس پہنایا، انہیں جلال کے منبر پر بٹھایا، پھر اِن کا نام ارواح سے تبدیل ہو کر اسرار ہو گیا۔ کہنے والے کی بات کا یہ مطلب تھا: اعمال کا تزکیہ کرو، یعنی ان کو پاک کرو، بلند کرو اور بڑھاؤ۔ ان (اعمال) کے انتقال کے باعث اِن کے نام بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں، یہ (اعمال) تو اپنی ذات میں ایک ہیں۔ غور کر کہ طاعت میں بندے کی حرکت کیسی شرف والی ہے۔

اس مقام پر – میرا مطلب ہے حاضرتِ عقل میں – ظاہر اور باطن، شریعت اور حقیقت، اعضا اور قلوب کے اعمال جمع ہوتے ہیں۔ جہاں تک تیرے بُرے اعمال کا تعلق ہے تو وہ ذخیرہ گاہِ خیال میں ہی نیک اعمال سے جدا ہو جاتے ہیں، یہ عالم عُلوی سے ہٹ کر فلک ایتھر کی جانب جاتے ہیں۔ پس اے سردار! تجھے ایسے اعمال کرنے چاہییں جو بلند آسمانوں میں شگاف ڈالیں۔ علوم کا تعلق ہمارے اِن ذکر کردہ اعمال سے نہیں؛ کیونکہ علوم تو معلومات کے حساب سے ہیں،[43] جب معارف بلند ہوئے، اور ہر معرفت اپنے معروف سے جڑی، تو اپنے علم کا تعلق اللہ سے جوڑ؛ یوں

علمَك بالله؛ يكون علمُك مقدَّسا منزَّها[1] عن النقائص.

لله الحمد ولله درّ[2] القائل:

ظَهَرْتَ لِمَنْ أَبْقَيْتَ بَعْدَ فَنَائِهِ فكَانَ بِلَا كَوْنٍ لِأَنَّكَ كُنْتَهُ

[1] ش: منزّها مقدّسا.

[2] ف: رد.

تیرا علم بھی نقائص سے پاک مقدس اور منزہ ہو گا۔

سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، اور کہنے والے نے کیا خوب کہا:

تو اس کے لیے ظاہر ہوا جس کے لیے اِس (نفس) کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہا، (تیری صورت میں) وہ بغیر وجود کے ہوا کیونکہ تو اُس کا وجود (یعنی صورت) ہو گیا۔

الباب الثاني عشر في السّفراء
والرسل الموجَّهين إلى الثائرين بمدينة البدن

اعلم أيّها السيّد الكريم: أنّ الحكمة قد أعطت عند من غلب عقله على شهوته من الملوك، أنّه لا يوجّه رسولا إلى عدوّ من أعدائه إلّا ذا فطنةٍ وذكاءٍ، وشجاعة ووفاءٍ،[1] وصدق وديانة وأمانة، وعلم بالحجّة ومواقع الكلام. فإنّ الرسولَ دليلٌ على مرسله ومنزلته، فإن كان على هذه الأوصاف عُلِم أنّ مرسله بهذه المثابة وأعلى[2]؛ فإنّه لولا علم من أرسله وعقله لما ميّز هذا الرسول من غيره، وإن كان بضدّ ما وصفنا: كاذبا، خائنا[3]، كثير الهوس، سخيفا، علم أنّ الذي أرسله أسخف منه.

فإذا تقرّر هذا، فلتكن رسلك أيّها السيّد إلى الهوى: الملك المطاع الثائر بمدينتك: التوفيقَ، والهدى، والفكر، والاعتبار، والتدبّر، والثبات، والقصد، والحزم، والاستبصار، والتذكّر، والخوف، والرجاء، والإنصاف، وما شاكل هذه الأوصاف. فهذا ينبغي أن يكون رسلك.

فأفلح وربح وعظم مَلِكٌ كانت رسله هؤلاء إلى أعدائه؛ فإنّه يعلم على الضرورة أنّهم يقمعون[4] عدوّه بالحجّة القاطعة، وربّما أسلم ويرجع الهوى الذي كان يقصد الشرّ يقصد الخير، وتكفي مئونة المقابلة والمقاتلة.

فإن قدمت رسل الهوى؛ الذي هو الثائر عليك، والساعي في فساد ملكك، فلا

---

[1] ف، ش: + وسخاء.

[2] ل: + منه.

[3] ش: بضد ما ذكرنا خائنا.

[4] ل: يقمعوا.

بارہواں باب
شہر جسم میں انقلابیوں کی طرف بھیجے گئے سفیر اور ایلچی

اے معزز سردار! جان لے کہ حکمت (ہر) اُس بادشاہ کو۔جس کی عقل اُس کی شہوت پر غالب ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ اپنے دشمن کے پاس صرف وہی سفیر بھیجے جو ذہین، ہوشیار، بہادر، وفادار، فراخ دل، سچا، دیانتدار، امانت دار، دلیل اور گفتگو کے مواقع کا جاننے والا ہو۔کیونکہ سفیر اپنے بھیجنے والے اور اس کے مرتبے کی نشانی ہوتا ہے، اگر وہ (سفیر) اِن اوصاف کا حامل ہوگا تو یہ پتا چلے گا کہ اُس کو بھیجنے والا بھی ان جیسے بلکہ ان سے اعلیٰ اوصاف کا حامل ہے؛ کیونکہ اگر اس سفیر سے یہی معلوم نہ ہو سکے کہ اِسے کس نے بھیجا اور وہ کیسا ہے تو وہ اِس سفیر کو دیگر سے مخصوص کیوں کرتا۔ لیکن اگر یہ (سفیر) ہمارے بیان کردہ اوصاف کے الٹ ہو مثلاً جھوٹا، خیانت دار، ہوس کا مارا اور کم عقل ہو تو اس سے پتا چلتا ہے کہ جس نے اِس کو بھیجا ہے وہ اِس سے بھی بڑھ کر احمق ہے۔

جب یہ طے ہو گیا تو اے معزز سردار! تیرے اِس شہر جسم میں سرکش۔ مگر قابل اطاعت ۔بادشاہ، خواہش کی طرف تیرے بھیجے گئے سفیر اور ایلچی: توفیق، ہدایت، تفکیر، اعتبار، تدبیر، ثابت قدمی، میانہ روی، دور اندیشی، طلب بصیرت، یاد دہانی، خوف، امید، انصاف یا پھر اِن جیسے اوصاف والے ہوں، تیرے سفیروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

وہ بادشاہ سرخرو ہوا، اُسی نے فلاح پائی اور اُسی کی عظمت کے گن گائے گئے جسے اپنے دشمنوں کی طرف بھیجنے کے لیے ایسے سفیر میسر آئے؛ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ایسے سفیر روشن قطعی دلائل سے دشمن کا صفایا کر دیں گے، ہو سکتا ہے وہ فرمانبرداری اختیار کرے؛ خواہش جو پہلے بُرائی کا درس دیتی تھی اب اچھائی کی داعی بن جائے، اور تو جنگ وجدل سے بچ جائے۔

اگر تیرے پاس باغی خواہش۔جو تیری مملکت کی تباہی کے درپے ہے۔کے سفیر آئیں تو

تغلظ عليهم؛ فإنّ إهانة الرسل من عدم السياسة. ورُسله: الحِرص، والكذب، والخيانة، والغدر، والجبن، والبخل، والجهل، والشّره، والعي،[1] والبلادة، وما شاكل هذا الصنف. فمن جاء منهم إليك فلا تنفر عنهم ابتداء، ولا تنهرهم، وقل لهم قَوْلًا كَرِيماً، فإنّك تأخذ بأسماعهم وأبصارهم. واقعد على سرير ملكك، وأخل لهم مجلسك، وأمر وزيرك العقل يترجم لهم عنك فإنّه سئوسٌ.

فإن كان الحرص من جملة الرسلِ وتكلّمَ؛ فإنّه لا يتكلّم إلّا بحقيقته، فيقول لك: إنّ هذا الملِك المطاع، الذي اسمه الهوىٰ، قد أرسلنا إليك لتدخل تحت سلطانه، وإلّا فلتأذن بحرب. وقد أمرك بأن تحرص علىٰ جمع الأموال والادّخار، ومخالفة ما جاءت به الشريعة. فتقول له: أيّها الرسول مكانتك عندنا عظيمة، ومنزلتك كريمة. فإنّه إذا سمع هذا منك سُرَّ به، فإنّه لا يسمع مثل هذا من سلطانه. ولكن أيّها الرسول: انظر هذا بعقلك، وأنصف من نفسك، ما تقول في الله؟ هو ربّنا أم لا؟ فيقول: نعم هو ربّنا. فتقول له: أيها الرسول، هذه الدار الّتي نحن فيها أنحن راحلون عنها أم لا؟ فيقول: بلىٰ، راحلون عنها. فتقول له[2]: إنقلابنا ورحلتنا إلىٰ الله أم إلىٰ غيره؟ فيقول لك: إلىٰ الله. فتقول له: بماذا وصف من خالف شرعه ودينه؟ فيقول: بالشقاء. فتقول له: ومن أطاعه؟ فيقول: بالسعادة. فتقول له: وهل يغني عنك أحد من الله شيئا؟ فيقول: لا. فتقول له: أنت أيّها الحرص رسول هذا الهوىٰ، تعلم أنّي أدعو إلىٰ ما فيه مرضاة الله، هبك تحرص علىٰ طلب المال، هل يصحّ لك إلّا ما كتب الله لك[3] ولو لم تحرص؟ فيقول: نعم. فتقول: حقيقتك باقية أيّها الحرص، ولكن اصرفه إلىٰ الطاعات ومرضاة الربّ، واحرص عليها تسعد بها. ومتاع الدنيا قليل، ومع قلّتها فإنّها فانية، والدار الآخرة خير وأكبر، وأنت حرص هنا وحرص هنا، ما انتقص لك من منزلتك.

---

[1] ف: والغي.

[2] ف: – له.

[3] ل، ي: هل يصح لك منه إلا ما كتب لك. ف: هل يصحّ لك إلّا ما كتب لك منه.

اُن کے ساتھ درشت مزاجی سے پیش مت آ؛ کیونکہ سفیروں کی توہین حکمت عملی کا نہ ہونا ہے۔
خواہش کے سفیر: حرص، جھوٹ، خیانت، دھوکا، بزدلی، جہالت، بدنیتی، بے حیائی، بے ہدایتی، کند ذہنی یا اِن جیسے دوسرے اوصاف ہی ہیں۔ اِن میں سے جو کوئی بھی تیری طرف آئے تو ابتدا میں ہی انہیں تنفّر نہ کر، انہیں مت جھڑک، بلکہ ان کے ساتھ عزت و تکریم سے بات کر، کیونکہ اسی طرح تو انہیں اپنی جانب متوجہ کر پائے گا۔ اپنے تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہو، اپنی مجلس کو ان کے لیے خالی کروا، اپنے وزیر عقل کو حکم دے کہ وہ تیری ترجمانی کرے کیونکہ (عقل بہترین) سیاست دان ہے۔

اگر (خواہش) کی جانب سے حرص سفیر بن کر آئے اور بات شروع کرے، تو وہ اپنی حقیقت سے ہی بات کرے گا، تجھے کہے گا: بیشک ایک قابل اطاعت بادشاہ خواہش نے ہمیں آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ اُس کی اطاعت قبول کریں، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو جنگ کے لیے تیار رہیں۔ وہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی تمام تر توجہ مال کے حصول اور اِس کے جمع کرنے پر لگائیں، اور شریعت کی باتوں کو یکسر ٹھکرائیں۔ (اے خلیفہ!) تو اِس سفیر سے یوں مخاطب ہو: اے سفیر! ہمارے نزدیک تُو قابلِ عزت واحترام ہے۔ جب وہ (اپنے بارے میں) یہ سنے گا تو بہت خوش ہو گا، کیونکہ ایسا تو اُس نے اپنے بادشاہ سے بھی کبھی نہیں سنا ہو گا۔ لیکن اے معزز سفیر! اپنی عقل سے کام لے اور خود انصاف کر، اللہ کے بارے میں تیرا کیا کہنا ہے؟ وہ ہمارا رب ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا: ہاں (بیشک) وہ ہمارا رب ہے۔ پھر اِس سے پوچھ: اِس دنیا میں جو ہم آئے ہیں تو کیا ہمیں یہاں سے جانا بھی ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا: بے شک ہمیں یہاں سے جانا ہے۔ پھر پوچھ: کیا ہمارا یہ سفر اور لوٹنا اللہ کی طرف ہے یا کسی اور کی طرف؟ وہ تجھے بتائے گا: اللہ کی طرف۔ پھر پوچھ: جو اللہ کی شریعت اور اس کے دین کی مخالفت کرے، اللہ نے اسے کیا لقب دیا؟ وہ کہے گا: بد بخت اور شقی کہا۔ پھر پوچھ: اور جو اللہ کی اطاعت کرے؟ وہ کہے گا: وہ سعادت مند ہے۔ پھر پوچھ: کیا اللہ کے مقابلے میں کوئی تیری مدد کر سکتا ہے؟ وہ کہے گا: (ہرگز) نہیں۔ پھر اُس سے یوں مخاطب ہو: اے حرص! تو خواہش کی سفیر ہے، اور تو جانتی ہے کہ میں تجھے اسی جانب بلا رہا ہوں جس میں اللہ کی رضا ہے، اچھا فرض کر کہ تجھے مال جمع کرنے کی حرص ہے، کیا تو اتنا ہی مال جمع نہیں کر پائے

فيقول: نعم. فيُسلم، ويتوجّه الحرص على طريق العلم والدين، فيتقوّى[1] ملكك ويضعف مُلك الهوى. وهكذا تفعل مع كلّ رسول منهم؛ مثل الخيانة، والكذب، والفجور إلى آخرها.

ولولا التطويل لذكرنا كيف تقام الحجج على كلّ رسول منهم بما تقتضيه منزلته حتّى يسلم الكلّ؛ فإنّ الإسلام هو الأصل، فيرجعون إلى أصولهم بخلاف رسلك؛ فإنّهم لا يرتدّون أبدا عليك وغايتهم ألّا يقبل الهوى كلامهم فينصرفون[2] خائبين.

فاعرف هذه الحقائق. فقد بيّنتُ لك كيف تكلّم أرسال عدوّك، ومن ذلك الواحد تستدلّ على ما بقي. ولهذا ترى المريدين اليوم يقلّ فلاحهم لعدم محاضرة مثل هذا المجلس، وإنّما هم يُغْلِظون بالقول على هؤلاء الأرسال من غير سياسة. فلهذا تراه، له دخول في طريق الخير وليس له ثبوت، ويسخر منه الشيطان. وهنا حقائق متّسعة لا ينحصر بابها، فتركنا الخوض فيها مخافة أن ينخرق علينا ما يخرجنا عن مقصودنا من الاختصار، وهذا القدر كافٍ فاستعمله[3] - إن شاء الله -.[4]

---

[1] ف: يقوي.

[2] ش: فانصرفوا.

[3] ش: + ترشد. ل: بلغ سماعا على الشيخ المؤلف وعرضا. م: بلغت قراءة.

[4] ي: بلغت المقابلة. ل، م، ش، ف: — إن شاء الله. ش: ترشد.

گی جتنا اللہ نے تیرے لیے لکھا ہے چاہے تو حرص نہ بھی رکھے؟ وہ کہے گی: ہاں۔ پھر اسے کہہ: اے حرص! تیری حقیقت تو باقی رہے گی، لیکن اسے ربّ کی رضا اور اس کی اطاعت میں صَرف کر، اور (نیکیوں) کی حرص رکھ تو کامیاب ہو گی۔ دنیا کا مال و متاع تو بہت تھوڑا ہے، ایک تو تھوڑا ہے اور دوسرا افانی ہے، جبکہ دار آخرت بہت بہتر اور زیادہ ہے۔ تو یہاں بھی حرص ہے اور وہاں بھی حرص ہے، تیرے مرتبے میں تو کوئی کمی نہیں ہوئی۔ حرص کہے گی: ہاں بالکل، پھر وہ تیری فرمانبردار ہو جائے گی، یوں حرص دین اور علم کے راستے پر چل پڑے گی، تیری مملکت مضبوط ہو گی اور خواہش کی بادشاہت کمزور پڑے گی۔ خواہش کے ہر سفیر، مثلاً خیانت، جھوٹ اور بدکاری وغیرہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کر۔

اگر اندیشہ طوالت نہ ہوتا تو ہم تجھے بتاتے کہ تو اُس کے ہر سفیر کو اُس کے مرتبے کے مطابق کن دلائل سے قائل کر (سکتا ہے) یہاں تک کہ سب کے سب تیرے فرمانبردار ہو جائیں؛ کیونکہ اسلام اصل ہے، اور وہ اپنے اصول کی طرف ہی لوٹیں گے، ہاں البتہ تیرے سفیر اور ایلچی کبھی تیرے باغی نہیں ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ خواہش ان کی بات نہیں مانے گی اور وہ ناکام لوٹیں گے۔

اِن حقائق کو پہچان، میں نے تجھے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ تو دشمن کے ایلچیوں سے کیسے بات کر، باقیوں پر بھی اسی ایک سے استدلال کر۔ تو دیکھتا ہے کہ آج کل کے مریدین شاذ و نادر ہی فلاح پاتے ہیں [۴۷] کیونکہ وہ اس طرز کی روحانی سیاست سے ناواقف ہیں، وہ تو اِن سفیروں پر غیر سیاسی انداز میں سختی کرتے ہیں۔ اس لیے تو دیکھتا ہے کہ مرید نیکی کی راہ تو اپناتا ہے لیکن مستقل مزاج نہیں ہوتا، شیطان اس پر ہنستا ہے۔ یہاں ایسے لاتعداد حقائق ہیں جن کے لیے یہ باب تنگ ہے، لہذا ہم اپنے مقصد اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اس قدر بات بھی کافی ہے اسی پر عمل کر، ان شا اللہ۔

الباب الثالث عشر
في سياسة القوّاد والأجناد، ومراتبهم

اعلم أيّها السيّد الكريم: أنّ الأجناد هم الأعمدة الّتي يقوم عليها فسطاط الملك، والأوتاد الذين[١] تمسكونه. واعلم أنّ المُلك بيتٌ، فلا بدّ له من أربعة أركان تمسكه، وأنا أبيّنها لك إن شاء الله، وهي أوصافك المحمودة وخُلقك[٢] الرفيعة، فلتصطفِ منهم أربعةَ خواصّ، تدور عليهم أفلاك مملكتك ورَحَىٰ سلطانك، وما بقي من الأجناد فتحت أمر[٣] هؤلاء الأربعة، فينحصر لك النظر فيهم وهم يدبّرون ملكك، كلّ واحدٍ لطائفة[٤] معلومة.

وإنّما جعلناها أربعة لأمرين:

الأمر الواحد: إنّ الأربعة الأصلُ الثاني في البسائط العدديّة، والبسائط أصلٌ في تركيب الأعداد إلىٰ ما لا يتناهىٰ. وذلك أنّ بسائط العدد من واحدٍ إلىٰ عشرة، وليس في البسائط من يجمع العشرة إلّا الأربعة؛ فإنّ الأربعة حقيقتها أربعة، وفيها الثلاثة فكانت سبعة، وفيها الثنتان فكانت تسعة، وفيها الواحد فكانت[٥] العشرة. وليس في العدد عدد يتضمّن العشرة غيره؛ فلهذا اصطفيناه لتضمّنها هذه الحكمة. وحملها قوىٰ ما بقي بالقوّة. فعلمنا أنّ الأربعة يقومون بالملك. ولهذا كانت حملة

---

[١] ل، م، ي: الذي.

[٢] ي، ش: أخلاقك.

[٣] م: – أمر.

[٤] ل، م، ش: بطائفة.

[٥] ل، م، ي: فكان.

تیرہواں باب
فوجی کمان داروں اور سپاہیوں کی سیاست، اور ان کے مراتب

اے معزز سردار! جان لے کہ فوج ہی وہ ستون ہے جس پر مملکت کا خیمہ قائم ہے، یہی وہ میخیں ہیں جو اِسے تھامے ہیں۔ جان لے کہ مملکت ایک گھر ہے، جس کو سنبھالنے کے لیے چار ستون ضروری ہیں؛ میں تجھے وضاحت سے بتاتا ہوں ان شا اللہ، یہ تیرے قابل تعریف اوصاف اور تیرے اعلی اخلاق ہی ہیں، لہذا اِن میں سے چار خواص کا انتخاب کر جن کے گرد تیری مملکت کے افلاک اور تیری طاقت کی چکی گھومے، اور باقی ساری فوج اِن چاروں کے ماتحت ہو، تیری نظر اِن چاروں پر ہو اور اِن میں سے ہر ایک اپنی مخصوص جماعت کے ساتھ تیری مملکت چلائے۔

ہم نے انہیں دو وجوہات پر چار کہا: ایک یہ کہ چار بسائطِ عددی کی دوسری اصل ہے، اور بسائط لامتناہی اعداد کی ترکیب میں اصل ہیں۔ وہ اس طرح کہ عدد کے بسائط ایک سے لے کر دس تک ہیں، اور بسائط میں عدد چار کے سوا کوئی دوسرا عدد نہیں جس کی حاصل جمع دس ہو؛ کیونکہ چار کی حقیقت چار ہے، اور اِس میں تین ہے تو یہ جمع ہو کر سات ہو گئے، پھر تین میں دو ہے تو یہ جمع ہو کر نو ہو گئے، پھر دو میں ایک ہے تو یہ دس ہو گئے۔ اعداد میں چار کے سوا کوئی ایسا عدد نہیں جس میں اِس طرز پر دس موجود ہو؛ اِسی لیے ہم نے عدد چار کو چنا کہ اِس میں یہ حکمت ہے۔ اور اس عدد میں قوت ہے۔ یوں ہمیں پتا چلا کہ چار مملکت کو قائم کرتا ہے۔ اِسی لیے قول خدا کے مطابق عرش کو (دار آخرت میں) اٹھانے والے آٹھ ہوں گے جو کہ آج چار ہیں، نبی علیہ السلام نے یہی فرمایا ہے، اور اُس متعال نے روزِ قیامت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اس روز آٹھ

العرش ثمانية كما قال - تعالى - «وهم اليوم أربعة» كذا قال عليه السلام، ولهذا قال - تعالى - لمّا وصف يوم القيامة: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾[1] فقال يومئذ، يشير إلى يوم القيامة. ووجدنا ملك هذا العالم الحيواني -وهو ملكك - قد قام على أربع طبائع، والعالم الكبير قد قام على أربعة عناصر، وهذا باب الأربعين، والأربع بابٌ واسعٌ يخرجنا إيراده لك عن المقصود في الفائدة.

وأمّا الأمر الآخر: الذي لأجلِهِ أمرناك أن تختصّ أربعة، لأنّ الجهات الّتي يدخل عليك الخلل منها ويُفْسِد ملكك، أربع جهات: اليمين، والشمال، والخلف، والأمام، فمن ثمّ يأتيك الخلل. قال الله - تعالى -: ﴿ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ﴾[2] ولم يذكر أكثر ولا يصحّ؛ فإنّه ما بقي إلّا اثنين[3] (= اثنان): الفوق والتحت. فأمّا التحت فإليه يدعوك. وأمّا الفوق فهو محلّ طريق التنزّل الإلهيّ، فلا يقربه لئلّا يهلك؛ هو طريق القضاء والقدر الذي اختصّ الله به، فلا مدخل لمخلوق فيه.

فينبغي لك - أيّها السيّد الكريم - أن تنظر في هذه الجهات الأربع الّتي يدخل عليك الفساد[4]، وتجعل على كلّ جهة منها واحدًا من هؤلاء الأربعة بأتباعهم وأجنادهم يحمون المُلك، وتعيش هنيئا في عافية آمنا؛ فإنّ عدوّك ختّار، لا يقوى على القتال، وإنّما يطمع في الغدر. فإذا جعلت المراقبة عطايا هؤلاء الأربعة صلح أمرك، ومهما جاءك العدوّ من أيّ ناحية وجد من يمنعه من الوصول إلى مراده فيك.

فلتجعل الخوف عن يمينك والرجاءَ عن شمالك، والعلمَ من بين يديك،

---

[1] [الحاقة: ١٧]

[2] [الأعراف: ١٧]

[3] ف: الاثنين.

[4] ي، ش: + منها.

(ہستیاں) تیرے رب کا عرش اٹھائے ہوں گی﴾ اُس روز سے مراد روزِ قیامت ہے۔[75] ہم نے دیکھا کہ عالمِ حیات کی یہ مملکت -جو کہ تیری مملکت ہے- چار مزاجوں پر قائم ہے، اور عالم اکبر چار عناصر پر قائم ہے، یہ چالیس کا باب ہے، چار کا باب بہت وسیع ہے جس کا یہاں تیرے لیے بیان ہمارے (حقیقی) مقصد سے ہٹنا ہو گا۔

اور دوسری وجہ جس کے لیے ہم نے تجھے چار کا انتخاب کرنے کو کہا، یہ وہ چار جہتیں ہی ہیں کہ جن سے تیری مملکت میں خلل اور فساد داخل ہو سکتا ہے: ۱- دائیں، ۲- بائیں، ۳- آگے، ۴- پیچھے۔ فساد انہی چار جہات سے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿(شیطان کہتا ہے:) پھر میں ان کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے (غرض ان چاروں جہات) سے آؤں گا﴾ اللہ نے یہاں چار سے زیادہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ایسا درست ہے؛ کیونکہ ان کے سوا صرف دو مزید جہات ہیں: اوپر اور نیچے۔ جہاں تک نیچے کا تعلق ہے تو وہ (شیطان) تجھے اُسی طرف تو بلاتا ہے، جبکہ اوپر والی جہت تنزل الٰہی کی جا ہے، (شیطان) اِس کے قریب تک نہیں آتا، کہیں وہ ہلاک ہی نہ ہو جائے؛ یہ قضاو قدر کا وہ راستہ ہے جو اللہ نے اُس سے مخصوص کیا ہے، چنانچہ مخلوق کا اِس میں کوئی دخل نہیں۔

لہذا اے معزز سردار! تجھے چاہیے کہ اِن چار جہات کی نگرانی کر کہ انہی سے تیری مملکت میں فساد داخل ہو سکتا ہے، اور چار معتمد خواص کو اپنے افسروں اور سپاہیوں کے ساتھ ان میں سے ہر جہت پر تعینات کر تاکہ وہ مملکت کی حفاظت کریں اور تو خیر و عافیت اور امن میں رہے؛ بیشک تیرا دشمن دھوکے باز ہے، وہ جنگ کی طاقت نہیں رکھتا، وہ تو بس غدر اور بغاوت چاہتا ہے۔ اگر تو نے اِن چاروں کی عطایات کی نگرانی کی تو تیرا معاملہ درست ہو جائے گا، اور تیرا دشمن کسی جہت سے بھی آئے گا تو اپنے سامنے ایسا محافظ پائے گا جو اُسے تجھ تک پہنچنے سے روکے گا۔

لہذا خوف کو اپنے دائیں جانب، امید کو بائیں جانب، علم کو سامنے اور تفکیر کو اپنے پیچھے تعینات کر۔ کہ اگر تیرا دشمن دائیں طرف سے آئے تو خوف کو اس کے لشکروں سمیت سامنے پائے، جن سے وہ بچ نہیں سکتا، اور باقی تین اطراف بھی اسی طرح ہوں۔

والتفكّر من خلفك. فإذا جاء العدوّ من[1] عن[2] يمينك وجدَ الخوفَ بأجناده لا يستطيع معه دفاعا، وكذلك ما بقي.

وإنّما رتبنا هذا الترتيب، لأنّ العدوّ إنّما يأتي من هذه الجهات، فخصّصنا الخوف باليمين وذلك أنّ اليمين موضع الجنّة، والشمال موضع النار. فإذا جاء العدوّ من قبل اليمين، إنّما يأتي بالجنّة العاجلة؛ وهي الشهوات واللذّات، فيزيّنها له ويحبّبها إليه، فيعرض له الخوف فيدرأه عنها، ولولاه لوقع فيها، وبوقوعه يكون الهلاك في ملكك. فلا يجب أن يكون الخوف إلّا في هذا الموضع، ولا تستعمله في غيرها من الجهات فيقع اليأس والقنط، ومِن الحكمة وضع الأشياء في مواضعها، فالخوف للإنسان كالعدَّة للجندي؛ فلا يأخذها إلّا عند مباشرة العدوّ أو يتوقّى نزوله، وإن أخذها في غير هذا الموطن سخر به وكان سخيفا جاهلا.

وإن أتاك العدوّ من جهة الشمال، فإنّه لا يأتيك إلّا بالقنوط واليأس، وسوء الظنّ بالله، وغلبة المقت، ليوقع بك فتهلك، فيقوم له الرجاء بحسن الظنّ بالله - عزّ وجلّ - فيدفعه ويقمعه. وكذلك إذا أتاه من بين يديه أتاه بظاهر القول؛ فأدّاه إلى التجسيم والتشبيه، فيقوم له العلم فيمنعه أن يصل إليك بهذا فتكون من الخاسرين. وكذلك إذا أتاه من خلفه أتاه بشُبَه وأمور من جهة الخيالات الفاسدة، فيقوم التفكّر فيدفعه؛ فإنه إن لم يتفكر ويبحث حتّى يعثر على أنّ تلك الأشياء شبهات وإلّا هلك ملكك.

ولا سبيل إلى العدوّ في قتال هذه المدينة، الّتي هي سلطانك، إلّا من هذه الأربع جهات. فإذا رتّبت هؤلاء كما ذكرت لك؛ امتنع بلدك واحتمى، ولم يستطع العدوّ مدافعتهم، فإن زدتَ ولا بدّ على هؤلاء فلا تزد على العشرة يكونون في بساطك تلقي

---

[1] ف: - من. ش: + جهة.
[2] ش: - عن.

ہم نے یہ ترتیب اِس لیے بنائی، کیونکہ دشمن انہی (چار) جہات سے آتا ہے، ہم نے خوف کو دائیں جانب رکھا کیونکہ دائیں جانب جنت ہے، [۷۶] اور بائیں جانب دوزخ ہے۔ [۷۷] جب دشمن دائیں طرف سے آتا ہے تو وہ دنیاوی جنت ساتھ لاتا ہے؛ یہ وہی شہوات اور لذات ہیں جو وہ اِس (امام) کے لیے مزین کرتا ہے اور اسے اِن کا شوق دلاتا ہے، لہذا جب خوف اِس کے سامنے ہو گا تو ان سے اسے بچائے گا، اگر یہاں خوف نہ ہوتا تو (اِمام) اِن میں جا پڑتا، اور یوں اُس کی مملکت تباہ و برباد ہو جاتی۔ لہٰذا خوف کو اِسی مقام پر ہونا چاہیے، اور خوف کو کسی اور جگہ تعینات نہ کر، نہیں تو (امام) مایوسی اور نااُمیدی کا شکار ہو گا، حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اشیا کو ان کی جگہ پر رکھا جائے۔ انسان کے لیے خوف ویسے ہی ہے جیسے فوجی کے لیے اسلحہ؛ یہ دشمن کے مقابلے اور متوقع حملے کی صورت میں ہی اٹھایا جاتا ہے، اگر کوئی فوجی اس کے علاوہ اسلحہ لے کر پھرے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور کوئی احمق اور جاہل ہی ایسا کرتا ہے۔

اگر دشمن بائیں جانب سے آئے، تو وہ ناامیدی، یاس، اللہ سے بدگمانی اور شدید کراہت لے کر آتا ہے، تاکہ تو اِس کی زد میں آ کر ہلاک ہو جائے، اِس مقام پر امید اور اللہ -عزوجل- سے حسن ظن ہی اُسے بھگا سکتا ہے۔ اسی طرح جب وہ سامنے سے حملہ کرتا ہے تو ظاہری قول ساتھ لاتا ہے؛ تجھے تجسیم اور تشبیہ میں ڈالنا چاہتا ہے، اِس جگہ علم اُس کا مقابلہ کرتا ہے اور اِس (ظاہر قول) کو تجھ تک پہنچنے سے روکتا ہے کہیں تو (اِسے قبول کر کے) نقصان اٹھانے والوں میں سے نہ ہو جائے۔ اِسی طرح جب وہ پیچھے سے حملہ کرتا ہے تو شبہات اور فاسد خیالات لے کر آتا ہے، اِس جگہ تفکر تیرا دفاع کرتا ہے؛ کیونکہ اگر وہ غور و فکر اور تحقیق سے ان شبہات کی حقیقت تک نہیں پہنچے گا تو اپنی مملکت اُجاڑ بیٹھے گا۔

(یہ جان کہ) تیرے دشمن کے پاس اِس شہر- جو کہ تیری سلطنت ہے - پر حملہ آور ہونے کے صرف یہی چار راستے ہیں۔ اگر تو اِن چار (محافظوں) کو اِس طرح سے تعینات کرے گا جیسا میں نے تجھے بتایا تو تیری مملکت قائم و دائم رہے گی اور دشمن ان کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔ اگر تو ان محافظوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے تو دس سے زیادہ نہ کر، یہ سب تیرے ماتحت ہوں اور انہیں ذمہ داریاں سونپ۔ ہم نے انہیں دس عقائد کی حفاظت کے لیے قرار دیا؛ کیونکہ حدود جو کہ تنزیہ

إليهم. وإنّما جعلناها عشرة من أجل حفظ العقائد؛ فإنّ الحدود عشرة الّتي هي رأس تنزيه الحقّ، وهي: أمام، وخلف، ويمين، وشمال، وفوق، وتحت، وقبل، وبعد، وكلٌّ، وبعض. فمَن نزّه ربه عن هذه الحدود الّتي[١] مدار السلامة عليها وبقاء الملك في دار البقاء فقد نزّه ونال السعادة الأبديّة.

فإنّ غرض العدوّ في هدم قاعدة من قواعدنا[٢] الّتي ذكرناها، فاحذر، واجعل تحت أيدي[٣] هؤلاء القُوّاد من الأجناد ما يحتاج[٤] إليه، وتخصّه بحدّ ما من هذه الحدود، لكلّ حدّ أمير بأصحابه يقف عنده بنقبائهم وعرفائهم؛ فإذا جاء العدوّ سهل عليك المرامُ، ونظرتَ من أيّ ناحية وصل، فتدعو بالأمير الذي في تلك الناحية وتأمره بالبروز، فإنّه يكفيك همّه، وهكذا في جميع النواحي.

فتحقّق أيّها السيّد الكريم ما رسمنا، وحافظ على هذا الترتيب تسعد وتغتبط إن شاء الله تعالى.[٥]

---

[١] ي: + هي.

[٢] ف: قواعدها، ش: القواعد.

[٣] ش: + كل واحد من.

[٤] ل، ش: تحتاج.

[٥] ي: – تعالى.

خدا کی اساس ہیں، وہ دس ہیں: آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، پہلے اور بعد، کُل اور جزو۔ جس کسی نے اپنے رب کو اِن حدود-کہ جن پر سلامتی کا مدار اور دار البقا میں مملکت کی بقا ہے۔ سے منزہ کیا تو اُسی نے منزہ کیا اور وہی حقیقی سعادت کو پہنچا۔

بے شک دشمن کی غرض ہماری اُن بنیادوں کو گرانا ہے جن کا ہم تذکرہ کر چکے، لہذا چوکنا رہ اور اِن معتمد خواص کو ماتحت فوجی اور بقدر ضرورت اشیا مہیا کر۔ ہر ایک کو ان چار جہات میں سے کسی ایک جہت سے مخصوص کر، ہر جہت میں ایک امیر اپنے افسروں کے ساتھ تعینات ہو، جہاں وہ اپنے جاسوسوں اور نگرانوں کے ہمراہ رہے؛ لہذا جب دشمن آئے تو تجھے اِس کی خبر ہو جائے، کہ یہ کس جہت سے آیا ہے، تو اِس جہت کے کمانڈر کو طلب کرے اور اسے مقابلے کا حکم دے، دشمن کے لیے تیرا وہ کمانڈر ہی کافی ہے، تمام جہات میں ایسا ہو۔

اے معزز سردار، ہماری اس حکمت عملی کو سمجھ اور اِس ترتیب کا خیال رکھ، تو کامیاب و کامران ہو گا اور تجھ پر رشک کیا جائے گا، ان شا اللہ۔

الباب الرابع عشر في سياسة الحروب وترتيب الجيوش عند اللقاء

عليك - أيها السيّد الكريم - بالمحافظة على ذاتك الشريفة، فاقصد أنزه موضع عندك وأَحْصَنَه فالزمه، واجعله موضع سكناك؛ ألا وهو الكرسيّ موضع القدمين، وذلك المنزل هو دار السُنَّة وحصن الشرع الحامي المانع العالي الذّروة. ولا تباشر الحروب بنفسك؛ فإنّك إن هلكت هلك مُلكك، وإن بقيت في حضرتك وتوجّه لمباشرة الحروب بعض قوّادك وأمرائك - الذين ذكرناهم ورتّبناهم لك - فإن هُزموا بقيت أنت وبقي ملكك، وعندك من الرجال والأجناد بما تمدّهم[1]، ألا ترى إذا يبس الفرع وانقطع[2] وهلك جَبَره الأصل وتفرعت، وإن هلك الأصل فسدت الشجرة كلّها.

فالمَلِكُ أصل مُلْكِهِ؛ فببقائه وعدله بقاء ملكه، وبهلاكه وجوره هلاك ملكه. والدولة جسم روحه المَلِك؛ فمتى هلك الروح هلك الجسم، وإذا انفسد في الجسم شيء والروح باق أصلحه الطبيب. والتدبير هو طبيبك، فحافظ على نفسك، ولا تباشر بها عدوّك.

مكيدة:

إذا نزل بك عدوٌّ والتقى الجمعان فقف على ساحل العلم، ثمّ اضرب بعصا الهمّة متن ذلك البحر العلمي. فإذا انفتح لك طريق فادخل فيه؛ فإنّ عدوّك سيقفو أثرك؛ فإنّ العلم باب الرئاسة والعجب، والشيطان يطمع فيه. فإذا توسّط العدوّ بحرَ

[1] ش: + به.

[2] م: - وانقطع.

چودھواں باب
جنگی حکمت عملی، اور مقابلے کے وقت فوج کی ترتیب

اے معزز سردار! اپنی انمول ذات کی حفاظت کر، اپنے لیے کسی محفوظ اور بلند جگہ کا انتخاب کر، اور اِسے اپنی اقامت گاہ بنا؛ جان لے کہ یہ پاؤں رکھنے کی جا کرسی ہی ہے، یہ جا سنت کا گھر اور شریعت کی حفاظت کرنے والا بلند مقام قلعہ ہے۔ خود جنگ میں حصہ مت لے؛ کیونکہ اگر تو مارا گیا تو تیری ساری بادشاہت بھی گئی، لیکن اگر تو اپنی جگہ باقی رہا اور جنگ کے لیے اپنے جنرل اور کمانڈر۔ جن کا ہم بمع مراتب ذکر کر چکے۔ بھیجتا رہا، اگر انہیں شکست ہو بھی گئی تو تُو اور تیری مملکت باقی رہے گی، تیرے پاس تو دشمن کے مقابلے کے لیے مزید فوجی اور جوان بھی موجود ہیں، کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جب درخت کی شاخ سوکھ کر کٹ جائے تو نئی شاخیں نکل آتی ہیں لیکن اگر درخت کی جڑ ہی کاٹ دی جائے تو سارا درخت سوکھ جاتا ہے۔

اسی طرح بادشاہت کی اصل بادشاہ ہے؛ بادشاہ کی بقا اور عدل سے مملکت کی بقا ہے، اور بادشاہ کی ہلاکت اور ظلم سے مملکت کی تباہی ہے۔ مملکت ایک جسم ہے اور بادشاہ اس کی روح ہے؛ جب روح نکل جائے تو جسم بھی گل سڑ جاتا ہے، لیکن اگر جسم کا کوئی حصہ خراب ہو جائے اور روح باقی ہو تو طبیب اسے ٹھیک کر سکتا ہے۔ تدبیر ہی تیرا طبیب ہے، لہذا اپنی حفاظت کر اور دشمن کے مقابلے میں خود مت نکل پڑ۔

چال بازی:

جب تیرا دشمن تیری جانب آئے اور تم دونوں آمنے سامنے ہو تو علم کے ساحل پر ٹھہر، پھر عـزم کی لاٹھی اِس علمی سمندر کی سطح پر مار، اگر تیرے لیے راستہ کھول دیا جائے تو اِس پر چل پڑ؛ بیشک تیرا دشمن تیرا پیچھا کرے گا؛ کیونکہ علم سرداری اور خود پسندی کا مقام ہے، اور شیطان

العلم خلفك؛ فإنّه ضرورة ينطبق عليه، فيغرق من غير قتال ولا صداع. ولهذا قال بعض العلماء: «طلبنا العلم لغير الله فأبىٰ العلم أن يردّنا إلّا إلىٰ الله» وهذا من أحسن مكر الله ﴿وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾[١] فإنّ فرعون اقتفىٰ أثر موسىٰ وغاب عن مكر الله فهلك.

فإذا قال لك عدوّك: اطلب العلم لتسود به علىٰ أبناء زمانك، ويخضع لك الملوك، ويفتقر إليك الخلق، فلا تقل: هذا خاطر شيطاني، فيتفطّن لك عدوّك، ولكن اسْرع في طلب العلم؛ فإنّ الشيطان وهواك يفرحان بعملك[٢] في غير معمل[٣]، وغاب عنهم أنّ العلم يأبىٰ إلّا أن يعطي حقيقته. والجهل الذي طرأ علىٰ إبليس في هذه المسألة أنّه تخيّل أنّ بالعلم ضلّ، وظنّ قوله: ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾[٤] وأنّ السجود لغير الله علىٰ طريق العبوديّة كذلك. وهذا كلّه جهل محض لا علم، وهو يتخيّل أنّه علمٌ، فقال: بالعلم ضَللتُ، فلهذا يحرّض[٥] علىٰ طلب العلم، ولا يعلم أنّ العلم يكشف عورته وجهله.

وهكذا أيّها السيّد[٦] جميع مطالب الخيرات إذا حرَّض[٧] عليها عدوّك بالمقاصد الفاسدة، فلا ترجع عنها، فإنّ المرائي العامل أحسن[٨] من المخلص البطّال، فإنّ العمل إذا استمرّ وإن لم يكن خالصًا لا بدّ من نور يحصل للقلب يردّه في لحظة إلىٰ الإخلاص

---

[١] [آل عمران: ٥٤]

[٢] ش: بعلمك.

[٣] أي تقوم بعمل غير مستحق وتترك العمل الأهم.

[٤] [الأعراف: ١٢]

[٥] رسمها في ي، ل: يحرص.

[٦] ش: + الكريم.

[٧] رسمها في ي: حرص.

[٨] ش: + فعلا.

کو اس کا لالچ ہے۔ جب دشمن تیرے تعاقب میں سمندرِ علم کے درمیان پہنچے گا؛ تو یہ (علم) ضرور اُس کو گھیر لے گا، اور وہ بغیر جنگ وجدل ہی غرقاب ہو گا۔ اسی لیے ایک عالم نے کہا: "ہم نے غیر اللہ کے لیے علم سیکھنا چاہا لیکن علم نے ہمیں اللہ کی طرف ہی لوٹایا۔"[۴۸] یہ اللہ کا بہترین مکر ہے ﴿اور اللہ مکر کرنے والوں میں بھی سب سے بہتر ہے﴾ بیشک فرعون نے موسیٰ کا پیچھا کیا مگر اللہ کے مکر سے بے خبر رہا، سو مارا گیا۔

اگر تیرا دشمن تجھے کہے: علم اِس لیے حاصل کر کہ تُو اپنے ہم عصروں پر اقتدار حاصل کر سکے، بادشاہ تیرے تابع اور مخلوق تیری محتاج ہو، تو یہ مت کہہ کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، کہیں تیرا دشمن ہوشیار نہ ہو جائے، بلکہ علم کے حصول میں جلدی کر؛ کیونکہ شیطان اور تیری خواہش تیرے بے جا عمل سے بہت خوش ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ علم تو صرف اپنی حقیقت ہی بتاتا ہے۔ اس مسئلے میں ابلیس کو بھی غلطی لگی، وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ علم سے گمراہ ہوا، اُس کے گمان کے مطابق اُس کا یہ کہنا: ﴿میں اِس (آدم) سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اِسے مٹی سے بنایا﴾ اور اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا سجدہ عبادت تھا۔ یہ سراسر جہالت ہے علم نہیں، جبکہ وہ اسے علم خیال کرتا ہے، پس بولا: میں علم سے گمراہ ہوا، اِسی لیے تو وہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے، اور نہیں جانتا کہ علم اُسی کی شرم گاہ کھولتا اور اُسی کا جاہل ہونا بتاتا ہے۔

اِسی طرح اے سردار! وہ سب اچھے کام کہ اگر تیرا دشمن تجھے ان کی ترغیب دلائے کہ وہ انہیں بُرے سمجھتا ہے تو اُن سے منہ مت موڑ، کیونکہ ایک ریاکار عامل بھی ایک بے کار مخلص سے بہتر ہے، کیونکہ اگر کوئی عمل مسلسل کیا جائے، چاہے اِس میں اخلاص کی کمی ہو تو اِس کے کرنے سے دل میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جو اِسے کسی بھی لمحے اخلاص کی طرف موڑ سکتا ہے، اور اس سے پہلے کیے گئے تمام اعمال بھی قبول ہو جاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے دشمن کا دُکھ اور افسوس اور بڑھ جائے گا، کہ اُس نے تجھے ایسے افعال کی ترغیب دی جو تیرے حق میں بہترین ہو گئے، یہ جان!

فتقبل جميع أعماله السالفة. ولهذا يكثر حزن العدوّ وأسفه فإنّه المحرّض لك[1] على هذه الأفعال الّتي انقلبت في حقّك حُسْنَى فاعلم.

وأمّا ترتيب الجيش عند اللقاء، فكما ذكرنا لك في الباب قبل هذا، ولتكن أنت في القلب مع خواصّك؛ فإنّ هذا ممّا يهول العدوّ منظره. فإنّه - لعنه الله - لا يقاتلك أبدا، وإنّما يريد غدرك، وإنّ مقاتلته - إنّما هي مع الملَك - عليك، ولك أنت القبول والردّ، وترتيبه على التفصيل تضيق هذه العجالة عن بسطه، ولا فائدة فيه لعدم القتال من العدوّ، فغايتك معه أن تحذر مواضع الغدر فافهم.[٢]

---

[1] ي: عليك.

[٢] م: بلغت قراءة.

جہاں تک جنگ میں فوج کی صف بندی کا تعلق ہے، تو جیسا ہم نے اِس سے پچھلے باب میں بتایا، تو اپنے خواص کے ساتھ درمیان میں ہو؛ کہ دشمن اس منظر کو دیکھ کر خوف کھائے گا، اللہ کی اُس پر لعنت ہو، وہ کبھی تجھ سے نہیں لڑے گا، وہ تو بس دھوکے سے (تیری مملکت) ہتھیانا چاہتا ہے، اُس کی لڑائی تو فرشتے کے ساتھ ہے، اور تیرے پاس قبولیت اور رد کا اختیار ہے۔ فوج کی تفصیلی ترتیب طویل ہے جو اِس مختصر کتاب میں بیان نہیں کی جاسکتی، اور اِس کا کوئی فائدہ بھی نہیں، کیونکہ دشمن نے جنگ تو کرنی نہیں، تیرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تو بغاوت سے چوکنا رہ، یہ سمجھ۔

الباب الخامس عشر
في ذكر السرّ الذي يُغلبُ به أعداء هذه المدينة، والتنبيه عليه

اعلم أنّ العدد سرٌّ من أسرار الله - تعالىٰ - في الوجود، وكلّ عددٍ مذكورٍ في القرآن وفي الشرع فلمعنىٰ. وهكذا خلق الله الموجودات متعدّدة من اثنين إلىٰ اثني عشر؛ وهي نهاية مراتب العدد. فإنّ مراتب العدد أربعة: آحاد، وعشرات، ومئون، وآلاف[1]. والأربعة أكمل العدد، ونهاية كلّ واحد منها إلىٰ تسعة، ويأخذ في التكرار. وإنّما قلنا: إنّ الاثني عشر هي النهاية؛ فإنّ العالم الإنساني نهايةُ تركيبه بوجه مّا من اثني عشر؛ فإنّه مركّب من أمّهاتٍ أربع ومولّداتٍ أربع ونفس وعقل والإنسان والمرتبة. وقد تولّع قوم بهذه الأعدادِ، واستخرجوا منها علومًا كثيرة، ودلّوا بها علىٰ التوحيد، وشرح ذلك يطول في هذا المختصر.

فلنرجع ونقول: إنّ الواحد إذا حملته علىٰ مثله بوساطة[2] «الواو»[3] لا بوساطة[4] «في» فيظهر وجود الاثنين. والواحد ليس بعدد، ومنه ينشأ العدد، وبعدمه يفنىٰ. فتركّبه علىٰ الاثنين فيظهر وجود الثلاثة، وعلىٰ الثلاثة فيظهر وجود الأربعة، وتنقصه من الألْف فيزول الألْف فهو أصل. فأوّل الأعداد الشفعيّة: الاثنان، وأوّل الأعداد الفرديّة: الثلاثة. فالاثنان أصل لكلّ شفع أو زوج، والثلاثة أصل لكلّ فرد أو وتر. فالزوج مقدّم علىٰ الفرد تقدّما طبيعيّا لا يمكن خلافه، فإنّ تَقَدُّمَه تقدّمٌ طبيعيٌّ، لا

---

[1] ف: وآلوف.

[2] ف: بواسطة.

[3] أي واحد وواحد.

[4] ف: بواسطة.

پندرھواں باب

اُس راز کا ذکر اور آگاہی جس سے اِس شہر کے دشمن اِس پر غالب ہو سکتے ہیں

جان لے کہ عدد وجود میں اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، قرآن اور شریعت میں مذکور ہر عدد ایک خاص مطلب کے لیے ہے۔ اِسی طرح اللہ نے موجودات کو متعدّد تخلیق کیا؛ دو سے بارہ تک؛ اور یہ عدد کا آخری درجہ ہے۔ بیشک عدد کے چار درجات ہیں: اکائی، دھائی، سینکڑہ، ہزار۔ اور چار کامل ترین عدد ہے، ان میں سے ہر عدد کی انتہا نو ہے، اور اس کے بعد اعداد مکرر ہوتے ہیں۔ ہم نے بارہ کو اسی لیے انتہا قرار دیا؛ کیونکہ ایک خاص رخ سے عالم انسانی کی ترکیب کی انتہا بھی بارہ ہی ہے؛ یہ عالم چار اصول، چار فروع، نفس، عقل، انسان اور مرتبے کا مرکب ہے۔ ایک جماعت نے ان اعداد میں بہت شغف رکھا اور ان سے بہت سے علوم نکالے، انہی سے توحید بھی ثابت کی، اِس مختصر کتاب میں ان سب کی شرح کرنا ممکن نہیں۔

ہم اپنی بات کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں: اگر تو ایک میں ایک جمع کرے (۱+۱) تو دو (۲) کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ ایک (۱) خود کوئی عدد نہیں، بلکہ اسی سے تمام اعداد نکلتے ہیں اور اِس کے نہ ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسے دو (۲) میں جمع کرو تو تین (۳) بنتا ہے اور تین (۳) میں جمع کرو تو چار (۴) بنتا ہے، لیکن اگر اِسے ہزار میں سے نکال دیا جائے تو ہزار بھی نہیں بچتا، پس واحد (۱) اصل ہے۔ پہلا جفت عدد "دو (۲)" ہے اور پہلا طاق عدد "تین (۳)" ہے۔ ہر (جفت اور زوج عدد کی اصل "دو (۲)" ہے، اور ہر طاق اور فرد عدد کی اصل "تین (۳)" ہے۔ پس جفت طبیعی طور پر طاق سے پہلے ہے اور اِس کے الٹ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا یہ آگے ہونا طبیعی ہے، کبھی چار تین سے پہلے نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی پانچ چار سے پہلے ہو سکتا ہے۔[۷۹]

يمكن أبدًا أن توجد الأربعة قبل الثلاثة، ولا الخمسة قبل الأربعة.

فإذا تقرّر هذا، فالعدد[1] محصورٌ في زوج وفردٍ، فثمّ مواطن يغلب الزوجُ فيها الفردَ، وثمّ مواطن يغلب الفردُ فيها الزوجَ. وعلى الإنسان أن يحارب هواه أو هوى غيره، وإذا حاربه فلا يخلو[2] أن يحاربه في مباح أو في معصية، فإن حارب هواهُ فليغلّب الزوج على الفرد، في معصية كان أو في مباح، وإن حارب هوى غيره فليغلّب الفرد على الزوج إلّا إن كان في معصية فإنّه يغلّب الزوج على الفرد.

فإنّ التوحيد توحيدان:

توحيد الأحديّة[3]: وهو توحيد العُصَاة من الأمّة الإسلاميّة؛ وهو توحيدٌ صحيحٌ مركّب على أصل فاسد. وتوحيد الفردانيّة[4]: وهو توحيدُ محمّدٍ وموسى - عليهما السلام - والعارفين العلماء[5] من الأمّة الإسلاميّة، وهو توحيد صحيح مركّب على أصل صحيح. فتوحيد الأحديّة يغلب كلّ شيء في كلّ موطن، فتحفّظ منه أن يصرفه عليك عدوّك. وتوحيد الفردانيّة: يَغلب في مواطن ويُغْلَب في مواطِن[6]، فالتزمه في مواطن غلبته، وإذا غلِب فالتزم توحيد الأحديّة.

وهذا الباب يحتوي على أسرار عظيمةٍ تركناها طلبًا للاختصار؛ فإنّها متشَعِّبةٌ، يتعلّق بعضها ببعض، ويتوقّف فَهْمُ بعضها على فهمِ بعض، فتكفي هذه الإشارة للعارف.[7]

---

[1] ف: العدد.

[2] ش: + إمّا.

[3] أي توحيد الذات.

[4] توحيد الإله في الألوهة.

[5] ي، ش: والعارفين والعلماء.

[6] ي: - في مواطن.

[7] م: + والله الموفق.

جب یہ طے ہو گیا کہ اعداد جفت اور طاق میں محصور ہیں، تو کچھ جگہوں پر جفت طاق پر غالب ہوتا ہے، اور کچھ مقامات پر طاق جفت پر غالب ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات کا مقابلہ کرے، اور جب وہ ایسا کرے گا تو کسی مباح یا گناہ میں کرے گا، اگر وہ اپنی خواہش کا مقابلہ کرے تو گناہ اور مباح میں جفت کو طاق پر غالب رکھے، اور اگر کسی دوسرے کی خواہش کا مقابلہ کرے تو طاق کو جفت پر غالب کرے، ہاں اگر ایسا گناہ میں ہو تو جفت کو طاق پر غالب کرے۔

بیشک توحید دو طرح کی ہے:

توحیدِ احدیت:[۸۰] یہ امت مسلمہ کے نافرمانوں کی توحید ہے؛ یہ توحید تو درست ہے لیکن فاسد اصل سے مرکب ہے۔ اور توحیدِ فردانیت:[۸۱] یہ محمد و موسیٰ علیہما السلام،[۸۲] اور امت مسلمہ کے عارفین علما کی توحید ہے، یہ صحیح اصل سے مرکب درست توحید ہے۔ توحیدِ احدیت ہر جگہ اور ہر چیز پر غالب ہے، لہذا اس سے بچ، کہیں تیرا دشمن تجھے اِس کی جانب نہ پھیر دے۔[۸۳] جبکہ توحید فردانیت بعض جگہوں پر غالب اور بعض جگہ پر مغلوب ہوتی ہے،[۸۴] لہذا جب یہ غالب ہو تو اسے لازم کر اور جب مغلوب ہو جائے تو توحید احدیت کو تھام لے۔

یہ باب عظیم رازوں کو سموئے ہے جنہیں ہم نے اختصار کے پیش نظر بیان نہ کیا؛ یہ ایسے جڑے ہیں کہ بعض کا بعض سے تعلق ہے، اور بعض کی سمجھ دیگر بعض پر موقوف ہے، عارف کے لیے اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔

الباب السادس عشر
في ترتيب الغذاء الروحاني على فصول السنة
لإقامة هذا الملك الإنساني وبقائه

اعلم أنّ الغذاء سبب إلهي موضوع لبقاء كلّ متغذّ، لا غنى له عنه. وما بقي بيننا وبين الطبيعيّين إلّا في الأشياء الّتي اعتيدَت غذاءً، فنحن نجوّز عدمها وترك استعمالها الشهور والسنين مع بقاء الحياة في المتغذّي ببقاء الحرارة والرطوبة الذي هو طبع الحياة بصورة مّا، فما دام الحقّ يغذّيه بِخلق الحياة فيه بقي، وهم يرون هذه الأطعمة الّتي هي عندهم أسباب وجود الحياة. وهذا الفصل لا يُحتاج للكلام مع المخالفين فيه؛ فإنّ طريق التصوّف ليس مبنيّا على مجادلة المخالفين؛ لأنّهم في عين الجمعِ مشغولون[1] بقلوبهم مع الله؛ كيف ينبغي أن تكون.

فاعلم أنّ فصل الربيع حارّ رطب؛ وهو طبع الحياة. وأنّ النفس تنشط فيه[2] للحركة والأسفار والفرج والنّزاهات؛ فإنّ ذلك زمان الحركة الطبيعيّة في جميع الحيوانات والنباتات. فتهتزّ النفس الحيوانيّة لذلك، فإن سامحها المريد أخطأ.

فاللهَّ الله أيّها السيّد الكريم: إذا أعطى الزمان شيئا بطبعه، ورأيت بعض أهل مملكتك يشاكل طبعه ذلك، فلا تتركه وطبعه، ولكن مُر وزيرَك العقل يأمر خديمه الفكر يأخذ من القوّة الحافظة ما عندها من الأمور الشرعيّة مثل قوله: إنّ في ذلك لآيات لأُولِي الأبصار وقوله – تعالى –: ﴿فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ

---

[1] ف: مستغلون.

[2] ف: النفس فيه تنشط.

سولہواں باب
اس انسانی مملکت کے قیام اور اس کی بقا کے لیے سال بھر کے موسموں میں روحانی غذا کی ترتیب

جان کہ غذا ہی ہر غذا خوار کی بقا کا خدائی سبب ہے، اور اِس سے کوئی مفر نہیں۔ ہمارے اور علمائے طبیعہ کے درمیان یہی فرق ہے کہ جن چیزوں کی بقا کا دار و مدار غذا پر ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ مہینوں بلکہ سالوں بھی غذا کو چھوڑے رکھنے سے اس غذا خوار میں زندگی اُس حرارت اور رطوبت—جو کہ کسی صورت میں طبع زندگی ہی ہے—کے باقی رہنے سے باقی رہے گی، سو جب تک حق تعالیٰ اس جاندار کو تخلیقِ حیات سے غذا دیتا رہے گا وہ (چیز) باقی رہے گی،[85] جبکہ اُن کی رائے میں یہ غذائیں ہی وجودِ حیات کے اسباب ہیں۔ اس فصل میں مخالفین سے مزید بحث و تکرار کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ طریق تصوف مخالفین سے تکرار پر مبنی نہیں؛ بیشک اہل تصوف اپنے قلوب میں جمع کی عین میں اللہ کے ساتھ ایسے مشغول ہیں جیسا کہ اِس مشغولیت کا حق ہے۔

جان لے کہ موسم بہار گرم مرطوب ہوتا ہے؛ اور یہی مزاجِ حیات ہے۔ نفس اس (موسم) میں حرکت، سفر، فراخی اور سیر و سیاحت کے لیے پُر جوش ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ موسم تمام حیوانات اور نباتات کے لیے فطری حرکت کا موسم ہے۔ نفس حیات اِس موسم میں پھلتا پھولتا ہے، اگر مرید اِسے کھلی چھٹی دے گا تو غلطی کرے گا۔

پس اے معزز سردار اللہ کا نام لے: اگر کوئی موسم اپنی فطرت سے تجھے کچھ دے، اور تو دیکھے کہ تیرے اہل مملکت میں سے بعض کا مزاج اِس سے ملتا ہے، تو انہیں اُن کے مزاج کے سپرد مت کر، بلکہ اپنے وزیر عقل کو حکم دے کہ وہ اپنے ملازم فکر سے یہ کہے کہ اپنی یادداشت میں سے شرعی امور کو سامنے رکھے، مثلاً اس کا کہنا: اہل بصیرت کے لیے اس میں نشانیاں ہیں، اور اُس متعال کا یہ کہنا: ﴿جب ہم اِس پر مینہ برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی ہے، نشوونما پاتی ہے اور ہر طرح کی

﴿مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ﴾[١] وقوله: ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾[٢] وجعل ذلك حياتها، فتكون حركة النفس في هذا الفصلِ الربيعي، في طلب الغذاء الذي يوافق هذا الزمان. فتأخذ من أسرار المعاملات ما ليس للنفس فيها تلك المجاهدة الشاقّة؛ فتشرع في السّنن والشرعيّات الّتي تعطيها[٣] المقامات العليّة مع عدم الشدّة والضيق كالاعتبارات والأفكار في المصنوعات وإحالة البصيرة على الصانع عند إجالة البصر في المصنوعات.

فإذا تحقّقتْ بهذا النظر سامِحْها في الخروج إلى الفُرج والأنهار والمروج ومواضع النواوير والأزهار من الجبال والغياض، فلا تزال تجني ثمر الاعتبار والفكر والاستبصار على كثرة ما شاهدته من عوالم الأزهار والنّوار، في الجبال والقفار، وشواطئ الأنهار، والتفكّر في الجنّة وما أعدّ الله فيها لأوليائه؛ فإنّ زمان الربيع زمانها، وهي الدار الحيوان، فهي حارّة رطبة؛ طبع الحياة. فإذا فكّر في هذا كلّه، حرّضه على الأعمال، وهوّن عليه شدائدها، لعظيم ما يرجوه من النعيم الدائم عند الله، فهذا هو زمان الشباب والاقتبال، وليس آخره كأوّله.

وأمّا زمان القيظِ؛ فهو حارٌّ يابسٌ؛ طبع النار. فينبغي لك أن يكون الغالب عليك أيّها السيّد[٤] في هذا الفصل: الفكر في حال الشيخوخة والضعف عن الأعمال الّتي لا يقدر عليها مَن كبر سنّه، والفكرة في جهنّم وشدّتها وسعيرها، وتنظُر في آية قوله: ﴿وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ﴾[٥] وتفكّر في حرّ القيامة وعطشه[٦]، وطرد الناس عن

---

[١] [الحج: ٥]

[٢] [يونس: ٢٤]

[٣] ي: تعطيهما

[٤] ش: + الكريم.

[٥] [التكوير: ١٢]

[٦] ش: وعطشها

خوش کر دینے والی چیزیں اگاتی ہے﴾ اور اُس کا کہنا: ﴿یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی زیبائش اور آرائش حاصل کر لی﴾ اُس نے اِس (آرائش) کو زمین کی حیات بنایا، لہذا بہار کے موسم میں نفس کی حرکت ایسی غذا کی طلب ہونی چاہیے جو اس موسم سے موافقت رکھتی ہو۔ تا کہ وہ معاملات کے اُن اسرار کو حاصل کر سکے جن میں نفس کے لیے مشقت والا مجاہدہ نہیں؛ چنانچہ وہ اِن سنتوں اور شرعی معاملات کی ادائیگی میں لگا رہے جو اسے مقاماتِ عالی عطا کریں، اور نفس پر تنگی اور سختی بھی نہ ہو، جیسے مخلوقات میں غور و خوض کرنا، یا مصنوعات پر نظر دوڑاتے وقت بصیرت کو صانع کی طرف لوٹانا۔

اگر نفس کو یہ نظر میسر آئے تو اِسے کھلی فضاؤں، دریاوں، چراگاہوں، پہاڑوں اور جنگلات میں لہلہاتے پھولوں کی سیر کو لے جا، یہ (نفس) پہاڑوں اور بیابانوں، ساحلوں اور دریاؤں میں پھولوں اور کلیوں کا مشاہدہ کرتے وقت اسی غور و فکر میں مبتلا رہے، اور جنت کے بارے میں سوچے کہ اللہ نے اس میں اپنے دوستوں کے لیے کیا کچھ بنا رکھا ہے؛ کیونکہ بہار کا موسم ہی جنت کا موسم ہے، اور جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یہ گرم مرطوب یعنی فطرتِ حیات کے موافق ہے۔ جب وہ ان سب میں سوچے گا تو (یہ سوچ) اُسے نیک اعمال کی ترغیب دلائے گی، اِن اعمال کی سختیاں اس پر آسان ہو جائیں گی، کیونکہ وہ اللہ کے ہاں دائمی نعمتوں کا امیدوار ہے، یہی جوانی اور اُس کی طرف متوجہ ہونے کا موسم ہے، اور اس (موسم) کا آخر اس کے اول جیسا نہیں۔

جہاں تک موسم گرما کا تعلق ہے تو وہ مزاجِ آتش کی طرح خشک اور گرم ہے۔ لہذا اے سردار! تجھے اس موسم میں بڑھاپے اور کمزوری کا سوچنا چاہیے کہ بڑھتی عمر کے باعث اعمال کی ادائیگی میں کمی آتی ہے، اسی طرح جہنم کی سختیوں، اس کی شدت اور آگ کا سوچ، اِس آیت میں غور کر: ﴿جب آگ بھڑکائی جائے گی﴾ قیامت کی گرمی اور پیاس کا سوچ کہ لوگوں کو حوض (کوثر)[٨٦] سے دور کر دیا جائے گا، اور (یہ کہ) لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے۔ اسی طرح کی دوسری تکالیف کا خیال ذہن میں رکھنا ہی اِس موسم میں تیرے نفس کی غذا ہونی چاہیے؛ یہی سوچ اس موسم کے موافق اور عالم سعادت کے دخول کا ذریعہ ہے، اور یہی بہترین حالت ہے۔

الحوض، وإلجام العرق. فأمثال هذا ينبغي أن يكون غذاء نفسك في هذا الفصل؛ فإنّه يلائمه للالتحاق بالعالم السعادي، هذه حالة جيّدة.

وأمّا زمان الخريف؛ وهو الفصل الثالث، فهو بارد يابس؛ وهذا طبع الموت. فينبغي[1] أن يكون الغالب عليك في هذا الفصلِ في غذائك؛ التفكّر في الموتِ وسكراته، وغمراته، وهل يختم لك بالتوحيد أو بالشرك، وما تلقاه من خصميك[2]، ومِن نزع الملَك روحَك الطيّبة أو الخبيثة؟ وهل يُفتح لها بابُ السماء أو لا؟ وهل تكون عند موتها في علّيّين أو في سجّين؟ وأنّ ذلك أوّل موطن من ولادة الآخرة، وأنّ الدنيا اليوم حاملةٌ بك، وهذا الجسم كالمشيمة للمولودِ، وبالموت تقع الولادة، ولهذا قال: ﴿وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئاً﴾[3] وكذلك أنت اليوم، بالإضافة إلى ما يُفْتَح لك من علوم الآخرة، وما تعاينه، وما أعدَّ الله لعبيده من الوعدِ والوعيدِ. فمثل هذا الفكر يكون الغالب عليك في زمان الخريف.

وأمّا زمان الشتاء؛ فإنّه بارد رطبٌ، وهو طبع البرزخ. فينبغي أن يكون غذاؤك في هذا الزمان الفكر في البرزخ بين المنزلتين: هل أنت ممّن يُعْرَض على النار غُدُوًّا وَعَشِيًّا كآل فرعون؟ أو ممّن[4] يُعْرَض على الجنان، تعلق من رياض[5] الجنّة، وتتبوّأ منها حيث شئت كالمؤمنين؟ وتفكّر في الحسرة المستصحبة لك في البرزخ على ما ضيّعت من الأنفاسِ والأوقات؛ إمّا في المخالفات أو في المباحات، فتتمنّى في ذلك الوقت أن يردّك الله إلى الدنيا، وليس ذلك التمنّي بنافع لك، وليس الله برادّك؛ فتكثر حسراتك، وتتوالى عليك زفراتك.

---

[1] ل: + لك.

[2] ش: خصيمك.

[3] [النحل: ٧٨]

[4] ي، ل: من.

[5] ف: ثمر.

جہاں تک موسم خزاں کا تعلق ہے تو یہ تیسرا موسم ہے، یہ خشک اور ٹھنڈا ہے جو کہ موت کا مزاج ہے۔ لہذا تجھے چاہیے کہ اس موسم میں تیری غذا؛ موت، اس کی سکرات اور حالت نزع کے بارے میں تفکر ہو، اور کیا تیرا خاتمہ توحید پر ہو گا یا پھر شرک پر؟ اور تو اپنے دونوں حریفوں سے کیا پائے گا، اور فرشتہ تیری پاک روح قبض کرے گا یا خبیث؟ اور کیا (تیری) اس روح کے لیے آسمان کے دروازے بھی کھولے جائیں گے یا نہیں؟ اور کیا تو مرنے کے بعد علیین میں جائے گا یا سجین میں؟ یہ ولادتِ آخرت کا پہلا ٹھکانہ ہو گا، آج دنیا تجھ سے حاملہ ہے، تیرا یہ جسم ویسا ہی ہے جیسا جنین کے لیے آنول[1] اور موت کے وقت تیری ولادت ہو گی، اِسی لیے اس نے کہا: ﴿اللہ نے تمھیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسا نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے﴾ ان علوم کی نسبت آج تیرا بھی یہی حال ہے جو آخرت میں تجھ پر کھلیں گے، یا جو تو دیکھے گا کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے وعد و وعید سے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ خزاں کے موسم میں تجھ پر اسی سوچ کا غلبہ ہونا چاہیے۔

جہاں تک موسم سرما کا تعلق ہے تو یہ ٹھنڈا مرطوب ہے، جو کہ برزخ کا مزاج ہے۔ اِس موسم میں تیری غذا برزخ کی دو منزلوں (یعنی قبر اور محشر) کے بارے میں سوچ ہونی چاہیے: کیا تو بھی آلِ فرعون کی طرح روزانہ صبح و شام آگ میں جھونکا جائے گا؟ یا تجھے باغوں میں رکھا جائے گا، اور مومنین کی طرح تو جنت کے باغوں میں جہاں سے چاہے گا کھائے گا؟ اور برزخ میں لاحق اُس حسرت کا بھی سوچ کہ تو نے کتنی سانسیں اور کتنے اوقات نافرمانی یا فضول مباح کاموں میں ضائع کیے، اُس وقت تو یہ خواہش کرے گا کاش اللہ تجھے دنیا میں واپس بھیج دے، لیکن اُس وقت یہ تمنا کوئی فائدہ نہ دے گی، اور نہ ہی اللہ تجھے واپس بھیجے گا؛ یوں تیری حسرتیں اور افسوس مزید بڑھ جائے گا۔

---

[1] یعنی وہ جھلّی جس میں وہ ولادت سے پہلے لپٹا ہوتا ہے۔

فإذا تيقّنت، بالفكر الصحيح والعلم الراسخ، أنّ ذلك وقت الحسرة والتغابن، ولا ينفع، فتحرّضك على الجهدِ والاجتهاد في هذا الوقت؛ في حياتك الدنيا حيث تنفعك حسرتك إن تحسّرت، وتوبتك إن تبت، وندمك إن ندمت، كما قال - تعالى - : ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾[1] وقال تعالى: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ﴾[2] فإنّ ذلك الجزء من الحياة الدنيا ليس منها، وإنّما هو من البرزخ، من[3] الدار الّتي لا ينفع فيها ما عمل فيها. فليكن غذاء نفسك هذا الغذاء في هذا الفصل؛ فإنّه نافعك إن شاء الله.

فإذا جمعت بين الغذاءين؛ فقد صحّ جسمك للمعاملات وصحّ عقلك للواردات، وكنت في كلّ زمان صاحب علم وعملٍ؛ وهو الذي حرّضك الشرعُ عليه، وأمرك به، وندبك إليه.

فاسعَ أيّها السيّد في نجاة نفسك ونجاة رعيّتك. واعلم أنّ أهل دولتك إن عاشرتهم في الدنيا بالحقّ والعدل والإنصاف، ومشيتَ بهم على الطريقة الواضحة الشرعيّة؛ فإنّ الله - تعالى - يقيمهم لك يوم القيامة شهداءَ لك بالعدل وحسن النقيبة والسيرة والمعاشرة. وإن عدلت بهم إلى طريق المخالفات والمحظورات، انعكس عليك، وأوقفهم الحقّ يوم القيمة[4] شهداءَ عليك بقبح السيرة وسوء المعاشرة. فالله الله تحفّظ. قال الله - تعالى -: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾[5] وقال: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

---

[1] [الفرقان: ٧٠]

[2] [النساء: ١٨]

[3] ش: في.

[4] ل: - يوم القيامة.

[5] [يس: ٦٥]

لہذا اگر تجھے درست سوچ اور راسخ علم سے یہ یقین ہو گیا کہ وہ افسوس اور پشیمانی کا وقت ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر یہ سوچ تجھے یہاں محنت اور کوشش پر اکسائے ؛یعنی اس دنیاوی زندگی میں کہ یہاں تیری حسرت - اگر تو حسرت کا اظہار کرے - تیری توبہ - اگر توبہ کرے - اور تیری ندامت - اگر نادم ہو - تجھے فائدہ پہنچائے گی، جیسا کہ اس متعال نے فرمایا: ﴿ہاں جس نے توبہ کی، جو ایمان لایا اور نیک اعمال کیے تو یہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا﴾ اور وہ متعال فرماتا ہے: ﴿توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں جو (ساری زندگی) گناہ کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آن پہنچا تو کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں﴾ کیونکہ زندگی کی یہ آخری گھڑیاں اِس جہان سے نہیں بلکہ یہ تو برزخ میں سے ہیں ؛اور برزخ وہ گھر ہے جہاں کیا گیا کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا۔ لہذا اِس موسم میں یہی سوچ تیرے نفس کی غذا ہونی چاہیے، بیشک یہ تجھے فائدہ دے گی، ان شا اللہ۔

اگر تو نے دو غذاؤں کو جمع کیا تو تیرا جسم معاملات کے لیے اور تیری عقل واردات کے لیے درست رہے گی، تو ہر موسم میں صاحبِ علم وعمل ہو گا ؛اِسی طرف شریعت نے تجھے بلایا، حکم دیا اور ترغیب دلائی۔

اے سردار! اپنے نفس اور اپنی رعایا کی نجات کے لیے کوشاں رہ۔ اور جان کہ اگر تو نے دنیا میں اپنے اہل مملکت کے ساتھ حق، عدل اور انصاف کیا، انہیں اس واضح شرعی طریق پر چلایا، تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ انہیں تیرا گواہ بنائے گا اور یہ تیرے عدل، حُسن معاشرت اور اچھے کردار کی گواہی دیں گے۔ لیکن اگر تو ان کے ساتھ حق کی مخالفت اور ممنوع راستوں پر چلا ہو گا تو یہ تیرے خلاف کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت انہیں تیری بد کرداری اور بُرے برتاؤ کا گواہ بنا کر کھڑا کرے گا۔ پس اللہ کا نام لے اور بچ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور اُن کے ہاتھ ہمیں بتائیں گے، ان کی ٹانگیں گواہی دیں گی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے﴾ اور فرمایا: ﴿جس دن اُن کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کی ٹانگیں گواہی دیں گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے﴾ اور فرمایا: ﴿بے شک سماعت، بصارت اور قلب، ہر ایک سے پوچھا جائے گا﴾

جیسا کہ سال کے ہر موسم میں عمر کے لحاظ سے جسم میں کچھ بیماریاں ظاہر ہوتی ہیں، اِسی

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[1] وقال: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾[2]

وكما أنّه لكلّ فصل من فصول السنة علل وأمراض[3] تحدث فيها، في الأبدانِ وعلىٰ حسب السنّ، كذلك يكون في الروحانيّين علل. فلتنظر إلى الأغذية الروحانيّة الّتي رسمنا لك في كلّ فصلٍ؛ فإنّ الشيء الذي يحول بينك وبين تناولها والأخذ فيها، فهو علّتك في ذلك كائنا ما كان، من غير تعيين أنت تعيّنه لنفسك؛ فإنّك تدري السبب الذي حالَ بينك وبين أخذ هذا الغذاءِ الذي فيه حياتك وصحّتك وبقاؤك.

وإنّما ذكرنا العلوم في الأغذية وسكتنا عن الأعمالِ، ولم نجعل العمل غذاءً فإنّ العمل لا يحيا به الرُّوح، وإنّما يحيا بالعلم الإلهيّ، والعلم الإلهيّ لا يظهر إلّا بالعملِ. فإذا أمرتُك باكتساب هذه العلوم الإلهيّة في هذه الأزمان المختلفة، فقد أمرتك بالأعمال. كما يقول الطبيب: يكون غذاؤك زيرباجًا، ومن المحال أن يتغذّىٰ بقوله: زيرباجا، وإنّما في الزيرباج رُوحانيّة مودعة يؤدّيها إليك؛ فيقوم الجسم، فيأخذ اللحم وتضيف[4] إليه السُّكّر واللوز والزعفران والخلّ والفلفل ومن أَفاوِه الطيب ما تيسّر، وتركته[5] علىٰ النار الليّنة المعتدلة حتّىٰ يكون طبخه معتدلًا، فإذا استوىٰ أنزلته وتناولته؛ فأعطاك روحانيّته، وهي الأمانة الّتي أودع الله فيه لك، فحيِيت بها، وتقوّت صحّتك، وبقي كلّ ما عمله الجسم، وخدم فيه، خرج ثفلا ترميه في المرحاض.

كذلك الأعمالُ تعملها، فتأخذ روحانيّتها من العلوم والدرجات، وتتركها كما تركت ثفل ذلك الطعام، في جهنّم علىٰ الكفّار؛ وهي المشاقّ والشدائد الّتي نلت في

---

[1] [النور: ٢٤]

[2] [الاسراء: ٣٦]

[3] ي: عللا وأمراضا.

[4] ي: يضيف.

[5] ل،م: تركبه.

طرح روحانی بیماریاں بھی ہیں۔ لہذا ہر موسم میں اُس روحانی غذا پر غور کر جو ہم نے تجھے بتائی؛ کیونکہ جو چیز بھی - تیرے تعین یا اس کے بغیر - تیرے اور اس روحانی غذا کو اخذ کرنے میں رکاوٹ بنے، وہ چیز تجھ میں روحانی بیماری ہے؛ بے شک تو اُس سبب سے بخوبی واقف ہے جو تیرے اور اس غذا - جس میں تیری زندگی، صحت اور بقاہے - کے حصول کے درمیان حائل ہوا۔

ہم نے علوم کو غذاؤں میں شمار کیا اور اعمال کے بارے میں خاموش رہے، ہم عمل کو غذا نہیں کہتے کیونکہ عمل سے روح کی زندگی نہیں، بلکہ روح تو علم الٰہی سے زندہ ہوتی ہے، لیکن علم الہی پھر عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ سو جب میں تجھے ان مختلف موسموں میں علوم الٰہیہ کے حصول کا حکم دیتاہوں تو میں تجھے اعمال کا حکم ہی دیتاہوں۔ جیسا کہ طبیب کہتا ہے: تو (خوراک میں) زیرباج استعمال کر، مگر تو زیر باج کہنے سے ٹھیک نہیں ہو سکتا، بیشک زیر باج میں وہ روحانیت رکھی گئی ہے جو وہ تجھ تک پہنچاتی ہے تو تیرا جسم ٹھیک ہوتا ہے، پس گوشت لے اور اس میں تھوڑی سی شکر، بادام، زعفران، سرکہ، مرچیں اور تھوڑی سی خوشبو ڈال، پھر اس کو درمیانی آنچ پر رکھ یہاں تک کہ یہ برابر پک جائے، جب برابر ہو جائے تو اسے اتار لے اور (ٹھنڈا) کر کے کھالے۔ یہ (غذا) تجھے اپنی تاثیر دے گی، یہ وہی امانت ہے جو اللہ نے اِس میں تیرے لیے رکھی، اِس (غذا) سے تجھے زندگی ملی اور تیری صحت بہتر ہوئی، پھر جسم جو کچھ اپنے استعمال میں لا چکا اور جس سے فائدہ اٹھاچکا، اس کے بعد باقی رہ جانے والا پھوک تو بیت الخلا میں پھینک دیتا ہے۔

اعمال بھی اسی طرح سے ہیں، تو اِن کی روحانیت یعنی علوم اور درجات اخذ کرتا ہے، اور پھر ان کا پھوک کافروں پر جہنم میں پھینک دیتا ہے جیسا کہ تو نے اِس غذا کے پھوک کو پھینکا؛ یہ وہی سختیاں اور مصیبتیں ہیں جو تجھے اِن اعمال میں پیش آئیں؛ جیسے صبح کو اٹھنا، مسجد جانا یا راہِ خدا میں نکلنا، سرد موسم میں پورا وضو کرنا اور تمام ناپسندیدہ اعمال وغیرہ۔ یہی تو دنیا کے وہ شرعی اعمال ہیں

تلك[1] الأعمال؛ من القيام في الأسحارِ، والسّعي إلىٰ المساجدِ، وفي سبيل الله، وإسباغ الوضوء في السَّبرات، وجميع المكاره. وهي هذه الأعمال الشرعيّة في الدنيا فتتركها كلّها، ولا تنقلب[2] إلىٰ الآخرة إلّا بلطائفها الّتي أودع الله فيها، الّتي قد رأيت هنا عيونها في قوله: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾[3] ﴿واتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللهُ﴾[4]

فكما أنّ الغذاء الجسماني لم تقدر أن تصل إليه حتّىٰ تعمل[5] سببه، كذلك هذا[6] الغذاء الروحاني لا تصل إليه حتّىٰ تعلمه، وأيسر أعماله أن تأكله؛ فأكله عمل، وإن عمله خادم، فلا بدّ من تحريك أسنانك فيه، وتسخير اللسان، والأحناك والأسنان والحلقوم، والمريء، والمعدة، والمعاء، والكبد، وحينئذ يسري منه فيك روحُ حياة، وليس إذا أكله غيرك يحصل لك منه شيء.

فكذلك هذا الغذاء الروحاني لابدّ أن تكون أنت المتناول له بنفسك، وحينئذ يعطيه الله لك. فما أعمىٰ أكثر الناسِ عن إقامة هذه النشأة الروحانيّة بهذا الغذاء الإلهيّ عن هذا العمل الشرعي!. وقد علمنا قطعًا أنّ الجسم يحشر يوم القيمة علىٰ صورة عملِه، والنفس علىٰ صورة عِلمها. فالسعيد من حَسَّنَ صورتيه، وجمع بين كلمتيه. فهذا هو الغذاء الذي يحصل من جهة الأعمال.

واعلم - وفّقك الله وسدّدك - أنّ كلّ محدَث فلا بدّ له من غذاء يتغذىٰ[7] به،

---

[1] ي: بلد.

[2] ف: تلتفت.

[3] [العنكبوت: ٦٩]

[4] [البقرة: ٢٨٢]

[5] ل، م، ف: حتىٰ عمل سببه. ي: كتب أول عمل ثم بدلت بعملت.

[6] م: هو.

[7] ي، م: يغتذي.

جن سب کو تو چھوڑ دے گا، اور آخرت میں یہ صرف اپنے لطائف کی صورت میں ہی ظاہر ہوں گے جو اللہ نے ان میں رکھے، جن کے حقائق (کی ایک جھلک) تو یہاں اس قول میں دیکھ چکا: ﴿جو لوگ ہماری کوشش میں لگے رہتے ہیں، انہیں ہم ضرور اپنے راستے دکھاتے ہیں﴾ ﴿اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ تمھیں سکھائے گا﴾[۸۷]

جیسا کہ جسمانی غذا کے حصول کے لیے تجھے کام کرنا پڑتا ہے، اِسی طرح روحانی غذا کے حصول کے لیے تجھے علم حاصل کرنا پڑتا ہے، سب سے آسان کام تو اِس (غذا) کو کھانا ہے: کھانا بھی عمل ہے چاہے خادم ہی کیوں نہ کھلائے، لیکن پھر بھی دانتوں سے چبانا پڑے گا اور زبان، تالو، حلق، معدہ، جگر، آنت کو اپنا کام کرنا پڑے گا، اس کے بعد ہی اس (غذا) سے روحِ حیات تیرے اندر سرایت کرے گی، کسی دوسرے کے کھانے سے تجھے اِس کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہ روحانی غذا بھی اسی طرح سے ہے کہ جب تک تو اسے خود نہیں لے گا تب تک اللہ اس کا فائدہ تجھ تک نہیں پہنچائے گا۔ اکثر لوگ عمل شرعی سے حاصل اس الٰہی غذا سے اس روحانی نشأت کی اقامت میں کس قدر اندھے ہیں۔ ہمیں یہ قطعی علم ہے کہ روزِ قیامت جسم اعمال کی صورت پر اور روح علم کی صورت پر اُٹھائی جائے گی۔ خوش نصیب ہے وہ جس نے اپنی ان دونوں صورتوں کو خوبصورت بنایا، اور ان دونوں کلموں (شریعت اور طریقت) کو جمع کیا۔ یہ ہے وہ غذا جو اعمال کی جہت سے حاصل ہوتی ہے۔

جان لے-اللہ تجھے توفیق دے اور تیری مدد کرے-ہر محدث (مخلوق) کو غذا کی ضرورت ہے کہ اِسی میں اُس کی بقا ہے۔ یہ بھی جان لے کہ میکائیل تمام حسی غذاؤں اور رزق پر امین ہیں، تیرے جسم میں اس کی مثال جگر ہے، کہ جگر ہی تمام جسم کو غذا دیتا ہے، اسی طرح اسرافیل

فيه بقاؤه. واعلم أنّ ميكائيل هو الأمين على الأرزاق والأغذية كلّها المحسوسة، ويقابله منك الكبد، فهو الذي يعطي الغذاء لجميع البدن، وكذلك إسرافيل يغذّي الأشباح بالأرواح، وجبريل يغذّي الأرواح بالعلوم والمعارف.

فكلّ موجود يكون بقاؤه مربوطا بأمر مّا، فذلك الأمرُ هو غذاؤه. كالجوهر غذاؤه بالعرض؛ فلا بقاء له دونه، وكذلك الجسم بالتأليف، وكذلك العقل ببعض العلوم الضروريّة، وكذلك الهيولى بالصّور. فلا يزال الروح القدسي متعطّشا لبقائه في وجوده، وبقاؤه بالعلوم الإلهيّة فهي غذاؤه، ولهذا قال الله - تعالى - لنبيّه - عليه السلام -: ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾[1] ثمّ رآه في صورة الغذاءِ المحسوس على ما خرّجه البخاري في صحيحه، قال: قال رسول الله - صلّى الله عليه وسلّم -: «أُريت كأنّي أتيت بقدح لبنٍ فشربته حتّى خرج الريّ من أظفاري، ثمّ أعطيت فضلي عمر. قالوا: فما أوّلته يا رسول الله؟ قال: العلم»، وشَرِبَه ليلة إسرائه وقيل له: «هو الفطرة أصاب الله بك أمّتك».

فينبغي لك - أيّها السيّد الكريم - أن تكون مع الله تعالى على حكم تدبيره - سبحانه - في بادية ملكه، ولا تتأنَّ في استجلاب غذاء الأرواح، فإنّك مأمور بسؤال الزيادة منها، فإنّ الأرواح لا تشبع من العلوم أبدًا. وقد عُرِّفْنَا بذلك فقال - عليه السلام -: «منهومان لا يشبعان: طالب علم، وطالب دنيا» ولا تطلب من العلم ما تأخذه من تحت قدمك، وإنّما اطلب منه الرحمة الّتي اختصّ[2] بها عبادَه الذين أفردهم إليه والعلم الذي خصّهم به؛ وهو العلم اللدني. فإنّ علوم المعاملة، وإن لطفتْ وعلتْ، فإنّما علوّها وجمالها، وحسنها ولطفها، بالنظر إلى علوم الأفكار المدنّسة بحكم النظر العقلي والافتكار، وهذه وراءَ طورِ العقل، فنورها أجلى ومرآتها أصفى.

---

[1] [طه: ١١٤]

[2] ش: + الله.

صورتوں کو ارواح سے غذا دیتے ہیں، اور جبرائیل ارواح کو علوم اور معارف سے غذا دیتے ہیں۔

ہر موجود کی بقا کسی سبب سے وابستہ ہے، اور یہی سبب اُس کی غذا ہے۔ جیسے جوہر عرض کی غذا ہے؛ اور اِس کے بغیر (عرض) کی کوئی بقا نہیں۔ اِسی طرح جسم کی بقا جڑے رہنے سے ہے، عقل کی ضروری علوم سے، اور ہیولیٰ کی صورتوں سے۔ یہ پاک روح وجود میں ہمیشہ اپنی بقا کی پیاسی رہتی ہے، اور اِس کی بقا علوم الٰہیہ سے ہے؛ یہی اِس کی غذا ہیں۔ اِسی لیے اللہ تعالی نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا: ﴿اور کہیے: میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما﴾ پھر آپ نے اِس (علم کو) مادی غذا کی صورت میں بھی دیکھا، جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ذکر کیا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے دکھایا گیا کہ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، میں نے اِسے پیا یہاں تک کہ یہ میرے ناخنوں سے فواروں کی شکل میں نکل پڑا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر کو دے دیا۔" صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اِس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا: "علم"[88] معراج کی رات بھی آپ نے دودھ پیا تو آپ کو کہا گیا: یہ فطرت ہے، اللہ آپ کی وجہ سے آپ کی امت کو صائب بنائے گا۔

اے معزز سردار! تجھے چاہیے کہ اِس غیر آباد مملکت میں اللہ سبحانہ کی حکم کردہ تدبیر کے ساتھ چل، اور ارواح کی غذا (یعنی علم) کے حصول میں سستی مت دکھا، کیونکہ تجھے اس میں اضافے کے سوال کا حکم ہے، بے شک ارواح کبھی علوم سے سیر نہیں ہوتیں۔ ہمیں یہ بتایا گیا، آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: "دو طرح کے لوگ کبھی سیر نہیں ہوتے: ایک طالبِ علم اور دوسرا طالبِ دنیا۔"[89] اور کبھی اُس علم کا طلب گار مت بن جو تو اپنے قدموں کے نیچے سے پائے،[90] بلکہ اُس سے وہ رحمت مانگ جو اُس نے اپنے اُن بندوں سے مخصوص کی جنہیں خود سے مخصوص کیا، اور وہ علم جو صرف اُنہیں دیا؛ یہ "علم لدنی" ہی ہے۔ علومِ معاملہ اگرچہ لطیف اور رفیع ہیں، مگر اِن کی رفعت اور جمال، حسن اور لطافت تو غور و فکر والی عقلی نظر سے نجس علوم افکار کی طرف نظر کرنے سے ہے، یہ (علوم لدنیہ) تو عقل کی سرحد سے پَرے ہیں، لہٰذا اِن کا نور اُجلا اور آئینہ زیادہ صاف شفاف ہے۔

ولكنّ العلوم اللدنّيّة التي لم يقترن بتحصيلها عمل مع استصحاب العمل[١]، والفرقان بينهما بيّن، فإنّ علوم الأعمال الهممُ متعلِّقة بها، ولهذا أنت على مدرجة مِن مدارجها وهي علوم السعادة.

وهذه العلوم الّتي نبّهتك عليها؛ علوم لدنّيّة موقوفة على الامتثال المطلق الذي لم يدنّسه المخلوق بكدّه، وإن كان الحقّ أكّده، ولكن ثمّ لطيفة الكسب[٢] يطلع سَحابه على مرآة الروح، فإنّه انبعاث سفليّ من عالم الهوى، حيث صعود الأبخرة وتولّد السحاب. وكلّ ما دخل تحت العناصر فإنّ التغيير يسرع إليه، إلّا أن يكون صاحبه قويّ[٣] المحافظة على[٤] الموازنة في الحركات والسكنات والمطاعم والمشارب، يحفظ بذلك رتبة الاعتدال، فحينئذ إذا تخلّص له هذا المقام يكون سعيدًا. وهذه العلوم لا تحتاج إلى شيء من هذا الحفظ البشري من أجل العناية.[٥]

---

[١] ف: العلم.

[٢] ف: الكشف.

[٣] ف: + على.

[٤] ف: وعلى.

[٥] م: بلغت قراءة.

لیکن علومِ لدنیہ جن کے حصول کے لیے عمل نہ کیا گیا حالانکہ ان میں بھی عمل ہے، ان دونوں (علوم معاملہ اور علوم لدنی) کے درمیان فرق واضح ہے، بیشک علومِ اعمال والوں کی توجہ ان علوم سے متعلق ہوتی ہے،[91] اِسی لیے تو ان کے درجات میں سے کسی درجے پر ہے اور یہ سب سعادت والے علوم ہیں۔

اور یہ دوسرے علوم جن کی جانب میں نے تیری توجہ مبذول کروائی؛ یہ علوم لَدُنّی ہیں جو مطلق فرمانبرداری پر موقوف ہیں، مخلوق نے اپنی کوشش سے انہیں ناپاک نہیں کیا، حالانکہ حق نے انہیں ثابت کیا، لیکن یہاں لطیفہ کسب ہے جس کا بادل روح کے آئینے پر چھا جاتا ہے، یہ خواہش کے عالم کا ایک سفلی پھیلاؤ ہے، جہاں بخارات اٹھتے اور بادل بنتے ہیں۔ ہر وہ شے جو عناصر کے تحت ہے تو وہ تبدیلی کی زد میں ہے، ہاں اگر یہ شخص حرکات و سکنات اور کھانے پینے میں مضبوطی سے میزان کی حفاظت کرنے والا ہو، کہ مقامِ اعتدال کو قائم رکھ سکے، اُس وقت جب اسے یہ مقام حاصل ہوا تو وہ خوش بخت ہو گا۔ اِن علوم الٰہیہ کو عنایت خداوندی کے سبب یاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

الباب السابع عشر
في خواصّ الأسرار المودَعة في الإنسان، وكيف ينبغي أن يكون السالك في أحواله

في هذا الباب أودعتُ المضاهاة. وهو[1] على خمسة[2] أبواب.

اعلموا يا أصحاب القلوب المتعطّشة إلى أسرار الغيوب، أنّه ما أضيف شيء إلى شيء، بأيّ وجه كان من وجوه الإضافات؛ من إضافة تشريف واختصاص، أو مُلكٍ أو استحقاق، ولا دَلَّ دليل على مدلولٍ، ولا رأى راء لمرئيّ، ولا سمع سامع لمسموع، إلّا لمناسبة. غير أنّه قد تظهر فتُعرف لقربها، وقد تخفى فتُجهل لبُعدِها؛ وهي على قسمين: ظاهرة، وباطنة.

فالظاهرة؛ يعرفها أهل الظاهرِ إذا نظروا وحقّقوا، والباطنة؛ لا تُعرف أبدًا بالنظر، وإنّ معرفتها موقوفة على الوهب الإلهيّ؛ وهذا هو طور النبوّة والولاية، والفصل بينهما لا خفاء به، فإنّ النبيّ - صلّى الله عليه وسلّم - متبوع تابعه الولي، ومقتبَس من مشكاته، وبظاهر[3] من ضرب المناسبة الظاهرة، ووقع الخطاب ثبتت[4] العقائد الّتي[5] تعبّد الخلق[6] بها.

فقالوا: الله موجود، ونحن موجودون، فلولا معرفتنا بوجودنا مَا عرفنا معنى

---

[1] ف: هي.

[2] ل، م، ي: أربعة وصححت في الحاشية إلى خمسة.

[3] ش: ومظاهره.

[4] ف: بثبت.

[5] ي، ف، ل: الذي.

[6] ي: - الخلق.

سترہواں باب
انسان میں رکھے گئے خاص اسرار،
اور سالک کو اپنے احوال میں کیسا ہونا چاہیے

میں نے اس باب میں مشابہت رکھی ہے،[۹۲] اور اس کے پانچ (ذیلی) ابواب ہیں۔

اسرارِ غیوب کے پیاسے دل والو! یہ جانو کہ جب بھی کوئی شے کسی دوسری شے سے منسوب ہو، اور ایسا اضافت کے کسی بھی رخ سے ہو؛ چاہے یہ اضافتِ تشریف و اختصاص ہو، یا اضافتِ ملکیت و استحقاق، اور جب کوئی دلیل مدلول پر دلالت کرے، اور دیکھنے والا کوئی شے دیکھے، سننے والا کوئی بات سنے، تو یہ سب ایک مناسبت سے ہوتا ہے۔ ہاں بعض اوقات یہ (مناسبت) ظاہر ہوتی ہے تو اپنے قرب کے باعث جانی جاتی ہے، لیکن جب ظاہر نہیں ہوتی تو اپنی دُوری کے باعث او جھل رہتی ہے؛[۹۳] اِس کی دو قسمیں ہیں:

۱- ظاہری مناسبت، ۲- باطنی مناسبت۔

ظاہری مناسبت وہ ہے جسے اہلِ ظاہر غور و فکر سے جان جاتے ہیں، جبکہ باطنی مناسبت غور و فکر سے کبھی نہیں جانی جاتی، بلکہ اِس کی پہچان وہب الٰہی پر موقوف ہے؛ یہی تو نبوت اور ولایت کا دائرہ ہے، اِن دونوں (یعنی نبوت اور ولایت) کا فرق کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، بیشک نبی ﷺ کی اتباع کی جاتی ہے؛ ولی آپ کی اتباع کرتا ہے، اور آپ کے نور سے روشنی پاتا ہے، ظاہری مناسبت کی ضرب اور خطاب کے وقوع سے ان عقائد کا اثبات ہوتا ہے کہ مخلوق کو جن سے مکلف کیا گیا۔

ان کا کہنا ہے: اللہ بھی موجود ہے اور ہم بھی موجود ہیں، اگر ہمیں اپنے وجود کا علم نہ ہوتا اور ہم وجود کے معنی نہ جان پاتے تو یہ کیسے کہتے کہ باری تعالیٰ بھی موجود ہے۔ اِسی طرح جب اُس نے ہم میں صفتِ علم کو تخلیق کیا تو ہم نے اُس کے لیے علم کو ثابت کیا کہ وہ عالم ہے، اِسی طرح

الوجودِ حتى نقول: إنّ الباري موجودٌ. وكذلك لمّا خلق فينا صفَةَ العلم أثبتنا له العلمَ، وأنّه عالم، وهكذا الحياة بحياتنا، والسمع والبصر والكلام؛ بكلام نفوسنا لا بأصواتنا وحروفنا، والقدرة والإرادة. وكذلك سائر الأسماء كلّها من الغنى والكرم والجود والعفو والرحمة كلّها موجودة عندنا، فلمّا سمّى لنا نفسه بها عقلناها، فما عقلنا منه غير ما أوجده فينا، وما عدا ذلك فعِلمنا به من جهة السلب؛ وهو ليس كذلك.

القِدم ليس بصفة إثبات، وإنّما معناه: لا أوّل له في وجوده، فتعلّق العلم بنفي الأوّليّة عنه، وعلمناها أيضا؛ فإنّ الأوّليّة موجودة عندنا حقيقة، والنفي عندنا معلوم منّا بفقد أشياء منّا بعد وجودها فينا، أوضحها انتقالنا من حالٍ إلى حالٍ، ومن مكان إلى مكان، ومن نظر إلى نظر، فقد عرفنا حقيقة النفي وحقيقة الأوّليّة.

ثمّ حملنا النفي على الأوّليّة ووصفنا الحقّ بها، وهي صفة سلب، وقد يعلم الشيء بنظيره وبضدّه، وقال – عليه السلام –: «من عرف نفسه عرف ربّه» فأُثبتُ له من الصفات ما خلقَ فيَّ[1] لا غير؛ فهذه معرفة. وبقيت معرفة السلب الّتي بها امتاز عنّا، فأخذنا الصفات الّتي ثبت بها حدوثنا وعبوديّتنا وإخرَاجُنا من العدم إلى الوجود ونفيناها عنه، ولم نجد له صفة إثبات معيّنة ليست عندنا نعرفه بها، لكن نعرف أنّه على حكم ليس نحن عليه، ثابت له. فلولا هذه المناسبة ما صحّت لنا عقيدة ولا عرفناه أصلا.

ثمّ بعد هذا، وإن عرفناه بما وصفَنا، فإنّ هذه الصفات في حقّنا تعقبها الآفات والأضداد، وهي له باقية لا يعقبها ضدّ ولا آفة. وعرفنا هذا ببقائنا عليها زمانين

[1] ف: ما خلقه.

حیات ہماری حیات سے، اور سماعت، بصارت، کلام - ہمارے نفوس کے کلام سے نہ کہ ہمارے حروف اور آوازوں سے - قدرت اور ارادہ ہے۔ اسی طرح وہ تمام اسما یعنی کہ غنا، کرم، جود، عفو اور رحمت وغیرہ، یہ سب ہم میں موجود ہیں، سو جب اُس نے ہمارے لیے خود کو اِن (اسما) سے موسوم کیا تو ہم انہیں سمجھ گئے، ہم اِن (اسما) میں سے وہی سمجھے جو اِس نے ہم میں ایجاد کیا، اور باقی اسما کو ہم نے سلب (یعنی نفی) کے راستے سے جانا؛ کہ وہ ایسا نہیں۔

قدیم ہونا اثباتی صفت نہیں، بلکہ اِس کا مطلب ہے: کہ وجود میں جس سے پہلے کوئی نہ ہو، لہذا علم کا تعلق اُس سے اولیت کی نفی ہوا، اور ہم نے بھی اِسے یونہی جانا؛ کیونکہ ہمارے ہاں اولیت حقیقتاً موجود ہے، اسی طرح ہم نفی کو اس طرح سے جانتے ہیں کہ اشیا پہلے ہمارے پاس تھیں اور پھر کھو گئیں، اس کی وضاحت ہمارا ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، اور نظریات کا تبدیل ہونا وغیرہ ہے، لہذا ہم نفی اور اولیت کی حقیقت جان گئے۔

پھر ہم نے نفی کو اولیت سے پہلے رکھا اور حق کو اِس سے موصوف کیا، یہ سلبی صفت ہے، بیشک کوئی چیز اپنی جیسی (چیز) یا اپنی الٹ چیز سے ہی پہچانی جاتی ہے، آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا فرمان ہے: "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا" لہذا میں اُس کے لیے وہی صفات ثابت کرتا ہوں جو اُس نے میرے اندر رکھیں، ان کے سوا نہیں؛ یہی معرفت ہے۔ اب صرف معرفت سلب باقی بچی جس میں وہ ہم سے جدا ہے، لہذا ہم نے وہ صفات لیں جن سے ہمارا حادث ہونا، غلام ہونا اور عدم سے وجود میں آنا ثابت ہوتا ہے اور اُس سے اِن (صفات) کی نفی کی، ہم اُس کی ایسی کوئی متعین اثباتی صفت نہیں جانتے جو ہمارے پاس نہ ہو اور جس سے ہم اُسے پہچان سکیں، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ (ان حادث صفات میں بھی) ایسے حکم پر ہے جو اسی کے لیے ثابت ہے اور جو ہمارے لیے نہیں۔ [۹۴] اگر یہ مناسبت نہ ہوتی تو ہمارا عقیدہ درست نہ ہوتا اور ہم (اسے) کبھی نہ جان پاتے۔

پھر ان سب باتوں کے بعد، کہ ہم نے اسے ویسا جانا جیسا اس نے بتایا، لیکن یہ صفات جب

فصاعدًا، فقد عرفنا صفة البقاء، فأصحبناه تلك الصفة النزيهة المقدّسة. وهذا الباب يطول، وقد أوضحناه[١] بيِّنًا في «كتاب إنشاء الجداول» وهو كتاب شريف بيّنتُ فيه المعارف بالأشكال ليقرب إلى الأفهام، فهذا ضرب من المناسبة الظاهرة والمضاهاة في الحضرة الإلهيّة.

وأمّا المناسبة الباطنة: فوكّلناك فيها إلى نفسك؛ فإنّها تدرَك بالمجاهدات في المشاهدات.

وبقيت لنا المضاهاة الثانية الّتي بين الإنسان والعالم؛ وقد بسطنا القول فيه في أكثر كتبنا، ولنذكر منه هنا[٢] فصلا قريبا جامعًا يحوي على كلّيّاته وأجناسِه، وأمرائه الذين لهم التأثير في غيرهم. ولولا ما قصدنا في كتابنا هذا طريق الإشارة والتنبيه لضربنا له دوائر على صور الأفلاك وترتيبها، ونجعل لكلّ فلكٍ في العالم ما يقابلها من الإنسان بخاصّيّة ذلك الفلك، ويدور الخلق كلّه[٣] على أربعة عوالم: العالَمُ الأعلى، وعالم الاستحالة، وعالم عمارة الأمكنة، وعالم النسب.

ولكلّ واحد[٤] من هؤلاء العوالم غاية، فجميع ما يحتوي عليه العالم الأعلى من العالم الكبير عشرون حقيقة، وعالم الاستحالة خمس عشرة حقيقة، وعالم عمارة الأمكنة أربع حقائق، وعالم النِّسب عشر حقائق؛ وهي كلّها في الإنسان موجودة. وهذه هي الأمّهات، وهي تسعة وأربعون حقيقة.

وكذلك الإنسان. فالعالم محصور في ثمانٍ[٥] وتسعين حقيقة ممّا يقتضيه خلقه، ثمّ زاد الإنسان على العالم بالسرّ الإلهيّ المبثوث فيه، الذي صحّ له به الاستخلاف

---

[١] ص ٧٣.

[٢] ف: - هنا.

[٣] ش: كلّهم.

[٤] ف: عالم.

[٥] ل، م، ي، ف، ش: ثمانية.

ہم میں ہوتی ہیں تو انہیں نقائص اور اضداد[1] کا سامنا رہتا ہے، جبکہ حق تعالی کے لیے یہ ذاتی ہیں، اور اسے کسی نقص اور ضد کا سامنا نہیں۔ ہمیں یہ اُس وقت معلوم ہوا جب ہم کچھ دیر ان (صفات) پر باقی رہے، یوں ہمیں صفت بقا کا پتا چلا، سو ہم نے اِس پاک مقدس صفت کو حق تعالی سے منسوب کیا۔ یہ ایک طویل باب ہے جسے ہم نے وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب ''انشاء الجداول'' میں ذکر کیا ہے، یہ ایک بلند مرتبت کتاب ہے جس میں میں نے معارف کو خاکوں سے واضح کیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ ظاہری مناسبت اور حاضرتِ الٰہی سے مشابہت کی چند مثالیں تھیں۔

جہاں تک باطنی مناسبت کا تعلق ہے تو اس میں ہم تجھے تیرے نفس (یعنی روح) کے سپرد کرتے ہیں؛ کیونکہ اس کا اِدراک مجاہدات میں مشاہدات کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب ہمارے لیے انسان اور عالم کے درمیان دوسری مشابہت باقی بچی؛ ہم نے اپنی اکثر کتب میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، یہاں بھی ہم ایک جامع باب میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں جو اِس کی کلیات، اجناس اور اِس کے اُن احکام پر مشتمل ہوگا جن کی تاثیر دوسروں میں ہے۔ اگر اس کتاب میں ہمارا مقصد اشارہ کرنا اور آگاہی بخشنا نہ ہوتا تو ہم اس کے لیے افلاک کی صورتیں اور ان کی ترتیب کے حساب سے دائرے بناتے، کائنات میں موجود ہر فلک کا انسان میں موجود اِس فلک کی خاصیت سے موازنہ کرتے، (جان لے) تمام مخلوقات کا دار و مدار چار عوالم پر ہے: ۱۔ عالم اعلیٰ، ۲۔ عالم تغیر، ۳۔ عالم آبادکاری، ۴۔ عالم اضافت۔

ان عوالم میں سے ہر (عالم) کی انتہا ہے، لہٰذا عالم اکبر میں عالم اعلیٰ بیس حقیقتوں پر مشتمل ہے، عالم تغیر پندرہ حقیقتوں پر، عالم آبادکاری چار حقیقتوں پر، اور عالم اضافت دس حقائق پر؛ یہ سب حقائق انسان میں موجود ہیں۔ یہی امہات ہیں، جو (کل ملا کے) اُنچاس حقائق ہوئے۔

انسان بھی اسی طرح ہے۔ چنانچہ یہ کائنات اپنی تخلیق کے تقاضوں پر اٹھانوے حقائق میں محصور ہے، پھر انسان اس میں پھونکے گئے رازِ الٰہی کی بدولت کائنات سے (ایک حقیقت) زائد

---

[1] جیسے ہماری زندگی کو موت کا سامنا ہے، ہماری قدرت کو عجز کا سامنا ہے۔

وتسخير ما في السماوات وما في الأرض، فجاء الأمر كلّه تسعة وتسعون، مَن أحصاها دخل الجنّة، والموفّي مائة، المهيمن على كلّ شيء، وهو الحقّ.

فالوجود كلّه مائة، الموفّي مائة منها الاسم الأعظم، وكذلك الجنّة مائة درجة، الموفّي مائة منها جنّة الكثيب الذي ليس فيه نعيم إلّا الرؤية، وليس لمخلوق فيه دخول إلّا وقت النظرِ؛ هو حضرة الحقّ. وهذه أسرار عجيبة نبّهناك عليها لتعرف منزلتك من الموجودات. وإنّ النار مائةُ دركٍ[١]، الموفّي مائة منها درك الحجاب؛ وهو محلّ المشاهِد إذا ارتدّ ورجع؛ فإنّه يهوي في جهنّم، وينزل في دركاتها على مقابلة الدرج الذي[٢] سقط منه. فأعلى علّيّين يقابل أسفل سافلين، قال الله تعالى -:﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[٣] فما بعده أحسن منه ﴿ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾[٤] فما بعده أسفل.[٥]

(العالم الأعلى)

ثمّ نرجع ونقول: فأمّا العالم[٦] الأعلى، فأعلاه لطيفة الاستواء؛ وهي الحقيقة الكلّيّة المحمّديّة، وفلكها الحياة، ينظر إليهما من الإنسان لطيفته والروح القدسي. ثمّ في العالم العرش، ينظر إليه من الإنسان الجسم. ثمّ في العالم الكرسي بنجومه[٧]، يَنْظُر إليه من الإنسان النفسُ بقواها، ولمّا كان موضع القدمين فكذلك النفس محلّ الأمر والنهي، والمدح والذمّ. ثمّ في العالم البيت المعمور، ينظر إليه من الإنسان القلب. ثمّ

[١] ف: دركة.

[٢] ل، م، ف، ش: التي.

[٣] [التين: ٤]

[٤] [التين: ٥]

[٥] ل، ف، ش: + منه.

[٦] ص ٧٤.

[٧] ي، ف: الكرسي وشطب على كلمة بنجومه. ك، ش: - بنجومه.

ہے، اسی (رازِ الٰہی) کی بدولت اِس کی خلافت درست ہوئی، زمین و آسمان میں سب کچھ اس کے لیے مسخر ہوا، لہذا یہ سارا معاملہ ننانوے حقائق تک پہنچا، جس نے ان کا شمار کیا تو وہ جنت میں داخل ہوا، اِن (حقائق) کو پورا سو (۱۰۰) کرنے والا حق تعالیٰ ہے جو ہر چیز پر المہیمن ہے۔

وجود سارے کا سارا سو (۱۰۰) ہے، اور اسے سو (۱۰۰) کرنے والا اسم اعظم ہے، اسی طرح جنت کے سو (۱۰۰) درجات ہیں، اور اِن کو سو (۱۰۰) کرنے والا درجہ کثیبِ جنت ہے جس میں صرف دیدار الٰہی کی نعمت ہوگی، اور مخلوق صرف دیدار کے وقت ہی وہاں جا سکے گی؛ یہی بارگاہ حق ہے۔ یہ بہت عجیب اسرار ہیں، ہم نے اسی لیے تیری توجہ اس جانب مبذول کروائی تاکہ تو موجودات میں اپنی قدر پہچانے۔ اسی طرح دوزخ کے بھی سو (۱۰۰) درکات ہیں، اس کا سواں (۱۰۰) درکہ حجاب ہے؛ یہ اُس مشاہدہ کرنے والے کا مقام ہے جو مرتد ہو کر لوٹ جائے؛ وہ جہنم میں گرتا جائے گا، اور جنت کے اس درجے کے مقابل۔ جس سے وہ گرا ہوگا۔ اِس کے درکات میں اترتا جائے گا۔[۹۵] پس اعلی علیین اسفل السافلین کے مقابل ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ہم نے انسان کو بہترین ہیئت پر تخلیق کیا﴾ یعنی اس کے بعد اِس سے بہتر ہیئت نہیں ہو سکتی ﴿پھر اسے اسفل السافلین کی طرف لوٹایا﴾ لہذا اِس سے پست کچھ نہیں۔

عالم اعلی:

ہم اپنی بات کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں: جہاں تک عالم اعلی کا تعلق ہے، تو اِس کا بلند ترین مقام لطیفہ استوا ہے؛ اور یہی حقیقہ الکلیہ المحمدیہ ہے، اِس کا فلک حیات ہے، انسان میں ان دونوں کی مثال اس کا لطیفہ اور روح قدسی ہے۔ پھر کائنات میں عرش ہے، انسان میں اِس کی نظیر جسم ہے۔ پھر کائنات میں ستاروں کے ساتھ کرسی ہے، اِنسان میں اس کی مثال نفس اور اس کی قوتیں ہیں، چونکہ یہ دو قدموں کی جا ہے اِسی طرح نفس امر و نہی، مدحت و مذمت کی جا ہے۔ پھر کائنات میں بیت المعمور ہے، انسان میں اِس کی مثال قلب[۹۶] ہے۔ پھر کائنات میں فرشتے ہیں، اور انسان میں اس کی نظیر ارواح ہیں، اور باقی مراتب بھی اسی طرح ہیں۔

پھر کائنات میں زحل اور اس کا فلک ہے، انسان میں اِن دونوں کی مثال قوتِ علمی اور

في العالم الملائكة، ينظر إليها من الإنسان أرواحه، والمراتب[١] كالمراتب.

ثمّ في العالم زحل وفلكه، ينظر إليهما من الإنسان القوّة العلميّة والنفس[٢]. ثم في العالم المشتري وفلكه، ينظر إليهما من الإنسان القوّة الذاكرة ومؤخّر الدماغ. ثم في العالم الأحمر[٣] وفلكه، ينظر إليهما من الإنسان القوّة العاقلة واليافوخ[٤]. ثمّ في العالم الشمس وفلكها، ينظر إليهما من الإنسان القوّة المفكِّرة ووسط الدماغ. ثمّ في العالم الزّهرة وفلكها، ينظر إليهما من الإنسان القوّة الوهميّة والروح الحيواني. ثمّ في العالم عطارد وفلكه، ينظر إليهما من الإنسان القوّة الخياليّة ومقدَّم الدماغ. ثمّ في العالم القمر وفلكه، ينظر إليهما من الإنسان القوّة الحسّيّة والحواسّ. فهذه طبقات العالم الأعلىٰ ونظائره من الإنسان.

(عالم الاستحالة)

وأمّا عالم الاستحالة، فمنه الفلك الأثير، وروحه الحرارة واليبوسة، ينظر إليهما من الإنسان الصفراء، وروحها القوّة الهاضمة. ثمّ في العالم فلك الهواء، وروحه الحرارة والرطوبة، ينظر إليهما من الإنسان الدَّم، وروحه القوّة الجاذبة. ثمّ في العالم فلك الماء، وروحه البرودة والرطوبة، ينظر إليهما من الإنسان البلغم، وروحه القوّة الدافعة. ثمّ في العالم فلك التراب، وروحه البرودة واليبوسة، ينظر إليهما من الإنسان السوداء، وروحها القوّة الماسكة.

(طباق الأرض)

وأمّا الأرض فسبع طباق: أرض سوداء، وأرض غبراء، وأرض حمراء،

---

[١] ش: ومراتب.

[٢] ش: + ومقدم الدماغ.

[٣] ي، ش، ك: المريخ.

[٤] م: ينظر إليهما من الإنسان القوة الغضبية وفلكهما الكبد.

نفس ہے۔ پھر کائنات میں مشتری اور اس کا فلک ہے، انسان میں ان دونوں کی مثال قوت یاد داشت اور دماغ کا پچھلا حصہ ہے۔ پھر کائنات میں مریخ اور اس کا فلک ہے انسان میں اس کی مثال قوت عاقلہ اور یافوخ (Vertex) ہے۔ پھر کائنات میں سورج اور اس کا فلک ہے، انسان میں ان کی مثال قوت تفکیر اور وسط دماغ ہے۔ پھر کائنات میں زہرہ اور اس کا فلک ہے، انسان میں ان کی مثال قوت وہمی اور روح حیات ہے۔ پھر کائنات میں عطارد اور اس کا فلک ہے، انسان میں ان کی نظیر قوت خیالی اور دماغ کا اگلا حصہ ہے۔ پھر کائنات میں چاند اور اس کا فلک ہے، انسان میں ان کی مثال قوتِ حسیہ اور حواس ہیں۔ یہ عالم اعلیٰ کے چند طبقات اور انسان میں ان کی مثالیں ہیں۔

عالم تغیر:

جہاں تک عالم تغیر کا تعلق ہے، تو اس میں فلکِ ایتھر ہے، اس کی روح حرارت اور خشکی ہے، انسان میں اس کی مثال صفرا اور اس کی روح قوت ہاضمہ ہے۔ پھر کائنات میں فلکِ ہوا ہے، اِس کی روح حرارت اور رطوبت ہے، انسان میں اس کی مثال خون ہے اور اِس کی روح قوتِ جاذبہ ہے۔ پھر کائنات میں فلکِ آب ہے، اِس کی روح ٹھنڈک اور رطوبت ہے، انسان میں اس کی مثال بلغم ہے، اور اِس کی روح قوتِ دافعہ ہے۔ پھر کائنات میں فلکِ خاک ہے، اس کی روح ٹھنڈک اور خشکی ہے، انسان میں اس کی نظیر سودا ہے، اور اس کی روح قوت ماسکہ ہے۔

زمین کے طبقات

زمین سات تہوں والی ہے: ۱- ارض سوداء (سیاہ زمین) ۲- ارض غبراء (گرد آلود زمین) ۳- ارض حمراء (سرخ زمین) ۴- ارض صفراء (زرد زمین) ۵- ارض بیضاء (سفید زمین) ۶- ارض زرقاء (نیلی زمین) ۷- ارض خضراء (سبز زمین) انسان میں ان کی مثالیں جسم کی تہیں ہیں مثلاً جلد، چربی، گوشت، رگیں، پٹھے، اعصاب اور ہڈیاں۔

وأرض صفراء، وأرض بيضاء، وأرض زرقاء، وأرض خضراء، ينظر إليها من الإنسان طبقات الجسم؛ وَالجلد، والشّحم، واللحم، والعروق، والعصب، والعضلات، والعظام.

(عالم التعمير)

وأمّا عالم عمارة الأمكنة، فمنه الروحانيّون، ينظر إليها من الإنسان القوىٰ الّتي فيه. ثمّ في العالم الحيوان، ينظر إليه ما يحسّ من الإنسان. ثمّ في العالم النبات، ينظر إليه ما ينمو من الإنسان. ثمّ في العالم الجماد، ينظر إليه ما لا يحسّ من الإنسان.

(عالم النِّسب)

وأمّا عالم النِّسب، فمنه العَرض، ينظر إليه من الإنسان: أسود وأبيض، وما أشبه ذلك. ثمّ في العالم الكيف، ينظر إليه من الإنسان: صحيحٌ وسقيم. ثمّ في العالم الكمّ، ينظر إليه من الإنسان: سِنّه عشرة أعوام، وطوله خمسة أذرع. ثمّ في العالم الأين، ينظر إليه من الإنسان: الأصبع موضعها الكفّ، الذراع موضع اليد. ثمّ في العالم الزمان، ينظر إليه من الإنسان: تحرّك وجهي وقت تحريك رأسي. ثمّ في العالم الإضافة، ينظر إليه من الإنسان: هذا أعلاه، هذا أسفله. ثمّ في العالم الوضع، ينظر إليه من الإنسان: لغته ودينه. ثمّ في العالم أن يفعل، ينظر إليه من الإنسان: أكله. ثم في العالم أن ينفعل، ينظر إليه من الإنسان: ذبح فمات، وشرب فروي، وأكل فشبع. ثمّ في العالم اختلاف الصور في الأمّهات؛ كالفيل والحمار والأسد والصّرصر، ينظر إليه من الإنسان القوّةُ الّتي تقبل الصّور المعنويّة من مذموم ومحمود: هذا فطِن فهو فيلٌ، هذا بليد فهو حمارٌ، هذا شجاع فهو أسدٌ، هذا جبان فهو صرصر.

فهذه مضاهاة الإنسان بالعالم الكبير مستوفىٰ مختصرًا، فما بقي له شيء. فما له لا يسعىٰ في تخليص نفسه من رقّ الشهوات، كما حصل له أشرف المراتب في الوجودِ

عالم آباد کاری:

جہاں تک عالم آباد کاری کا تعلق ہے، تو روحانی مخلوقات اسی عالم سے ہیں، انسان میں اس کی مثال اُس میں موجود قوتیں ہیں۔ پھر کائنات میں حیوانات ہیں، انسان میں اِس کی مثال محسوسات ہیں۔ پھر کائنات میں نباتات ہیں، انسان میں اِس کی مثال نمو پانے والے اعضا ہیں۔ پھر کائنات میں جمادات ہیں، انسان میں اس کی نظیر غیر محسوس اعضا ہیں۔

عالم اضافت:

جہاں تک عالم نسبت یا اضافت کا تعلق ہے تو اِس میں عرض ہے، انسان میں اِس کی مثال: سیاہ، سفید یا اس جیسا ہونا ہے۔ پھر کائنات میں کیفیت (کیف) ہے، انسان میں اس کی نظیر: صحت مندی اور بیماری ہے۔ پھر کائنات میں مقدار (الکمّ) ہے، انسان میں اس کی نظیر اس کی عمر: مثلاً ۱۰ سال، اور قد (پانچ بازو) ۵ فٹ، ۷ انچ وغیرہ ہے۔ پھر کائنات میں جگہ (أین) ہے، انسان میں اس کی مثال: انگلیاں ہتھیلی پر اور ہاتھ بازو پر ہیں۔ پھر کائنات میں وقت (الزّمان) ہے، انسان میں اس کی نظیر: میرا سر گھماتے وقت میرے چہرے کا گھومنا ہے۔ پھر کائنات میں اضافت (الاضافة) ہے، انسان میں اس کی مثال: یہ اُس سے اوپر اور یہ اِس سے نیچے ہے۔ پھر کائنات میں وضع (الوضع) ہے، انسان میں اس کی مثال: اس کی زبان اور دین ہے۔ پھر کائنات میں افعال (أن يفعل) ہیں، انسان میں اس کی مثال: اس کا کھانا ہے۔ پھر کائنات میں انفعال (أن ينفعل) ہے، انسان میں اِس کی مثال: اسے مارا جائے تو وہ مر جاتا ہے، اور کھانے پینے سے اس کی بھوک اور پیاس کا مٹنا ہے۔ پھر کائنات میں امہات میں صورتوں کا اختلاف ہے؛ جیسے ہاتھی، گدھا، شیر، جھینگر وغیرہ، انسان میں اِس کی مثال وہ قوت ہے جو محمود اور مذموم معنوی صورتیں قبول کرتی ہے: یہ ذہین ہے تو ہاتھی ہے، یہ کند ذہن ہے تو گدھا ہے، یہ بہادر ہے تو شیر ہے، یہ بزدل ہے تو جھینگر ہے۔

یہ ہے انسان اور عالم اکبر کے درمیان ایک مکمل مختصر مشابہت، اب اِس کے لیے کچھ نہیں بچا۔ اِسے کیا ہوا ہے کہ یہ اپنے نفس کو شہوات کی غلامی سے آزاد کیوں نہیں کرواتا؟ کہ

فيحصّل أسنىٰ المراتب السعاديّة.

(الأسرار المودعة في الإنسان)

وأمّا الأسرار المودعة في الإنسان فكثيرةٌ جدّا؛ منها ما يرجع إلى مزاجه ووضعه الطبيعي، ومنها ما يرجع إلى حاله ووضعه الإلهيّ. ونحن نحتاج في هذا الكتاب إلىٰ ذكر بعض من أسراره الإلهيّة الروحانيّة، وإن خالطها من المزاج أمر يسير فليس غرضنا.

ويظهر سلطان هذه الأسرار بالتنزّلاتِ الإلهيّة بوساطة[1] روح القدس على الروع[2]، بأسرار الولاية على الوليّ وأسرار النبوّة على النبيّ: ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾[3] وقد ذكر النبيّ - عليه السلام[4] - ضُروب التنزّلاتِ بالغتِّ والغطِّ، وجعل أَشَدَّهُ عليه فيه صَلْصَلة الجرس، لاختراق النور الملكي ظلمة هذا التركيب الطبيعي حتّىٰ يصل بذاته إلى النُورِ الروحي الذي في الإنسان فيُلْقِي إليه، فباشتغال الرُوح معه تَنْخَدِر الجوارح، ويَنحَرِفُ[5] الطَّبع، ويتغيَّرُ المزاج؛ فإنّ الجسم اشتغل عنه حافظه بما يُلقىٰ إليه.

فإذا انْصَرفَ عنه النور الملكي سُرِّيَ عنه، وقد عرق جبينه واحمرَّ وجهه، وقام كأنّه[6] نشط[7] من عقالٍ، وهو قوله: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾[8] وكان أهون

---

[1] ف: بواسطة.

[2] ل، م، ف، ش: الروح.

[3] [النور: ٤١]

[4] ش: صلى الله عليه وسلم.

[5] م، ف: ينخرق. ش: تنخرق.

[6] ش: + قد.

[7] ي، ك: نشيط.

[8] [الشعراء: ١٩٣]

جیسے اِسے وجود میں بلند مراتب حاصل ہوئے اِسی طرح (سعادت مندی) میں بھی بیش قیمت مراتب پاتا۔

انسان میں رکھے گئے راز

انسان میں بہت سے راز رکھے گئے ہیں؛ اِن میں سے چند اِس کے مزاج اور طبعی حالت کی طرف لوٹتے ہیں، اور کچھ اِس کے حال اور خدائی حالت سے متعلق ہیں۔ اِس کتاب میں ہم انسان کے چند روحانی الٰہی اسرار کا تذکرہ کرنا چاہیں گے، اگر اِس میں مزاج کی چند باتیں بھی آجائیں تو ٹھیک لیکن یہ ہماری غرض نہیں۔

اِن اسرار کی قوت شعور میں روح القدس کے واسطے سے تنزلات الٰہیہ کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، ولی پر اسرار ولایت سے اور نبی پر اسرار نبوت سے: ﴿ہر ایک نے اپنی صلوٰۃ اور تسبیح جان لی﴾ نبی علیہ السلام نے اِن تنزلات کی تھپ تھپاہٹ کو غت اور غط سے تعبیر کیا، اور ان میں سے خود پر سخت ترین کو گھنٹی کی آواز سے تشبیہ دی، کیونکہ نورِ ملکی اِس طبعی ترکیب کی ظلمت چاک کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی ذات کے ساتھ انسان میں موجود نورِ روحی تک پہنچ جاتا ہے، پھر اِسے القا کرتا ہے، جب روحِ (انسانی) اِس کے ساتھ مشغول ہوتی ہے تو اعضا شل ہو جاتے ہیں، مزاج بگڑتا ہے اور طبیعت بوجھل ہوتی ہے؛ کیونکہ جسم کی محافظ (روح) اِس سے بے پروا ہو کر القا سنبھالنے میں مشغول ہے۔

اور جب وہ فرشتہ آپ سے دور ہوتا تب آپ سے سختی دور ہوتی، اُس وقت تک آپ کا ماتھا پسینے میں شرابور اور چہرہ سرخ ہو جاتا، آپ ایسے کھڑے ہوتے جیسے (کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا اور) گویا ابھی آزاد ہوئے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿روح الامین اس (قرآن) کے ساتھ آپ کے دل پر اترا ہے﴾ القائے وحی کا سب سے کم تکلیف دہ طریقہ یہ ہوتا کہ آپ کے سامنے (فرشتہ) انسانی صورت میں ظاہر ہوتا اور آپ اُس کی بات سن لیتے؛ جیسا کہ عام طور پر کلام کیا جاتا ہے، اولیا اللہ کے لیے یہی شیریں مشرب ہے۔

ما يُلْقِي عليه إذا تمثَّل له رجُلا فيأخذ مِنّ جهة سمعهِ؛ وهي المحادثة، ولأولياء الله في هذا مشرب شهيٌّ.

ومتى اشتدَّ الحال على الإنسان وغاب عن الوجودِ الحسّي، فإنْ حصل له في تلك الغيبة علم يعقله هناك، ويَعْقِلُه إذا رجع ويعبِّر عنه على قدر ما أعطاه الله من العبارة؛ فذلك هو الحال الإلهيُّ. ويجد القلب عند الإفاقة سرورًا، وربّما عَرَتْه أبرِدَة، فذلك حال صحيح. وإن غُيِّبَ، ثمّ رُدَّ ولم يجد شيئًا إلّا أنّه أخذ عنه بقبضة قُبِضَ عليه؛ لم تثمر له فائدةً، ولكن غاب عن حسِّه، فهذا حال من المزاج لمّا حَمِيَ القلب بالذكر أو بالتخيّل صَعِد منه بخار من التجويف الكثير[1] الروح إلى الدماغ، فحجب العقلَ ومنع الروحَ الحيوانيَّ من السريان، ورَمى بصَاحبه كالمصروع. فهذا حال صحيح ولكن من المزاج؛ ليس فيه فائدة. ولهذا إذا سألته يقول لك: رأيت كأنّي كُسِيتُ بُرُنسًا أسود، وسحابة مرّت على عيني، فغبت؛ وهو ذلك البخار الذي ذكرناه.

وأمّا الحال الثالثُ الكذّاب؛ هو الذي يَعْقِل صاحبُه أهلَ مجلسه، ولم يَغِبْ عن نفسه ولا عن حسّه، ويتحرّك ولاسيّما في مجالس السماع. فهذا صاحب وسوسة وحديث نفس، سخر به الشيطان، فكلّ ما يلقَى إليه يتخيّل أنّها علوم، وهي سُمُوم، فلا يعوَّل على كلّ ما يخَاطَبُ به في هذه الحالة؛ فإنّها حالة شيطانيّة، وإنّه ليس في قوّة الشيطان أن يُغيِّبك[2] عن حسّك ثمّ يلقي إليك وتعقل عنه.

وإنّما هُو على أحد وجهين، على البدل: إمّا أن يُغَيِّبك[33] مثل الصَّرع، ولكن لا يلقِي إليك شيئا؛ لأنّه لا يجد مَن يأخذ عنه. وإمّا أن لا يغيّبك[33] ويُلقي إليك وأنت مع حسّك، وقد كَسَا باطنك شيئًا من حرارةٍ، وتوهّمٍ، واستطلاع إلى بعد، وضرب من استعداد لخطاب. فإذا عرف أنّه قد تمكّن منك في هذا المقام ألقى عليك[3] خطابا

[1] ك: الكبير، ش: ولكثير.

[2] ل،م: يفنيك.

[3] ش: إليك.

جب انسان پر حال کی سختی ہو اور وہ حسی وجود سے بے پروا ہو جائے، اگر اِس غیبیت میں اُسے کوئی ایسا علم ملے جسے وہ وہاں بھی سمجھا اور ہوش میں آنے کے بعد بھی ذہن نشین رکھا پھر جس قدر اللہ کی عطا سے بیان کی قدرت ہوئی اتنا بیان بھی کیا، تو یہی (درست) الٰہی حال ہے۔ ہوش بحال ہونے پر دل (اطمینان اور) سرور محسوس کرتا ہے، بعض اوقات اِسے ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے، یہی صحیح حال کی نشانی ہے۔ اگر وہ بے خود ہوا پھر ہوش میں آنے پر اُسے کچھ محسوس نہ ہوا، بس ایسا لگا کہ کسی غیر مرئی طاقت نے اسے اپنے قابو میں کیا جس کا اِسے کوئی فائدہ نہ ہوا، بس وہ اپنا ہوش گنوا بیٹھا، تو یہ حال مزاج کی وجہ سے ہے؛ جب دل ذکر یا تخیّل سے جوش کھاتا ہے تو اِس کے داخلی حصے میں بخارات دماغ کی طرف کثرت سے اٹھتے ہیں، یوں عقل پر پردہ آجاتا ہے اور روحِ حیات کو سرایت سے روک دیا جاتا ہے، ایسا شخص پاگلوں کی سی حرکتیں کرتا ہے۔ یہ بھی درست حال ہے لیکن یہ مزاج کی عطا ہے، اور جس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اِس لیے جب تو ایسے شخص سے کچھ پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے: میں نے دیکھا جیسے کوئی مجھے سیاہ ٹوپی پہنا رہا تھا، اور میری آنکھوں میں غبار چھا گیا، اِس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا، یہ وہی بخارات ہیں جن کا ہم نے تذکرہ کیا۔[۹۷]

تیسرا اور جھوٹا حال یہ ہے کہ ایسا شخص اہلِ مجلس کی باتیں سمجھ رہا ہوتا ہے، اُس پر بے ہوشی اور حواس جاتے رہنے کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی، یہ بہت حرکت کرتا ہے خاص طور پر محافلِ سماع میں۔ یہ صاحبِ وسوسہ اور نفس کا غلام ہے، شیطان بھی اس پر ہنستا ہے، اس پر (شیطان کی طرف سے) جو کچھ القا کیا جاتا ہے یہ انہیں علوم تصور کرتا ہے، جبکہ یہ تو سُموم (یعنی زہر) ہے۔ لہٰذا اِس حالت میں اِسے جو بھی بتایا جائے وہ (بات) قابلِ بھروسا نہیں؛ کیونکہ یہ شیطانی حالت ہے اور شیطان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تجھے تیرے حواس سے الگ کر کے تجھ پر کچھ القا کرے، جسے تو سمجھ بھی جائے۔

بلکہ وہ تو تیرے ساتھ اِن دو صورتوں میں سے کوئی ایک معاملہ کرتا ہے: ۱- یا تو وہ تیرے حواس معطل کر کے تجھے مثلِ پاگل بناتا ہے، لیکن تجھ پر کچھ القا نہیں کرتا؛ کیونکہ اِس بے ہوشی میں وہ تجھ پر کیسے القا کرے۔ ۲- یا پھر وہ تجھے ہوش و حواس میں رکھتا ہے اور تجھ پر القا کرتا ہے،

فتُحِسَّ بمواقع الخطاب في نفسك على حسب ما يلقي إليك، فتخبر عمّا وجدتَه، فإخبارك أنّك وجدتَ هذا في نفسك صحيحٌ، وكونك أن تنسب ذلك إلى الحقّ باطلٌ.

وربّما يقول لك في مواقع خطابه: «عبدي إنّني أنا ربّك، لا تنظر إلى غيري فأحجبك، ولا تنظر إليّ إلّا بي، فإن نَظرتَ إليّ بك أشركتَ، فأنا الناظر والمنظور»، وما أشبه هذا النوع من الخطاب. ويقنع إبليس منك أن تعتقد أنّ ذلك من الله فيستولي عليك وتصيرَ محلًّا له طول عمرك.

فلو علِمتَ أنّ مخاطبة الحقِّ لا تترك إحساسًا، وليست بالوهم ولا بالتخيّل ولا بالاستعداد والانتظار، لعلمتَ ببقاءِ حسِّك مع[1] أنّك مع مَنْ يجانِسُك، مُحْدَثٌ مثلك، يريد أن يَسْخَرَ بك. وأكثر ما يجدُ هذا أصحابُ السماع والوجدِ ومَن غلب عليه الوهم والتخيُّل. فعليك بالفناءِ المحضِ، وإنْ لم تجد شيئا فهو أسْلَم من الفتنة، فإن وجدتَ فيه شيئا فهو المطلوب وارتفع التلبيس، فلا مدخل هنالك لإبليس.

فهكذا ينبغي أن تكون أيّها المريد، وأن تعرف هذه الأسرار من نفسك، ولا تكن من الجهالة؛ بحيث أن يَعْرِف منك غيرُك ما لا تعرفه من نفسك.

ثمّ لتَعلم أنّ الروحانيّين ليس لهم إلقاءُ الأمرِ والنهي، وإنّما لهم التخصيص[2] والإخبار؛ لأنّه لا فائدة لأمرهم. فإذا استَولَت عليك روحانيّةٌ تدبّرك فانظر؛ فإن أمرَتْك ونهتك بضرب من العبادات فتلك شيطانيّة؛ فاهْرُب عنها وأكثِر من الذكر وقراءة آية الكرسي وسورة البقرة. وإن لم تأمرك ولكن تُخْبِرك؛ فأنت فيها على الاحتمال بين أن يكون شيطانًا أو غير ذلك، وتميّز بينهما سُرعَة التنوُّع في الإلقاءِ؛ بأن[3] يلقي

---

[1] ي، ك: معك. ف: – مع. ش: لعلمت أنك ببقاء حسك مع من يجانسك.

[2] ش: التحضيض.

[3] م: بين أن.

اُس نے تیرے باطن کو گرمی، وہم، دور سے مطلع ہونے کی خواہش (یعنی کشف) اور خطاب کے لیے تیار کیا۔ جب وہ جان گیا کہ اب وہ تجھ پر اِس مقام میں مکمل کنٹرول رکھتا ہے تب وہ تجھ پر خطاب القا کرتا ہے، اور تو اپنے نفس میں خطاب کو ویسا ہی واقع ہوتا محسوس کرتا ہے جیسا تجھ پر القا ہوا، پھر تُو جو محسوس کرتا ہے وہ بتاتا ہے، تیرا یہ کہنا تو ٹھیک ہے کہ تجھے اپنے نفس میں ایسا محسوس ہوا، لیکن تیرا اسے حق سے منسوب کرنا ٹھیک نہیں۔

ہو سکتا ہے کہ (شیطان) دورانِ خطاب تجھے یوں کہے: "اے میرے بندے! بیشک میں ہی تیرا ربّ ہوں، میرے سوا کسی کو مت دیکھ، نہیں تو میں تجھے محجوب کر دوں گا، اور میری طرف بھی مجھ ہی سے نظر کر، اگر تونے اپنے نفس سے میری طرف نظر کی تو شرک کیا، کہ میں ہی ناظر (نظر کرنے والا) اور منظور (جس کی طرف نظر کی جا رہی ہے) ہوں" یا اِس طرز کی دیگر باتیں۔ ابلیس تجھ سے اتنا ہی چاہتا ہے کہ تو یہ (خطاب) اللہ کی طرف سے سمجھے، وہ تجھ پر مسلط رہے اور تو اپنی ساری عمر اس کا جائے (خطاب) رہے۔

اگر تجھے یہ علم ہوتا کہ خطابِ حق ہوش نہیں رہنے دیتا اور نہ یہ وہم، تخیّل، استعداد اور انتظار سے ہوتا ہے، تو تُو جانتا کہ ہوش میں رہتے ہوئے تو اپنے ہم جنس کے ساتھ تھا؛ اپنے جیسے محدث کے ساتھ، جو تیرا تماشا بنانا چاہتا ہے۔ ایسا اکثر اُن اصحابِ سماع و وجد کے ساتھ ہوتا ہے[۹۸] جن پر وہم اور تخیّل کا غلبہ ہو۔ تجھے فنائے کلی کی طرف جانا چاہیے، اگر تجھے پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا تو یہ فتنے میں پڑنے سے بہتر ہے، لیکن اگر تجھے کچھ حاصل ہوا تو وہی مطلوب ہے، بیشک شک دور ہوا اور یہاں شیطان کا بھی کوئی دخل نہیں۔

اے مرید! تجھے ایسا ہی ہونا چاہیے، اِن اسرار کو خود سے جان، اور جاہلوں میں سے مت بن؛ کہ کوئی دوسرا تجھے دیکھ کر وہ جان جائے جو تو خود سے بھی نہ جانتا ہو۔

پھر یہ بھی جان لے کہ روحانی معاملات میں امر و نہی نہیں، بلکہ ان میں تخصیص اور خبریں ہوتی ہیں؛ کیونکہ اُنہیں حکم دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سو جب کوئی روحانیت تجھ پر حاوی ہو کر تیری تدبیر کرے تو غور کر؛ اگر تو یہ تجھے چند عبادات کا حکم دے یا اُن سے روکے تو سمجھ جا کہ یہ شیطانی (معاملہ) ہے؛ اِس سے بھاگ اور کثرت سے ذکر الٰہی، آیت الکرسی اور سورہ البقرۃ

شيئا، ثمّ شيئا آخر، ثمّ آخر[١]، فهو روح شيطان.[٢] وإن استمرّ أمرٌ واحدٌ فإنّك معه في حال الفتنة أيضًا. فلا تَقْبَل من الإلقاء إن أردتَ الصّحيح، إلّا ما حصل لك في حال الفناء الكلّيّ من غير تمثيل ولا حسٍّ سوىٰ مجرّد الفهم منك بما يكون منه.

وسرّ المشاهدة للبهت. وسرّ الكشف للعلم. وسرّ البقاءِ للأدب. وسرّ الفناء للتوحيد. وسرّ القبض للافتقار. وسرّ البسط للسؤال. والأسرار كثيرة، وفيما ذكرناه دواءٌ نافع لمن استعمله.

فلنذكر[٣] خواص الأحجار الإنسانيّة:

(حجر البهت)

فمن ذلك حجر البَهْتِ. وهو حجر عزيز فيه غُبرَةٌ، ومحلّه بحر الظّلمات، وله أسرار عجيبة. وهو نكتةٌ ذاتيّةٌ في القلب كمِثل الإنسانِ في العين، الذي هو محلّ الرؤية، وكالسَّاعة[٤] في الجمعة كما قال – عليه السلام –، وقد مُثِّلتْ له الجمعة مرآة وفيها نكتة سوداء وأخبر أنّها الساعة الّتي في الجمعة. فإذا كان الرانُ علىٰ القلبِ، لم يظهر لهذا الحجر وجودٌ. وجميع الأرواح الّتي في الإنسان، مِن عقل وغيره، إنّما هو مترقِّبٌ لمشاهدة تلك النقطة. فإن انصَقَل القلبُ بالمراقبة والذكر والتلاوة بدَتْ تلك النقطة، فإذا بدتْ ما لها ما تقابل سِوىٰ حضرة الحقّ الذاتيّة، فيَنتَشِر من ذلك الحجر نورٌ من

---

[١] م: شيئا آخر. ل، ف: – ثم آخر.

[٢] ف، ش: شيطاني.

[٣] م: فلتذكر.

[٤] ش: + التي.

پڑھ۔[99] ہاں اگر یہ تجھے حکم نہ دے لیکن کچھ بتائے؛ تب بھی یہ احتمال ہے کہ یہ خاطر شیطانی یا ربانی ہو سکتی ہے، ان دونوں کی پہچان القا میں سرعتِ تنوع سے کر؛ مثلاً یہ پہلے کچھ القا کرے، پھر کچھ اور، پھر کچھ اور تو سمجھ جا کہ یہ شیطانی روح ہے۔ لیکن اگر ایک ہی بات جاری رہے تب بھی تو اس کے ساتھ فتنے والی حالت میں ہی ہے۔ لہٰذا اگر تو درست القا چاہتا ہے تو صرف وہی القا قبول کر جو تجھے فنائے کلی کی حالت میں حِس اور تمثیل کے سوا تیری مجرد فہم کی صورت میں اُس کی طرف سے حاصل ہو۔

مشاہدے کا راز حیرانی کے لیے ہے، کشف کا راز علم کے لیے ہے، بقا (یعنی اس کے حضور ہوش میں ہونے) کا راز ادب کے لیے ہے، فنا کا راز توحید کے لیے ہے، قبض کا راز محتاجی کے لیے ہے، اور بسط کا راز سوال کے لیے ہے۔ اسرار تو بہت ہیں، لیکن جو ہم نے ذکر کیا اس میں بھی استعمال کرنے والے کے لیے نفع بخش دوا ہے۔

پتھروں کے خواص:

اب ہم انسانی پتھروں کے خواص کا تذکرہ کرتے ہیں:

سنگ حیرانی

اِن میں ایک (حجر البہت) سنگ حیرانی ہے، یہ ایک نایاب پتھر ہے جس میں غبار کے بادل ہوتے ہیں، اِس کا مقام بحر ظلمات ہے اور اس میں عجب راز ہیں۔ یہ دل کا نکتۂ ذاتی ہے جیسے انسان آنکھ کے تل میں ہے، اور آنکھ نظر کی جا ہے، یا جیسے جمعہ کی وہ ساعت (جس میں دعا قبول ہوتی ہے) جیسا کہ آپ علیہ السلام نے بتایا، آپ کے سامنے جمعہ ایک شیشے کی شکل میں آیا تو اُس میں ایک سیاہ نکتہ تھا، بتایا گیا یہی جمعہ کی وہ گھڑی ہے۔ لیکن اگر دل پر "الرّان" (یعنی غفلت) کا پردہ ہو تو اِس پتھر کا وجود ظاہر نہیں ہوتا۔ انسان میں موجود تمام ارواح۔(یعنی قوتیں) جیسے عقل اور دیگر۔اِس نکتے پر اپنی نظر جمائے رکھتیں ہیں۔ جب دل ذکر، تلاوت اور مراقبے سے صاف شفاف ہوتا ہے تو یہ نکتہ بھی ظاہر ہوتا ہے، اور جب حاضرتِ حق الذاتی کے سوا کچھ بھی اِس کے

أجل التجلّي، فيسري في زوايا الجسم فيُبهَتُ العقل وغيره، ويبهرهم ذلك النور المنفهق من ذلك الحجر وشَعشَعانه، فلا يظهر لهم تصريفٌ ولا حركةٌ؛ لا ظاهرة ولا باطنة، ولهذا سُمّيَ حجر البَهْتِ.

فإذا أراد الله أن يبقي هذا العبدَ أرسل على القلب سحابة كونٍ مّا تَحُول بين النور المنفهق من تلك النكتة وبين القلب، فيتَشَمَّر النور إليها منعكسًا وتسرح الأرواح والجوارح، وذلك هو التثبيت. فيبقى العبد مشاهدًا من وراء تلك السحابة لبقاء الرسم، وبقي التجلّي دائمًا لا يزول أبدًا في ذلك الحجر، ولهذا نقول كثيرا: إنّ الحقّ ما تجلّى لشيء قطّ، ثمّ انحجب[1] عنه بعد ذلك، ولكن تختلف الصفاتُ، ولنا في هذا المعنى أبيات، منها:

لمّا لَـزِمْتُ قَرْعَ بَابِ الله ... كُنْتُ المرَاقِبَ لَمْ أكُنْ بِاللّاهِي

حَتَّى بَدَتْ لِلْعَيْنِ سُبْحَةُ وَجْهِهِ وَإِلَى هَلُمَّ لَمْ تكُنْ إلّا هِـــي

وكذلك من كتب الله في قلبه الإيمانَ، فإنّه لا يمحوه أبدا، ولهذا قال: ﴿أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾[2] فهذا هو الحجر النّافع المطلوب، الذي يُطْلِعُك إلى مشاهدة المحبُوب، فاعلم ذلك. وآية هذا السّر من القرآن: ﴿حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ﴾[3] وخاصّيّته أنّه إذا قام بالعبد في وقتٍ مّا، فإنّه يقهر كلّ ما تعرّض له من غير التفاتٍ ولا معرفة به.

(حجر الزمرد)

ومن ذلك حجر الزّمرّد، آيته من كتاب الله – تعالى –: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا

---

[1] ك، ف: احتجب.[2] [المجادلة: ٢٢]

[2] [المجادلة: ٢٢]

[3] [سبأ: ٢٣]

سامنے آتا ہے، تو اِس پتھر سے تجلی کے لیے ایسا نور پھوٹتا ہے جو جسم کے مختلف زاویوں میں سرایت کر جاتا ہے، یوں عقل اور دیگر (قوتیں) مبہوت ہو جاتی ہیں، انہیں اِس پتھر سے نکلنے والا یہ نور اور اس کی چمک مبہوت کرتی ہے، پھر نتیجتاً ان کی ظاہری باطنی حرکت اور تصرف ختم ہو جاتا ہے، اسی لیے اسے سنگ حیرانی کہتے ہیں۔

اگر اللہ کسی بندے کی حفاظت کرنا چاہے تو وہ اس کے دل پر ایک خاص طرز کا بادل بھیجتا ہے جو اِس نکتے سے نکلنے والے نور اور قلب کے درمیان آ جاتا ہے، لہذا یہ نور اِس (بادل) سے ٹکرا کر واپس لوٹتا ہے اور ارواح اور اعضا کو سکون ملتا ہے، یہی تو ثبات ہے۔ وہ بندہ نشان کی بقا کے لیے اِس بادل کے پیچھے سے دیکھتا ہے، اس پتھر کی تجلی تو دائمی اور ابدی ہے، اِسی لیے ہم یہ اکثر کہتے ہیں: بیشک حق جب کسی چیز پر تجلی کرتا ہے تو پھر اُس سے محجوب نہیں ہوتا، لیکن صفات بدل جاتی ہیں، اور اِس معنی میں ہمارے یہ اشعار ہیں:

"جب سے میں نے اللہ کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، تو میں اُس وقت سے مشاہدے میں ہوں، غافل نہیں، یہاں تک کہ آنکھوں پر اس کے چہرے کی پاکیزگیاں ظاہر ہوئیں اور جب وہ مجھ تک پہنچیں تو ان کے سوا کچھ نہ رہا۔"

اِسی طرح اللہ جس دل میں ایمان لکھ دے تو پھر اُسے کبھی نہیں مٹاتا، اِسی لیے اُس نے کہا: ﴿یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا﴾ یہی وہ مطلوب نفع بخش پتھر ہے جو تجھے محبوب کا دیدار کرواتا ہے، یہ جان۔ قرآن میں اِس راز کی آیت یہ ہے: ﴿جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا؟ کہتے ہیں حق﴾ اِس (پتھر) کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ جب کوئی کسی خاص وقت یہ پہن کر کہیں جائے تو ہر ایک چیز بغیر التفات اور معرفت کے اس کے سامنے مغلوب ہو جاتی ہے۔

زمرد:

اور ان میں ایک پتھر زمرد ہے، کتاب اللہ میں اس کی آیت یہ ہے: ﴿بیشک متّقین کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور انہیں سب دکھائی دیتا ہے﴾

مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾[1] فالقوّة المُذكِّرَة خاصّيّتُها أن تُعْمِي إبليس عن ملاحظةِ كيده في الحال وتُدْهِشه، فلا يلحق يرجع إليه بصرُه إلّا والمؤمن على إحدى حالتين: إمّا في غفلةٍ، فيمسُّهُ مَرَّةً أخرى. وإمّا في حضور، فيحترق إن دنا منه. وقد رأيتُه لعنه الله لا يجرأ[2] على دخول بيتٍ فيه عارف بالله؛ سواءٌ نام[3] العارف أو كان مستيقظا.

(حجر الياقوت الأحمر)

ومن ذلك حجر الياقوت الأحمر، وآيته من كتاب الله - تعالى -: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[4] وخاصِيَّتُه؛ إذا كان الإنسان مشاهدًا له من جهة روحٍ قدسيٍّ، فإنّه يَعْلَم من العلوم المتعلّقة بذات الحقّ ما لا يطّلع عليه غيره، فإن كان مشاهدًا له من جهة نفسه الغضبيّة، وصَادَفَ جبَّارًا من الجبابرة؛ فإنّه يَذِلّ له ويخضع، لما يجِد له فِي نفسه من التعظيم، وإن كان توعّده عفا عنه.

(حجر الياقوت الأزرق)

ومِن ذلك حجر الياقوت الأزرق، آيته من كتاب الله - تعالى -: ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ﴾[5] هو الذي يُعْطِي الربانيَّةَ للإنسان، مخصوصٌ بأصحاب الأحوال والخلق.

حجر الياقوت الأصفر

آيته من كتاب الله - تعالى -: ﴿وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾[6] مخصوصٌ

---

[1] [الأعراف: ٢٠١]

[2] ش: لا يتجرأ.

[3] م: قام.

[4] [الشورى: ١١]

[5] [الرعد: ٤١]

[6] [الصافات: ٩٦]

قوتِ یادداشت کی خاصیت یہ ہے کہ یہ حال میں ابلیس کو اس کی مکاری دیکھنے سے اندھا اور متحیّر کر دیتی ہے، جب بھی وہ اِس مومن کی طرف دیکھتا ہے تو اِسے ان دو حالتوں میں سے کسی ایک پر ہی پاتا ہے: ۱- یا وہ (انسان) غافل ہوتا ہے، تو شیطان ایک اور وار کرتا ہے۔ ۲- یا پھر وہ حضوری میں ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر یہ اُس کے قریب جائے تو جل جائے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ مردود اُس گھر میں داخلے کی جرات تک نہیں کرتا جس میں کوئی عارف باللہ ہو، چاہے یہ عارف سویا ہو یا جاگ رہا ہو۔

سرخ یاقوت:

ان میں ایک پتھر سرخ یاقوت بھی ہے، کتاب اللہ میں اس کی آیت یہ ہے: ﴿اس جیسی کوئی چیز نہیں﴾ اِس (پتھر) کی خاصیت یہ ہے کہ جب انسان اپنی قدسی روح کی جہت سے اِس کا مشاہدہ کرے، تو ذاتِ حق سے متعلق اُن علوم پر مطلع ہوتا ہے کہ جن پر کوئی اور مطلع نہ ہوا، اور اگر وہ اپنے نفسِ غضبی کی جہت سے اِس کا مشاہدہ کرے اور کسی جابر کا سامنا ہو جائے، تو اس جابر کی بھی اس کے سامنے ایک نہیں چلتی، کہ وہ اپنے نفس میں اس کی تعظیم ہی پاتا ہے، اگر اُس نے اِسے دھمکی بھی دی ہو تو اُس پر عمل نہیں کرتا۔

نیلا یاقوت:

ان میں ایک پتھر نیلا یاقوت ہے، کتاب اللہ میں اس کی آیت یہ ہے: ﴿اُس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں﴾ یہ (پتھر) انسان کو ربانیت عطا کرتا ہے، جو اصحابِ احوال و اخلاق سے مخصوص ہے۔

زرد یاقوت:

کتاب اللہ میں اِس کی آیت یہ ہے: ﴿اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے﴾ یہ اصحابِ مقامات سے مخصوص ہے، اور اِس کی خاصیت عبودیت، ذلت اور محتاجی ہے۔ یہ ایک مشترک مقام ہے [۱۰۰] جسے یہ (مقام) ملا تو پھر وہ غیر معروف ہی رہا۔

بأصحاب المقاماتِ، وخاصّيّتُه العبوديّة والذِلّة والافتقار. مقام مشترك، من حصل له جُهِلَ حاله.

الحجر المكرَّم

آيته من كتاب الله - تعالىٰ -: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[1] يدور به فلكُ الحياة، يوجد في كلّ موجودٍ وفي كلّ شيء. خاصّيّته قلبَ الأعيان. إذا دُبِّر وأُحْكِم، وألقيتَ منه أدنىٰ شيء علىٰ ما شئتَ؛ قَلَبَ عينه لما تعطيه حقيقة ذلك الشيء، كالإكسير عند أهل الكيمياء؛ تأخذه فتحمله علىٰ القزدير[2] [= القصدير] والحديد فيقلِبها فِضّة، وعلىٰ النّحاس والرّصاص فيقلِبهما ذهبًا، وهو واحد واختلف القبول لاختلاف الطبائع. كذلك هذه الحقيقة تُلقِيها علىٰ العاصي فيصير طائعا، وعلىٰ الكافر فيصير مؤمنًا. وهذا هو الكبريتُ الأحمر العزيز الوجودِ، الذي جعله الله من ضنائنه، وأودعه في أرفع خزائنه. مَن وصل إليه لا يُرىٰ أثره عليه؛ فإنّ الحاصل عليه، به[3] ضَنِينٌ ولنا في معناه أبيات، منها:

مُدَّعِي الصَّنْعَةَ مِنْ غَيْرِ سَبَبْ ... عِشْتَ فِي زُورٍ وَدَعْوَىٰ وَكَذِبْ

فَاسْتَمِعْ قَوْلَ مُحِبٍّ نَاصِحٍ ... صَادِقِ اللَّهْجَةِ مَحْفُوظِ الطَّلَبْ

نَــزِّلِ النَــيِّرَ مِنْ أَفْلَاكِهِ ... وَاسْعَ فِي تَحْصِيلِ تَرْكِيبِ النِسَبْ

وَخُذِ الآبِـقَ مِنْ مَعْدَنِــهِ ... وأَمِـطْ عَنْهُ الفِـرَارَ الْمُكْتَسَــبْ

فَإِذَا مَا رُضْتَهُ وَاحْتَـمَلَتْ ... ذَاتُهُ التَّرْكِيـبَ فِـيهَا وَرَسَـبْ

صَعِّدِ الفَاضِلَ وَانْظُرْ حَالَهُ ... بِامْتِزَاجِ النَّـيِّرَاتِ فِي لَهَـــبْ

---

[1] [الانبياء: ٣٠]

[2] ش: القصدير.

[3] ش: به عليه.

مکرم پتھر:

قرآن مجید میں اس کی آیت یہ ہے: ﴿ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا﴾ فلکِ حیات اسی سے گھومتا ہے، یہ ہر (زندہ) چیز اور ہر موجود میں پایا جاتا ہے۔ اس (پتھر) کی خاصیت اعیان کو تبدیل کرنا ہے۔ جب اسے تدبیر سے محکم کیا جائے، اور تُو اِس میں سے تھوڑا سا (اثر) بھی کسی چیز پر ڈالے تو اُس کا عین اُس (شے) کی حقیقت کے مطابق تبدیل ہو جاتا ہے، جیسے اہلِ کیمیا کے نزدیک مادۂ اکسیر ہے؛ اگر اِسے لوہے یا (Tin) پر ڈالا جائے تو یہ ان دونوں (دھاتوں کو) چاندی میں تبدیل کر دیتا ہے، اور اگر اِسے تانبے یا سیسے پر ڈالیں تو یہ انہیں سونے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ (اکسیر) تو ایک ہی ہے لیکن ہر دھات اپنی طبعی مزاج کے حساب سے اسے قبول کرتی ہے۔ اِسی طرح اگر تو یہ روحانی اکسیر کسی گناہ گار پر ڈالے تو وہ فرمانبردار بن جاتا ہے، کسی کافر پر ڈالے تو وہ مومن ہو جاتا ہے۔ یہی وہ کمیاب کبریت احمر ہے، جو اللہ نے اپنے خواص کو عطا کیا، اور جسے اپنے ارفع خزانوں میں چھپایا۔ جو اِس تک پہنچتا ہے تو اُس پر اِس (مقام) کا اثر بھی نظر نہیں آتا؛ کیونکہ اسے پانے والا بھی اسے چھپاتا ہے، اِس معنی میں ہمارے یہ اشعار ہیں:

کسی سبب کے بغیر اکسیر کی معرفت کے دعوے دار تو غلط بیانی جھوٹ اور باطل کا دعوے دار ہے، اِس محبت کرنے والے ناصح کی بات سُن جو سچے لہجے میں بے غرض بات کرتا ہے، سورج (بمعنی نور دینے والے) کو اُس کے افلاک سے اُتار اور نسبتوں کی ترکیب سیکھنے کی کوشش کر، پھر پارے کی کان سے بھاگنے والا پارہ لے اور اِس کی کبھی دوڑ کو ختم کر، جب تو اس سے مطمئن ہو جائے اور اس کی ذات اس میں یہ ترکیب قبول کرے اور یہ بیٹھ جائے تو باقی رہ جانی والی شے کو پکا اور آگ کے شعلوں میں اس کا مزاج دیکھتا رہ، جب وہ اسے فنا کر دے تو ایسی چیز باقی بچے گی جو تیری آنکھوں کے سامنے سیسے کو سونا بنائے گی۔

فَإِذَا أَفْنَاهُ يَبْقَى سَبَبٌ يَقْلِبُ الآنكَ فِي العَيْنِ ذَهَبْ[1]

إزالة الظِلِّ وقَطْعُ التصرير[2]:

قال الله - تعالى -: ﴿ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾[3] وإنّما يبقى الظِلُّ لعِلَّةٍ في الصَّنعَةِ، فما دام الظِلُّ كان في الأمر تدليسٌ وحرم التصرّف فيه، وإزالته إن لم يكن عندك سِرُّ الحجر المكرّم ولا نتيجةُ الحقائقِ الأربع، فلا بُدَّ من طلب إمام، فإن لم تَجِد فأَخْلِ بيتا من جميع الأشياء واتّخذه خَلوة فليكن ذكرك: «اللهُ اللهُ» لا غير، ولتتفرَّغ من همّ المطْعَم والمشرب باستعدادك قبل ذلك، واجعل مُستَنَدَك هذه الآية: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[4] فإنّه لا بدّ من زوال الظِلِّ؛ أقربه في سبعة أيّام، وأبعده في أربعين يومًا.

وأمّا التصرير: فسبَبه انضغاط النفس بين عالم الملكوت والشهادة، وهو باب الأحوال، فاحمل عليها قوله: ﴿أَلَا بِذِكْرِ الله تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[5] فإنّه ينقطع تصريرُه - إن شاء الله تعالى[6] -.

[1] م: بلغت قراءة عليه، أحسن الله إليه، كتبه علي النشبي.

[2] التصرير: العلائق بالعالم والربط بها.

[3] [الفرقان: ٤٦]

[4] [الشورى: ١١]

[5] [الرعد: ٢٨]

[6] ش: - تعالى.

سایے کا زوال اور عالم سے روابط کا خاتمہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿پھر ہم اِسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیں گے﴾ بیشک سایہ صنعت کے عیب کی وجہ سے ہے، سو جب تک سایہ ہے معاملے میں شبہ ہے اور اس میں تصرف بھی ممنوع ہے، اگر تیرے پاس مکرم پتھر کا راز اور چار حقائق کا نتیجہ نہیں تو اس کے ازالے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی مرشد ڈھونڈ، اگر مرشد نہ ملے تو اپنے گھر (مطلب دل) کو خالی کر، اسے اپنی جائے خلوت بنا، یہاں تیرا ذکر صرف "اللہ اللہ" ہونا چاہیے کچھ اور نہیں، اور (خلوت میں جانے) سے پہلے بھوک پیاس سے فراغت پا، اور تیرا بھروسا اس آیت پر ہونا چاہیے: ﴿اُس کے مثل جیسی کوئی شے نہیں﴾ یہ سایہ لازماً زائل ہو گا؛ کم سے کم سات دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دنوں میں۔

جہاں تک عالم سے ربط کا تعلق ہے تو اس کی وجہ نفس کا عالم ملکوت اور عالم شہادت کے درمیان دباؤ میں رہنا ہے، یہ احوال کا باب ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ قول (پیش نظر) رکھ: ﴿جان لے! دل اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان پاتے ہیں﴾ اگر اللہ نے چاہا تو اس کی بے چینی بھی دور ہو گی۔

الباب الأوّل من الباب السابع عشر
وهو الثامن عشر من أبواب الكتاب:
في معرفة إفاضة العقلِ نورَ اليقين على ساحة القلب

نقدِّم مثالًا للتقريب فيما نذكره: وذلك أنّ الشمسَ إذا قابلَتِ الجسم الصقيل فإنّه ينبعث من ذلك الجسم نورٌ يضيء به موضعٌ لا يقابله[1] الشمس؛ بانعكاس الشعاع، كضوء القمر الذي هو انعكاس ضوء الشمس. فمن أراد أن يرى الشمس فليجعل عينَه في الموضع الذي يضرب فيه النور المنعكس وينظر في الجسم الصقيل، فإنّه يكشف الشمس. ويجيء من هذا الترتيب شكل مثلّثٌ: الركن الواحد: الشمس، والركن الثاني: الجسم الصقيل، والركن الثالث: موضع ضرب الشعاع المنعكس.

واعلم بعد أن ضربتُ لك المثال، أنّ النفسَ الحيوانيّةَ يُفيض عنها نورٌ من جانب التجويف الذي فيه الروح الكثير[2] مِن القلب، فيصل إلى أقصى أماكن الجسد، ثمّ ينعكس ذلك النور مثل حركة الفلكِ، فيرقى حتّى يتّصل بالدماغ؛ فيتّصل بالعقل اتّصالَ سريانٍ يكون له تأثيرُ استفاضةٍ على عينِ البصيرة، فإذا ظهر ذلك النور لعين البصيرة كالشمس للبصرِ، هو المخاطب بقوله: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾[3] فلا معنى للحِسّ هاهنا، فينعكسُ الشعاعُ من عين البصيرة على ساحةِ القلب؛ كانعكاس الشعاع من العينِ على المبصَرات؛ فينظر إلى عجائب الملكوتِ،

---

[1] ك، ش: تقابله.

[2] ك: الكبير.

[3] [ق: ٣٧]

سترہویں باب کا پہلا حصہ
اور یہ کتاب کا آٹھارواں باب ہے
عقل کا دل کے آنگن میں نور یقین کی کثرت کا بیان

ہم اپنی بات ایک مثال سے سمجھاتے ہیں: وہ یوں کہ جب سورج کسی چمک دار مادی جسم کے سامنے آتا ہے تو اِس چمک دار سطح سے سورج کی شعاع منعکس ہو کر ایسی جگہ کو روشن کرتی ہے جو براہ راست سورج کے سامنے نہیں، جیسے چاند کی روشنی سورج کی منعکس شدہ روشنی ہے۔ لہذا جو کوئی سورج کو دیکھنا چاہے تو وہ اس جگہ سے دیکھے جہاں یہ منعکس شدہ روشنی پڑ رہی ہے، پھر اس چمکدار سطح کو دیکھے، یوں اِسے سورج نظر آئے گا۔ اس ترتیب سے ایک تکون بنتی ہے، جس کا ایک کونا سورج، دوسرا کونا چمک دار جسم اور تیسرا کونا وہ جگہ ہے جہاں سورج کی منعکس شعاع پڑتی ہے۔

میری اس مثال کے بعد یہ جان کہ نفسِ حیوانی پر مرکز قلب سے نکل کر ایک نور چھا جاتا ہے، جو جسد کے دور دراز مقامات تک پہنچتا ہے، پھر یہ نور حرکتِ فلک کی طرح منعکس ہوتا ہے اور بلند ہو کر دماغ تک پہنچتا ہے؛ یہاں یہ عقل میں سرایت کر جاتا ہے اور بصیرت کی آنکھ کو فیض پہنچاتا ہے، جب یہ نور بصیرت کی آنکھ پر ظاہر ہوتا ہے، جیسے سورج ظاہری آنکھ پر ظاہر ہوتا ہے، تو ایسا شخص اُس کے اِس قول کا مخاطب ہے: ﴿بیشک اِس میں اُس کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہے﴾ یہاں حِس کی بات نہیں، پس بصیرت کی آنکھ سے دل کے آنگن پر شعاع ویسے منعکس ہوتی ہے جیسے آنکھ سے نکلنے والی شعاع دیکھی جانے والی اشیا پر پڑتی ہے؛ (ایسا شخص اِس نور سے) ملکوت کے عجائبات دیکھتا ہے، انوار باہم ملتے ہیں اور اِس موقع پر دل میں ایک دوسری آنکھ کھلتی ہے؛ جسے "یقین کی آنکھ" کہتے ہے، جو کہ "نور الیقین" کی طرف دیکھتی ہے۔ [101]

وتَتَّصِل الأنوارُ، وتنفتح[١] عند ذلك العينُ الثانية في القلب؛ وهي[٢] عين اليقين، وهي الناظرة إلى نور اليقين[٣].

فإنَّ لله – تعالى – نورين: نورًا يَهْدي به، ونورًا يَهْدِي إليه. وله في القلب عينان: عَيْن بصيرةٍ؛ وهو علم اليقين. والعين الأخرى؛ عين اليقين. فعين البصيرة تنظُرُ بالنورِ الذي يهدي به. وعين اليقين تنظر بالنور الذي يهدي إليه، قال الله – تعالى –: ﴿يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾[٤] وهو نور اليقين[٥]. وقال في النور الآخر: ﴿يَجْعَلْ لَكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ﴾[٦] فإذا اتّصل النور الذي يَهدي به بالنور الذي يهدي إليه عاين الإنسانُ ملكوتَ السمواتِ والأرض، ولاَحَظَ سرّ القدر كيف يَحكم في الخلائق وهو قوله – تعالى –: ﴿نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾[٧]

---

[١] ي: تتفتح.

[٢] م: هو.

[٣] ش: عين اليقين.

[٤] [النور: ٣٥]

[٥] ش: – هو نور اليقين.

[٦] [الحديد: ٢٨]

[٧] [النور: ٣٥]

بیشک اللہ تعالی کے دو نور ہیں: ۱- ایسا نور جس سے وہ ہدایت دیتا ہے، ۲- اور وہ نور جو اُس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے لیے دل میں بھی دو آنکھیں ہیں: ۱- بصیرت کی آنکھ جو کہ "علم الیقین" ہے۔ ۲- دوسری آنکھ جو کہ "عین الیقین" ہے۔ بصیرت کی آنکھ (یعنی علم الیقین) اُس نور سے دیکھتی ہے جس سے وہ ہدایت دیتا ہے۔ اور "عین الیقین" (یعنی یقین کی آنکھ) اُس نور سے دیکھتی ہے جو اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اللہ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے﴾ یہی "نور الیقین" ہے۔ اور دوسرے نور کے بارے میں فرمایا: ﴿اور تمہارے لیے نور بنایا جس سے تم چلتے ہو﴾ جب وہ نور؛ جس سے وہ ہدایت دیتا ہے، اُس نور سے؛ جو اُس کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جڑتا ہے تو انسان زمین اور آسمان کی ملکوت کو دیکھتا ہے، وہ تقدیر کے راز کا مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ مخلوقات کو کیسے قابو میں کیے ہے، اور یہ اللہ کا کہنا ہے: ﴿نور علی نور﴾

الباب الثاني من السابع عشر،
وهو الباب التاسع عشر[1] من أبواب الكتاب:
في الحجب المانعة من إدراكِ عين القلب الملكوتَ

قد قَدَّمنا أنّ الأنوار ثلاثة: نور الحياة، ونور العقل، ونور اليقين.

فأمّا نور الحياةِ؛ الذي هو انعكاس شعاع النفس الحيوانيّة، فعِلله ثلاث[2]: الران، والحجاب، والقفل. وكُلُّها مذكورة في القرآن، ومُرادُها[3] من الصفات البشريّة الظاهرة في عالم الشهادة. فهذه الأمراض الّتي حصلَتْ للقلب في هذا المقام إنّما ذلك من جهة النفس الأمّارة[4] البهيميّة.

وأمّا النور الذي يحصل للقلب[5] بانعكاس شعاعهِ من جوهر العقل؛ فعِلّته النفس الغضبيّة، لها نارٌ تطبخ القلبَ وتُحرِقه، فيصعد منه دخانٌ على القلب يحول بين العقل والقلب، فتنقطع المادّة فيُظلِمُ القلب، وذلك الدخان هو الغطاء، والكِنُّ، والغشاوة. فإن تكاثَفَ أدَّىٰ إلى العمىٰ ﴿وَلَكِنْ تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[6] وفي ذكر الصدور هنا إشارةٌ تركناها لك.

وأمّا نور اليقين الذي هو الأمدُ الأقصىٰ، فالعِلَّة الّتي تحول بينه وبين عين اليقين من القلب عدمُ الإخلاص، والقبضُ بالنظر إلى الأعمال المحمودة والمذمومة. فلو

[1] ي، ك: – وهو الباب التاسع عشر.

[2] م: ثلاثة.

[3] ل، م، ش، ف: وموادّها.

[4] م: + بالسوء.

[5] ش: في القلب.

[6] [الحج: ٤٦]

سترہویں باب کا دوسرا حصہ
جو کتاب کا انیسواں باب ہے
ان حجابات کا بیان جو دل کی آنکھ کو ملکوت کے ادراک سے روکتے ہیں

ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ نور تین ہیں: ۱-نورِ حیات، ۲-نورِ عقل، ۳-نورِ یقین۔

نورِ حیات جو کہ نفس حیات کی شعاع کا انعکاس ہے، اِس کی تین علتیں ہیں: ۱- الرّان، ۲- الحجاب، ۳- القفل۔ یہ تینوں قرآن میں موجود ہیں، صفات بشریت میں اِن کی غایت عالم شہادت میں ظاہر ہے۔ اس مقام پر دل کو لاحق یہ امراض حیوانی نفس امارہ کی جہت سے ہوتے ہیں۔ [۱۰۲]

ایسا نور جو دل کو ایسے حاصل ہو کہ اِس کی شعاع عقل کے جوہر سے منعکس ہو؛ تو اِس کی علت نفسِ غضبیہ ہے، اس کی آگ دل کو جلاتی اور پکاتی ہے، پھر اِس سے ایک دھواں اٹھتا ہے جو دل اور عقل کے درمیان آ جاتا ہے، یہ رابطہ منقطع ہوتا ہے اور دل تاریک ہو جاتا ہے۔ یہی دھواں الغطاء، الکن اور الغشاوۃ[۱] ہے۔ اگر یہ کثیف ہو جائے تو دل اندھا ہو جاتا ہے ﴿لیکن سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں﴾ یہاں سینے میں وہ اشارہ ہے جو ہم تیرے لیے چھوڑتے ہیں۔

جہاں تک نور الیقین یعنی آخری حد کا تعلق ہے، تو دل کی یقین والی آنکھ اور اِس کے درمیان حائل علت اخلاص کا نہ ہونا، اور اچھے اور بُرے اعمال کی طرف نظر سے دل کا تنگی پانا ہے۔ [۱۰۳] اگر وہ اِس سے منہ موڑے تو حجاب اُٹھ جائے اور گھٹن ختم ہو، روشنیاں مل جائیں اور نشانیاں اور عجائبات ظاہر ہوں۔

---

[۱] یہ اوٹ، حجاب اور پردہ ہے۔

أعرض لزال الحجابُ ووقع الانشراحُ، واتّصلتِ الأنوارُ، وظهرت الآيات والعجائب.

وتحقيق هذا الفصل في مَن نظر من قوله - تعالى -: ﴿اللهُ نُورُ السَّماوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ إلى قوله: ﴿وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ﴾[1] هنالك تبدو لك الحجب في مقابلة الأنوار، آياتٌ بيّناتٌ لقوم يعقلون.

[1] [النور: ٣٥-٤٠]

غور کرنے والوں کے لیے اس مقام کی معرفت اللہ کے اس قول میں ہے: ﴿اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے﴾ سے لے کر ﴿اور جس کے لیے اللہ کوئی نور نہ بنائے تو وہ بے نور ہے﴾ یہاں تجھ پر انوار کے مقابلے میں حجابات ظاہر ہوتے ہیں، عقل والوں کے لیے یہ واضح نشانیاں ہیں۔

الباب الثالث من السابع عشر
وهو الباب الموفي عشرين من أبواب الكتاب:
في اللوح المحفوظ الذي هو الإمامُ المبين، ولوح المحو والإثبات

وَهذا المقام هو الذي يجمع الوليَّ والنبيَّ[١]، وهو الذي يُفَرِّق بينهما. فجعل الله القلمَ تُرجُمانَ الدواةِ ومُفَصِّلَ علومها بالرسوم؛ فهو العالِم المحفوظ؛ وهو المثبت والماحي، وأمّ الكتاب؛ وهو الكتاب المسطور[٢] علومه في قوَّتِه مجملةٌ لا تُعْقَل عنه حتّى يُفْصِح.

وأمّا لوحُ المحو والإثبات؛ فهو لوح الدفّتين الزمرّدتين المودَعُ كائنات العالِم إلى يوم التبديل؛ فهو لوحٌ محصورٌ وعليه اعتكفت ملائكة التسخير، وينظره منك في القلم: الإيمانُ، وفي اللوح: تنوّع الأحوال بتنوّع الأزمانِ بتنوّع الأماكنِ بتنوّع الأوضاعِ بتنوّع الأغراض، فينسخ الآخرُ الأوّلَ أبدًا، وهو المحو والإثبات.

فإذا رجعوا إلى تماثِلهم حُشِرُوا في القلم الأعلى، فانتعلوا السماوات العلى فيخرج النبيُّ، والوارثُ العالِمِ[٣]، بالقلم الأعلى، ويختلف الإلقاء؛ لأنّ قلم النبيّ له طرفان، وقلم الوليّ له طرفٌ واحدٌ. ويخرج الوليُّ العارف والمؤمن باللوح، فتمتاز المراتب ﴿وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾[٤]

---

[١] ش: النبيَّ والوليَّ.

[٢] ل، م: المسطر. ف: المسيطر.

[٣] ل، ش، ف: – العالِم.

[٤] [النساء: ٢٦]

سترہویں باب کا تیسرا حصہ

یہ کتاب کا بیسواں باب ہے

لوح محفوظ کا بیان جو کہ امام مبین ہے، اور لوح محو اور اثبات کا بیان

یہ مقام ولی اور نبی کا جامع ہے، اور یہی اِن میں فرق بھی کرتا ہے۔[۱۰۴] اللہ نے قلم کو دوات کا ترجمان بنایا، یہ نقوش سے اِس کے علوم میں فرق کرتا ہے؛[۱۰۵] یہی عالم محفوظ ہے، یہی لکھنے والا اور مٹانے والا ہے، اور یہی ام الکتاب ہے؛ یہ وہ کتابِ مسطور ہے جس کے علوم اپنی قوت میں اجمالی ہیں جو اُس وقت تک سمجھ نہیں آتے جب تک کہ وہ (خود) وضاحت نہ کرے۔

جہاں تک لوحِ محو اور اثبات کا تعلق ہے؛ تو یہ زمرد سے بنی دو رُخی ایسی تختی ہے جس پر قیامت تک ہونے والے واقعات لکھے ہیں؛ یہ ایک محصور لوح ہے اور ملائکہ تسخیر[۱۰۶] اس کے ارد گرد ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں، تجھ میں قلم کی مثال ایمان ہے اور لوح کی مثال؛ احوال کا تنوع اوقات کے تنوع سے، اوقات کا تنوع اماکن کے تنوع سے، اماکن کا تنوع اوضاع کے تنوع سے اور اوضاع کا تنوع اغراض کے تنوع سے ہے۔ ہمیشہ پچھلا پہلے کو منسوخ کرتا ہے، یہی محو اور اثبات (مٹانا اور لکھنا) ہے۔

جب یہ اپنے جیسوں میں لوٹتے ہیں تو قلم اعلیٰ میں ملتے ہیں، وہاں سے بلند آسمانوں کا سفر کرتے ہیں، پس نبی اور (نبی کا) وارث عالم قلم اعلیٰ کے ساتھ نکلتا ہے، (دونوں کے) القا میں فرق ہے؛ کیونکہ نبی کے قلم کی دو نوکیں ہیں، جبکہ ولی کے قلم کی ایک نوک ہے۔ عارف ولی اور مومن لوح لے کر نکلتا ہے، یوں مراتب نمایاں ہوتے ہیں ﴿اللہ حکمت والا اور علم والا ہے﴾

الباب الرابع من الباب السابع عشر
وهو الباب الحادي والعشرون من الكتاب:
في أسباب الزّفراتِ والوجبات والتحرّك عند السماع

السماعُ سِرٌّ من أسرار الله - تعالى - في الوجود العلِيَّة، واحد في نفسه. والسامعون شخصان: شخص يسمع بنفسه، وشخص يسمع بعَقله، وليس ثمّ سامع آخر. ومن قال: إنّه يسمع بربّه فإنّه نهاية دَرَجِ سَمْعِ العقل. لكن للعقل سمعان: سَمْعٌ من حيث فطرته، وسمعٌ من حيث الوضع. فالذي له من حيث الوضع؛ هو الذي قيل عنه: يسمع بربّه، وقوفا عند قوله - عليه السلام - عن ربِّه: «كنت سمعَه الذي يسمع به».

فالذي يسمع بعقله، يسمع في كلّ شيء، ومِن كلّ شيء، وعلى كلّ شيء، لا يتقيّد. وعلامته في ذلك البَهْتُ وخُمُودُ البشريّة. والذي يسمع بنفسه لا بعقله؛ لا يسمع إلّا في النّغمات والأصوات العَذْبَة الشهيّة، وعلامته أن يتحرّك عند السماع بحالة فناءٍ عن الإحساس. ومهما أحسَّ[1] المتحرّك في السماع فإنّه مسخرة للشيطان، وإن لم يُحِسَّ وفني عن كلّ شيء فهو صاحب نفسٍ وتحت سلطانها، وحاله صحيح صحيحة[2] الفناء، ولا[3] يأتي بعلم أبدًا، عقيب هذا الفناء، والحركة في السماع.

فإن ادّعى أنّه أتى بعلم؛ فلم[4] يكن فانيا، ولم يكن سَمِع بعقله، فإنّه قد تحرَّك.

---

[1] ش: + فهو.

[2] ك، ش: صحيح.

[3] ك: فلا.

[4] ك: لم.

سترہویں باب کا چوتھا حصہ
یہ کتاب کا اکیسواں باب ہے
سماع کے وقت آہیں بھرنے، آوازیں نکالنے اور حرکت کے اسباب کا بیان

سماع اس عالی وجود میں اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، اور یہ وجود درحقیقت ایک ہے۔ سامع (سننے والے) دو ہیں: ۱- ایک وہ جو اپنے نفس سے سنتا ہے، ۲- دوسرا وہ جو اپنی عقل سے سنتا ہے، یہاں کوئی تیسرا سننے والا نہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رب سے سنتا ہے تو یہ سماعتِ عقل کا آخری درجہ ہے۔ عقل کا بھی دو طرح سے سننا ہے: ۱- اس کی فطرت کی حیثیت سے، ۲- وضع کی حیثیت سے۔ جو اسے وضع کی حیثیت سے حاصل ہے اُس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اپنے رب سے سنتا ہے؛ آپ علیہ السلام کے اپنے رب سے روایت کردہ اِس قول کے مطابق:
"میں اس کی سماعت ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔"

جو اپنی عقل سے سنتا ہے تو وہ ہر شے میں، ہر شے سے، اور ہر شے پر بغیر کسی قید کے (اُسے) سنتا ہے۔[107] اس (سننے) میں اُس کی نشانی حیرانی اور بشریت کا سکون ہے۔ جو اپنے نفس سے نہ کہ اپنی عقل سے سنے؛ تو وہ صرف نغمات اور میٹھے سُروں اور دُھنوں کو سنتا ہے، اُس کی نشانی یہ ہے کہ وہ وقتِ سماع ایسے حرکت کرتا ہے کہ اُس کا احساس جاتا رہتا ہے۔ جب جب سماع میں حرکت کرنے والا حس میں لوٹا تو وہ شیطان کا مسخرہ بنا، لیکن اگر حس میں نہ لوٹا اور ہر شے سے بے پروا ہو گیا تو وہ نفس کا بندہ اور اِس کے اختیار تلے ہے، اُس کا حال درست اور فنا صحیح ہے، لیکن اس فنا اور حرکتِ سماع کے نتیجے میں اسے کبھی کوئی علم نہیں ملتا۔

اگر وہ یہ دعوی کرے کہ اُسے علم ملا؛ تو وہ مکمل فنا نہ ہوا (یعنی اس کا ہوش باقی رہا) اور نہ ہی اُس نے اپنی عقل سے سنا، کیونکہ اُس نے حرکت کی۔ اب یہی احتمال ہے کہ وہ جھوٹا ہے؛ کیونکہ سماعِ نفس کے نتیجے میں کبھی علم نہیں ملتا، اور سماعِ عقل کے ساتھ حرکت نہیں ہوتی، لہذا جس

فلم يبق له إلّا أن يكون كاذبا؛ فإنّ سماع النفس لا يأتي بعلم البتّة، وسماع العقل لا يكون معه حركة، فمن جمع بين الحركة والعلم فهو كاذبٌ جاهل بالحقائق.

واعلم أنّه إذا أراد اللهُ تنَزُّلَ المعارف على قلب عبدٍ بضربٍ من ضروب الوجد، أرسل بَرَد القُرب على القلب المعقول، فتَبرُدُ سماءُ القلب فتأخذ سِفلًا، فيجد الحرارة الغريزيّة صاعدة إلى الدماغ فيعتمد[1] عليها، فتنعكس الحرارة فتأخذ سفلا حتّى تُحُكَّ بساحة القلب، فيتولّد عن ذلك الحكّ نارٌ فتصعد. فإن وجدتْ في سحابِ بَرد اليقين والقُرب خللا؛ صعدتْ، فكان ذلك التأوّه الذي يسمّى الزّفرة. وإن لم تجد خللا، حَلَّلَت رطوبات السحاب الأعلى من جَمْدِه، فمن ذلك هو البُكاءُ الذي يطرَأ على صاحبِ الحالِ في حاله. فإن كان ذلك النار قد أنضج الكَبِد يُشَمُّ في ذلك التأوُّه رائحة الحرق، ويصدع ذلك[2] النار في تجويف القلب بالانضغاط الذي هو فيه، فيُسْمَع له في ذلك الوقت أزيزٌ يسمّى الوَجْبَة والصّيحة والرَّجْفَة، وفي ذلك الوقت تقع الصيحة من صاحب الحال.

فمَن كان في قلبه جلاءٌ من الحاضرين صعق من حينه لتلك الصَّيْحَة وهي صلصلة النار الطبيعيّ بالقلب، وتتصدّع[3] لها القلوب إذا قويتْ عليها. ومَن كثُرَت الرّيون على قلبه من الحاضرين أخذَتْهُ لتلك الصيحة رعدةٌ وفزع، ووقع الإنكار منه على صاحب الحالِ، وقال: هذا ما سمعنا عَنه أنّه كان في السّلف، وقد كانت الموارد ترد على النبي - صلّى الله عليه وسلّم - وما سمعنا عنه أنّه صاح ولا صعق. فلا يلتفت[4] إلى قوله، فإنّ قلبه[5] مطبوع.

---

[1] ي، ك: فتعتمد.

[2] ك، ف: تصدع تلك.

[3] ل، ي: يَتَصدَّعُ.

[4] ك: تلتفت.

[5] ش: - قلبه.

نے حرکت اور علم کو جمع کیا تو وہ جھوٹا اور حقائق سے انجان ہے۔

جان لے کہ اللہ جب کسی بندے کے دل پر وجد کی حالت میں معارف اتارنا چاہتا ہے، تو قلبِ معقول پر قُرب کی ٹھنڈک ڈالتا ہے، یوں دل کا آسمان ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور (معارف) نیچے کی طرف آتے ہیں، اور دل دیکھتا ہے مزاج کی گرمی دماغ کی طرف اٹھتی ہے تو وہ اس کا قصد کرتا ہے، یوں یہ گرمی منعکس ہو کر نیچے کو آتی ہے اور دل کے آنگن پر چھا جاتی ہے، اور اِس رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے جو اوپر کو اٹھتی ہے۔ اگر یہ (آگ) یقین کی ٹھنڈک اور قرب کے بادل میں کوئی خلل پائے تو بلند ہوتی ہے، یہ وہی آہ ہے جسے (الزفرۃ) بھی کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ کوئی خلل نہ پائے تو بلند بادل کی رطوباتی برف پگھلتی ہے، یہ وہی گریہ ہے جو صاحب حال کو اپنے حال میں پیش آتا ہے۔ اگر یہ آگ جگر کو جلا دے تو اس آہ میں جلنے کی بو آتی ہے، یہ آگ دل کے وسط میں مکمل دباؤ سے داخل ہوتی ہے، تو اِس وقت ایک دبی دبی غیر مفہوم آواز سنائی دیتی ہے جسے (الوجبۃ) یعنی گھبراہٹ کے وقت سانس کا پھولنا (صیحہ) چیخ یا خوف کی حالت میں آواز کا نکلنا یا (الرجفۃ) یعنی آواز کے ساتھ جسم کا لرزنا کہتے ہیں، اِسی وقت صاحبِ حال چیخ مارتا ہے۔

حاضرین میں سے بھی جن کا قلب صاف ہوتا ہے تو وہ بھی اِس چیخ سے ہوش کھو بیٹھتے ہیں، یہ دل میں آگ کا جوش مارنا ہے، جب یہ قوت پکڑے تو دل اِس کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ حاضرین میں سے جس کسی کے دل پر حجابات کی کثرت ہو تو یہ چیخ اُس پر بے چینی اور گھبراہٹ طاری کرتی ہے، اور وہ اِس صاحب حال پر انکار کرتا ہے، کہتا ہے: ہم نے نہیں سنا کہ اسلاف نے کبھی ایسا کیا ہو، نبی ﷺ پر بھی قلبی واردات ہوتیں تھیں لیکن ہم نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے چیخ ماری ہو یا بے ہوش ہوئے ہوں۔ اِس شخص کی بات مت سُن کیونکہ اِس کے دل پر مہر لگی ہے۔

وقد فرّقنا بين سماع العقل وسماع النفس، وكلٌّ في بابه صحيح، وفي خروج تلك الزفرات تكون حياة العارف. فإن أرادتِ النار الخروج من خلل[1] السحاب الذي ذكرناه، ووجدَتْهُ متراكمًا، ما فيه خلل؛ انعكست وطبخت القلب والكبد في الحين وأحرقتهما، فمات صاحب الحال من فوره.

وعند زَجّ ذلك النار من القلب إلى الدماغ، تكون الحركة والشطح من صاحب الحال، وأكثر خروجها متلوّية[2] متداخلة، فتكون حركات صاحب الحال غير موزونة ولا مربوطة بطريقة، وأكثر ما يظهر منهم الدّوران؛ لأنّ شكل الإنسان في الحقيقة مستديرٌ، والنار تجري على شكله. فإن كان ذلك السحابُ رقيقا واسع الخلال؛ فإنّ الحرارة تنفشُّ فيه، فلا يظهر مِن صاحبه زفرةٌ، ولا يُسْمَع لقلبه وجبة، ولكن يغلب عليه الضحك ما دام في ذلك الحال، للاتّساع الذي يجده.

فلا تغالط نفسك أيّها المريد، فقد أبنتُ لك صورةَ الأمر، فإن شئتَ أن تكون صاحبَ عقل، وإن شئت أن تكون صاحبَ نفس. والله - تعالى - يصلحنا وإيّاك وجميع المسلمين.[3]

---

[1] ش: + ذلك.

[2] ف: ملتوية.

[3] ش: + بمنه وكرمه. م: بلغت قراءة.

ہم نے سماعِ عقل اور سماعِ نفس کے درمیان فرق کیا ہے، یہ دونوں اپنی جگہ درست ہیں، ان آہوں کے نکلنے میں ہی عارف کی زندگی ہے۔ جب وہ آگ بادل کے اس شگاف سے باہر نکلنا چاہے ۔جس کا ہم نے ذکر کیا۔ لیکن اُسے تہہ در تہہ پائے اور کوئی راستہ نہ ہو؛تو وہ واپس لوٹ جاتی ہے، دل و جگر کو آناً فاناً جلا ڈالتی ہے، اور صاحب حال فی الفور اپنی جان گنوا بیٹھتا ہے۔

جب یہ آگ دل سے دماغ کی طرف اٹھے تو صاحب حال میں حرکت اور شطح کا ظہور ہوتا ہے، اس کا اکثر اوقات نکلنا پُر پیچ اور خلط ملط سا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے صاحبِ حال کی حرکات بھی ناموزوں اور غیر مربوط ہوتی ہیں، ان میں سے اکثر گول گول گھومتے ہیں؛ کیونکہ انسانی شکل در حقیقت گول ہے، اور آگ اِسی شکل پر چلتی ہے۔ اگر یہ بادل پتلا اور کھلے شگاف والا ہو؛تو یہ گرمی اِس (بادل) میں پھیل جاتی ہے، ایسا شخص آہیں نہیں بھرتا اور نہ ہی اُس کے دل سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن جب تک وہ اس حال میں ہوتا ہے اِس پھیلاؤ کے باعث اُس پر ہنسی کا غلبہ رہتا ہے۔

لہذا اے مرید! خود کو دھوکا مت دے، میں نے تجھ پر صورتِ حال واضح کر دی، اگر چاہتا ہے تو صاحب عقل بن، اور اگر خواہش ہے تو صاحب نفس بن۔ اللہ تعالی ہماری، تمہاری اور تمام مسلمانوں کی اصلاح کرے۔

الباب الخامس من السابع عشر[1]
في الوصيّة للمريد السالك،[2]
وهو على فصول، وبه ختم الكتاب

اعلم أيّها المريدُ نجاةَ نفسه[3]؛ أنّه أوّل ما يجب عليك قبل كلّ شيء طلب أستاذٍ يبصِّرك عيوب نفسك، ويخرجك عن طاعة نفسك[4]، ولو رحلتَ في طلبه إلى أقصى الأماكن، وأنا أوصيك إن شاء الله[5] ما تفعله في مدّة طلبك الشيخَ حتّى تجده. فإذا وجدتَه فالحاضر أبصر من الغائب، فكن بين يديه كالميّت بين يدي الغاسل، ولا يخطُر لك عليه خاطر اعتراضٍ، ولو عاينته قد خالف الشريعة؛ فإنّ الإنسان ليس بمعصوم. ولا تكتم عنه كلّ ما يقع لك في نفسك من محمودٍ ومذمومٍ، في كلّ مَن[6] كان.

ولا تقعد في مكانه، ولا تلبس ثوبه، ولا تجلس إلّا وأنت بين يديه[7] مستوفزٌ، جلوسَ العبد بين يدي سيّده. وإذا أمرك بفعل شيء فتثبّتْ فيه حتّى تَعرِفَ ما أمرك به، ولا تبادر وأنت غير عارفٍ بما أمرك به فلا تأتي بشيء، ولا تسأله عن سبب ما أمرك به. وإذا وصفتَ له حالا مّا من أحوالك في رؤيا أو غيرها فلا تسأله عن شرحها، وإذا كلّمته في أمرٍ فلا تطلب منه الجواب عليه، ولا تحتمل فيه قولة قائل.

---

[1] ش: + وهو الباب الثاني والعشرون من أبواب الكتاب.

[2] ي، ك: – السالك.

[3] ف: نفسك.

[4] ش: عن طاعتها.

[5] ش: + تعالى.

[6] ش: ما.

[7] ش: بين يديه إلّا وأنت.

سترہویں باب کا پانچواں حصہ
یہ کتاب کا بائیسواں باب ہے
مرید کے لیے وصیت، اس کے چند حصے ہیں اور یہ کتاب کا اختتام ہے

اے مرید اپنے نفس کی نجات کو جان، سب سے پہلے اپنے لیے کوئی ایسا استاد ڈھونڈ جو تجھے تیرے نفس کے عیوب دکھائے، جو تجھے تیرے نفس کی غلامی سے نجات دلائے، اگرچہ اُس تلاش کے لیے تجھے دور دراز کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں تجھے بتاؤں گا- ان شا اللہ- کہ مدت تلاشِ شیخ میں تجھے کیا کرنا چاہیے، یہاں تک کہ تو اُسے پالے۔ اگر وہ تجھے مل جائے تو حاضر غائب سے زیادہ جانتا ہے، اُس کے سامنے ایسے بن جا جیسے غسّال کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے، تیرے دل میں کبھی اُس پر اعتراض کا کوئی خیال نہ آئے اگرچہ تو اُسے شریعت کی ظاہری مخالفت بھی کرتا پائے؛ کیونکہ انسان (گناہوں سے) معصوم نہیں۔ اور اپنے دل میں آنے والی ہر اچھی اور بُری بات اُس سے مت چھپا، چاہے وہ کچھ بھی ہو۔

اُس کی جگہ پر مت بیٹھ اور اُس کے کپڑے مت پہن۔ اُس کے سامنے ایسے بیٹھ جیسے تو اٹھنے کے لیے اُس کے اشارے کا منتظر ہے؛ جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے ہوتا ہے۔ اگر وہ تجھے کچھ کرنے کا کہے تو پہلے وہ سمجھ کہ تجھے پتا ہو اُس نے تجھے کیا کہا، اور کبھی جلد بازی سے کام مت لے کہ تجھے پتا ہی نہ ہو کہ اس نے کیا کہا اور تو اس کی بات پوری نہ کر سکے، اور جو کچھ وہ تجھے کرنے کو کہے اُس کی وجہ مت پوچھ۔ اگر تو خواب یا حقیقت میں اپنے احوال میں سے اسے کچھ بتا تو اِس کی وضاحت مت طلب کر، اور جب تو کسی بارے میں اُس سے بات کر تو (فوراً ہی) جواب مت طلب کر،[۱۰۸] اور اس بارے میں کسی کی بات کو خاطر میں مت لا۔ اگر تو کسی کو اُس کا دشمن دیکھے تو اللہ کے لیے اُس (دشمن) سے ترک تعلق کر لے، نہ اُس کے پاس بیٹھ اور نہ ہی اُس سے معاملہ رکھ۔ جب تو کسی کو اُس سے محبت کرتا یا اُس کی تعریف کرتا دیکھ تو پھر تُو بھی اس شخص سے محبت رکھ

وإذا عرفتَ عدوًّا له فاهجره في الله ولا تجالسه ولا تعاشره. وإذا رأيتَ مَن يُحبّه ويثني عليه فحِبَّه[1] واقض حوائجه. وإن طلّق شيخك امرأة فلا تزوّجها. وإيّاك أن تدخل بيت خلوة الشيخ، ولا تَبِيتْ[2] معه في بيته أو حيث يبيت، ولتَنَمْ قريبا منه بحيث لا تراهُ وإذا دَعَاك سمعته.

ولا تشاوره في أمرٍ تفعله، فإنّك تناقض أصلك؛ فإنّ الأصل الذي رَبطت عليه أمرَك ألّا تريد إلّا ما أراده شيخك. فإذا خطر لك شيء فاتركه عن نفسك، والتَفِتْ لما يرسُمُهُ لك، وعليه اعتَمِدْ[3]، فإنّ من الشيوخ من إذا شاورته في أمر قال لك: افعَلْهُ، وإن كان لا يريد ذلك؛ فإنّ الحال يُعطيهم ذلك، وهو يُضِرُّ بك. وإن قال لك[4]: لا تفعله، نفعك وأضرّ نفسه، وصلاح نفسه عنده أَوْلى. فما تسلم من هذا الضَّرر إلّا[5] بأن لا تشاوره في أمرٍ خطر لك أن تفعله، ولكن اترك ذلك الخاطر ولا تفعله، فإنّ[6] وقتك قد عمّره ما كلّفك به شيخك، وإنّما تقع الخواطرُ للمريد السوءِ البطّال الفارغ ظاهرًا وباطنًا.

ولا تعترض عليه في فعل من أفعاله، ولا تسأله: لِمَ فعلتَ ذلك؟ وتلمَذ واخدُم كلّ من قَدَّمه عليك شيخك، ولا تقعد مقعدًا حيثُ كنتَ إلّا وتتيقّن أنّ الشيخ يراك، فالزم الأدب. ولا تمش أمامه في طريق إلّا بليل، ولا تديم النظر إليه؛ فإنّ ذلك يورث قِلّة الحياء، ويخرج الاحترام من القلب.

ولا تكثر مجالسته، وليكن جلوسك في بيت خلوتك أو خلف باب بيت الشيخ

---

[1] ك: فأحبه.

[2] ي، ك: تبت.

[3] ف: فاعتمد.

[4] ش: – لك.

[5] ش: – إلّا.

[6] ص

اور اس کی حاجات کو پورا کر۔ اگر تیرا مرشد کسی عورت کو طلاق دے تو ہر گز اُس سے شادی نہ کر۔ اور کبھی مرشد کی خلوت کی جگہ پر مت جا، کبھی اُس کے گھر پر یا وہاں رات مت گزار جہاں وہ سوتا ہے، اُس کے اتنے قریب سو کہ تو اُسے نہ دیکھ پائے لیکن جب وہ تجھے پکارے تو تو اس کی آواز سن سکے۔

کسی ایسے معاملے میں اُس سے مشورہ مت کر جو تو نے لازما کرنا ہے، کیونکہ تو اپنی اصل کے الٹ کرے گا؛ بیشک وہ اصل کہ جس سے تیرا معاملہ بندھا ہوا ہے وہ یہی ہے کہ تیرا کوئی ارادہ سوائے تیرے مرشد کے ارادے کے نہیں۔ اگر تیرے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال آئے تو اُسے نکال باہر پھینک، اور اُس پر توجہ دے جو اس نے کہا اور اُسی پر اعتماد کر، کیونکہ بعض شیوخ ایسے ہوتے ہیں کہ جب تو کسی معاملے میں ان سے مشورہ کرتا ہے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے کا کہہ دیتے ہیں؛ یہ اُن کے حال کی عطا ہوتی ہے، جو تیرے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر وہ تجھے کہے: یہ مت کر، تو شیخ نے تجھے فائدہ دیا مگر خود نقصان اٹھایا، جبکہ شیخ کے نزدیک اپنی بھلائی پہلے ہے۔ لہذا تو اِس نقصان سے صرف اِسی صورت بچ سکتا ہے جب تو کسی ایسے معاملے میں اُس سے مشورہ نہ کرے جو تجھے کرنے کا خیال گزرے، لیکن اِس خیال کو بھی چھوڑ دے اور ایسا کچھ نہ کر؛ کیونکہ تیرا سارا وقت تو انہی کاموں میں صرف ہو جاتا ہے جو شیخ نے تجھے کرنے کو کہا، اِس طرح کے خیالات تو ظاہری اور باطنی نکمے اور فارغ مرید کو ہی آتے ہیں۔

شیخ کے افعال میں سے کسی فعل پر اعتراض مت کر، اور اُس سے کبھی یہ مت پوچھ: کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ہر اُس شخص کی خدمت اور شاگردی کر جس کو شیخ تیری طرف بھیجے۔ تو جہاں کہیں بھی بیٹھا ہو اِس بات کا یقین رکھ کہ تیرا شیخ تجھے دیکھ رہا ہے، لہذا باادب ہو۔ راستے میں کبھی مرشد سے آگے مت چل ہاں اگر رات ہو، اور کبھی اپنی نظریں اُس پر مت جما؛ کیونکہ اِس سے حیا میں کمی واقع ہوتی ہے اور دل سے احترام جاتا رہتا ہے۔

ہر وقت اُس کے پاس مت بیٹھا رہ، تجھے زیادہ وقت اپنے خلوت خانے یا شیخ کی سکونت گاہ سے باہر ہونا چاہیے کہ اگر وہ تجھے بلائے تو حاضر پائے۔ کبھی کسی کی حاجت اُس وقت تک پوری نہ کر - چاہے وہ تیرا باپ ہی کیوں نہ ہو - جب تک کہ شیخ سے مشورہ نہ کر لے۔ اور جب بھی اُس کے

حتّى إذا أرادك وجدك، ولا تَقضِ لأحدٍ حاجةً ولو كان أباك حتّى تشاور شيخك، ولا تدخل عليه متى ما دخلت عليه إلّا قبَّلتَ يده[1] وأطرَقتَ، وتحبَّبْ[2] إليه بامتثال أمره ونهيه لك، وكن حافظا شحيحا على عرضه.[3]

وإذا قدّمتَ له طعاما فألقِهِ أمامه بجميع ما يحتاج إليه، وقف خلف الباب، فإن دعاك أجبه[4] وإلّا فاتْرُكْهُ حتّى يَفرغ، وإذا فرغ أزِل المائدة أو السُّفرةَ إذا أمرك، فإن بقي من طعامه شيء وأمرك بالأكل فكله، ولا تؤثر بنصيبك[5] أحدًا. وإيَّاك أن تحدّث نفسك أنّ الشيخ يأكل وحده، فتستَعْظِم أكله وإن كان طعامًا كثيرًا فيفرغ، أو تقع فيه من أجل الخبر فيمن أكل وحده.

وأجهد أن لا يراك فيما لا يَسُرُّه منك ولا تتمَنَّ عليه، واحذر مكر الشيوخ فإنّهم يمكرون بالطالبِ في أوقاتٍ، فحافظ على أنفاسك في الحضور معهم، فإن وقعَتْ منك زلّة[6] في حقّ أدبٍ مع الشيخ وعرفت أنّه قد عرف بها وسامحك فيها ولم يعاقبك؛ فاعلم أنّه قد مكر بك، وقد علم أنّه لا يجيء منك شيءٌ ولهذا سكت عنك. وإذا عاقبك على الخَطرة واللحظة، وضايق عليك أنفاسك؛ فأبشر بالقبول والفتح والرضى. ولا يُدَلِّلْكَ عليه بسطه، بل كلّما انبسط فلتَزِدْ في قلبك المهابة والإجلال، ويَعظُمُ الاحترام والاحتشام.

كُلَّمَا ازْدَادَ بَسْطَةً وَخُضُوعًا   زِدْتُ فِيهِ مَهَابَةً وَجَلَالا

وإن سافر شيخك، وتركك في موضعك؛ فلازم الموضع الذي كان يقعد فيه،

---

[1] ل، م، ش: بيده.

[2] ف: تحببت.

[3] ش: غرضه.

[4] ش: فأجبه.

[5] ل، م، ف: بنصيبه.

[6] ش: زلّة منك.

پاس جا، اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دے، اپنا سر جھکا اور اِس کے امر و نہی کو مان کر اُس سے محبت کا اظہار کر، اُس کی حرمت کا محافظ اور رکھوالا بن۔

جب شیخ کو کھانا پیش کر تو اُس کے سامنے ہر وہ شے رکھ جو اُسے چاہیے، پھر دروازے کے پیچھے کھڑا ہو جا، اگر وہ تجھے بلائے تو لبیک کہہ، نہیں تو شیخ کی فراغت کا انتظار کر، جب وہ کھانا کھا لے اور تجھے حکم دے تو اُس وقت دستر خوان اٹھا، اگر شیخ کے کھانے سے کچھ بچ گیا ہو اور وہ تجھے یہ کھانے کا حکم دے تو اُسے کھالے، اور اپنا حصہ کسی اور کو مت دے۔ کبھی اپنے دل میں یہ خیال مت لا کہ شیخ اکیلا ہی کھاتا ہے، اور اس کے کھانے کو زیادہ مت سمجھ چاہے بہت سا کھانا ہو اور سارا ختم ہی کیوں نہ ہو گیا ہو، یا پھر اکیلے کھانے والی حدیث کے باعث اُس سے بدگمان ہو۔

کوشش کر کہ وہ تجھ میں ایسا کچھ نہ پائے جو اُسے نہ بھائے، اور نہ ہی اس سے امیدیں لگا، شیوخ کے مکر سے بھی ہوشیار رہ کیونکہ وہ بعض اوقات مرید سے مکر کرتے ہیں، لہذا اُن کے سامنے اپنی سانسوں تک کی حفاظت کر، اگر تجھ سے شیخ کے حق میں کوئی بے ادبی سرزد ہو گئی ہو اور تو جان جائے کہ مرشد کو اِس کا پتا چل گیا، اور اُس نے تجھے کوئی سزا نہ دی بلکہ معاف کر دیا؛ تو جان لے کہ اُس نے تیرے ساتھ مکر کیا ہے، اُسے معلوم ہو گیا کہ تجھ سے کوئی امید نہیں اسی لیے وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن اگر اُس نے تجھے دل میں گزرنے والے خیالات تک پر بھی سزا دی اور تجھ پر سختی کی؛ تو اُس کی قبولیت، معاملہ کشائی اور رضامندی سے خوش ہو جا۔ اُس کی بے تکلفی تجھے بے ادب نہ کرے، بلکہ جتنا وہ بے تکلف ہو، تیرے دل میں اس کی ہیبت، اجلال، تعظیم، احترام اور شرم اتنی ہی بڑھنی چاہیے۔

وہ جس قدر بے تکلفی اور عاجزی دکھاتا ہے، مجھ پر اس کی ہیبت اور اجلال اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔

اگر تیرا مرشد کہیں سفر پر جائے، اور تجھے اپنی جگہ چھوڑ جائے؛ تو اُس جگہ جایا کر جہاں وہ بیٹھا کرتا تھا، ہر روز یا جس وقت بھی تو اس سے ملنے آتا تھا ویسے ہی سلام کو حاضر ہو جیسے وہ کہیں گیا ہی نہیں،[۱۰۹] اُس کی عدم موجودگی میں بھی اُس کی عزت کا ویسے ہی خیال رکھ جیسا تو اس کی موجودگی میں رکھتا ہے۔ جب تُو اسے کہیں جاتا دیکھ تو یہ مت پوچھ: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اُس

بالسلام عليه في كلّ يومٍ في الأوقات الّتي كنتَ تأتي إليه فيه، كأنّه ما غاب، وارع من حرمته في غيبته رعايتك في حضوره. وإذا رأيته يريد الخروج إلى موضعٍ فلا تقل له في ذلك: إلى أين؟ ولا تُدْخِل عليه رأيا في أفعاله، وإن شاورك فردّ الأمر إليه؛ فإنّ مشورته إيّاك ليست من افتقاره إلى رأيك[1]، وإنّما شاورك تحبُّبًا لك وسياسة. وإذا رأيته يلازم موضعا فلا تقل له في ذلك، ولا تُحَدِّث نفسك أنّ تلك عادة منه، وإذا انتقل عن موضع كان يلزمُه، فلا تذكّره به.

ولا تتأوّل عليه كلامَه فيما يأمرك أو يُحدّثك به، وقف عند ظاهر ما تسمع وافعَلْه إذا أمرك، وإن تيقَّنتَ أنّه خطأ فامْضِ لما أمرك، ولا تُعرِّج على تأويل فيه. وإن تأوّلتَ أمرَهُ وأصبتَ فهو خطأ، كما أنّك إذا لم تتأوّل وفعلته كما أمرك، وكان ذلك الأمر خطأً فقد أصبت؛ فإنّ الهداية في الطريق عندنا[2] في حقِّ المريد مع الشيخ، والشيخ مع الله، ليس هي في إصابة التأويل في الأمر بوجه العلم الصحيح، وإنّما الهداية في امتثال الأمرِ من غير تأويلٍ البتَّة، وسِرُّهُ عندنا بيّن ظاهر في الحضرة الإلهيّة.

ومتى ما تأوّلت على الشيخ ما أمرك به، أو تقول له تخيّلتُ أنّك أردتَ كذا، فاعلم أنّك في إدبارٍ؛ فابكِ على نفسك، وما أتى على أكثر المريدين إلّا من التأويل، فإنّ التأويل حظّ النفس، والعقل ظاهريٌّ لا يقيس ولا يتأوّل[3] على أمره، بل الأمر كلّه على الوجوب فهو يبادر إليه إذا خُوطِب به.[4]

ولا تُصَلِّ في موضع تستدبر فيه شيخك إن كان حاضرًا، واجمع بين الأدبين[5]،

---

[1] ش: إليك.

[2] ش: عندنا في الطريق.

[3] ف: لا يتأول ولا يقيس.

[4] ك: – به.

[5] أدب الشيخ وأدب القبلة.

کے معاملات میں اپنی رائے سے دخل اندازی مت کر۔ اگر وہ تجھ سے مشورہ مانگے تو معاملہ اُسی کی طرف لوٹا دے؛ کیونکہ اُس کا تجھ سے مشورہ کرنا تیری رائے کا محتاج ہونے سے نہیں، بلکہ یہ تو تجھ سے محبت اور سیاست سے ہے۔ اگر تو اُسے اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کرتا دیکھ تو اِس بارے میں اُسے کچھ مت کہہ، اور نہ ہی اپنے دل میں یہ خیال کر کہ یہ شیخ کی عادت ہے،"[110] پھر اگر وہ اِس مخصوص جگہ سے ہٹ جائے تو اسے یاد مت دلا۔

وہ تجھے جو حکم دے یا جو کچھ بتائے تو اُس کی بات کی تاویل مت کر، بلکہ جو تو نے سنا اُس کے ظاہر پر ہی رہ اور جب وہ حکم کرے تو اس کی تعمیل کر، اگر تجھے یہ یقین بھی ہو جائے کہ یہ (حکم) غلط ہے تب بھی اس کا حکم پورا کر اور تاویل کی طرف مت جا۔ اگر تو نے اُس کے حکم کی تاویل کی اور اِس میں تو درست تھا تب بھی تو نے غلط کیا، جیسا کہ اگر تو نے اُس کی بات کی تاویل نہ کی اور حکم جوں کا توں مانا، چاہے یہ حکم غلط ہی تھا مگر تو نے درست کیا؛ کیونکہ ہمارے نزدیک مرید کے لیے طریقت میں ہدایت شیخ کے ساتھ ہونے میں ہے، اور شیخ اللہ کے ساتھ ہے، (ہدایت) صحیح علم کے ساتھ کسی معاملے میں درست تاویل کو حاصل کرنے میں نہیں، بلکہ ہدایت تو بغیر تاویل کے حکم ماننے میں ہے، اِس (بات) کا راز ہمارے نزدیک حاضرتِ الٰہیہ میں ظاہر اور واضح ہے۔

اور جب جب تو نے شیخ کے کسی حکم کی تاویل کی، یا اُس سے یہ کہا: میرا خیال ہے آپ یہ چاہتے ہیں، تو جان لے کہ تو الٹا چل رہا ہے؛ لہٰذا خود پر رو، تاویل ہی اکثر مریدین کی محرومی کا سبب بنتی ہے کیونکہ تاویل نفس کا حصہ ہے، جبکہ عقل ظاہری ہے جو نہ قیاس کرتی ہے اور نہ ہی حکم کی تاویل کرتی ہے، بلکہ حکم پورے کا پورا واجب ہے، چنانچہ جب عقل کو حکم دیا جائے تو وہ اس کی بجا آوری میں جلدی کرتی ہے۔

اگر تیرا شیخ حاضر ہو تو ایسی جگہ نماز نہ پڑھ جہاں تیری پیٹھ تیرے مرشد کی طرف ہو،[111] دونوں (یعنی شریعت اور طریقت کے) آداب کا خیال رکھ۔ اُس کی بات اُس کی اجازت کے بغیر مت پھیلا، اُس کے کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے روزمرہ کے کاموں میں اس کے سر پر مت کھڑا رہ؛ یہی تیرے لیے بہتر ہے، ہاں اگر وہ تجھے خود بلائے، اور اُس کا بلانا ایسے نہ ہو کہ تو اس

ولا تفش له حديثا إلّا بأمره، ولا تقف له على أكل ولا[1] نوم ولا حالة من أحوال العادة؛ فإنّه أنفع لك، إلّا إن دعاك إلى ذلك، وصورة دعائه لك[2] في ذلك ألا تتعرّض إليه بمشورةٍ، مثل أن تقول له: يا سيّدنا تأمرني أن آكلَ معك، أو تأمرني أن أنام معك في بيتٍ واحدٍ أو أنصرف. فإني أخاف أن يقولَ لك: افعل، كل معي، أو نم عندي، وهذا غاية الإبعاد عندنا؛ فإنّه داعيةٌ إلى الإدلال، وإسقاطِ الحرمة والهيبة، ومتى ما عُدِم هذا من المريد؛ فإنّه لا يُفلِح ولا بدّ[3] منه البتّة، ومن قال خلاف هذا فلا يعرف نفسه.

فهكذا أيّها المريد فلتكن حالتك مع الشيخ إذا وجدته، وأنا الآن أوصيك ما[4] تفعله في المدّة الّتي تطلب فيها الشيخ إن شاء الله.

فأوّل ذلك التوبة بإرضاء الخصوم، ورَدِّ المظالم الّتي تستطيع على[5] رَدِّها، والبكاء على ما فات من أوقاتك في المخالفات ومصاحبتك للعلم، بأنّك من ذنوبك على يقين، ومن قبول توبتك على خطرٍ. ولا تقعُد إلّا على طهارة كاملة، ومتى ما أحدثتَ توضّأتَ، ومتى ما توضّأتَ صلَّيتَ ركعتين، والمحافظةُ على الصلوات الخمس في الجماعات، والتنفّل في بيتك.

فصل الصلاة

وإذا توضّأتَ فَاسْعَ في الخروج من الخلاف، وتوضّأ أسْبغ وضوءٍ يتوضّؤه أحد للصلاة وأتمّه، وسَمِّ الله في بدءِ كلّ حركة من حركاتك، واغسل يديك بترك الدنيا

---

[1] ش: - لا.

[2] ك: إليه. ش: إليك.

[3] ش: فلابد.

[4] ش: بما.

[5] ك: - على..

سے کہے: سرکار! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ کھا سکتا ہوں، یا اگر آپ کا حکم ہو تو میں آپ کے ہاں سو سکتا ہوں یا میں جا سکتا ہوں؟ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ تجھے کہیں یہ نہ کہے: یہ کام کر، میرے ساتھ کھا، یا میرے ہاں ہی سو جا، ہمارے نزدیک یہ (شیخ اور مرید کے مابین) انتہا درجے کی دوری ہے؛ کیونکہ یہ بے تکلفی کو دعوت دیتی اور حرمت اور ہیبت کو ختم کرتی ہے،"[۱۱۲] اگر مرید میں یہ چیزیں نہ ہوں؛ تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، (کامیابی کے لیے) اِن کا ہونا ضروری ہے، جو کوئی اِس کے الٹ بات کہتا ہے تو وہ اپنے نفس سے واقف نہیں۔

اے مرید! شیخ کے ساتھ - اگر وہ تجھے مل جائے - تیرے معاملات ایسے ہونے چاہییں، اَب میں تیری توجہ اِن امور کی جانب مبذول کرواتا ہوں جو تو تلاشِ مرشد کے دوران کر، ان شا اللہ!

اس میں سب سے پہلے ایسی توبہ کر جس سے تو دشمنوں کو راضی کرے، اور ماضی میں اپنی جانب سے کیے گئے مظالم کی تلافی کی کوشش کر، تیرے جو اوقات (رب تعالیٰ) کی مخالفت میں گزرے یا جن میں تو علم حاصل نہ کر سکا اُن پر آہ و بکا کر، کیونکہ تجھے اپنے گناہوں کا تو یقین ہے لیکن توبہ کی قبولیت کا یقین نہیں۔ ہمیشہ پاکیزگی کی حالت میں رہ، جب وضو ٹوٹے تو وضو کر لے، اور جب وضو کر تو دو رکعت نفل پڑھ لے، پانچ وقت کی نمازیں باجماعت پڑھ اور نفل اپنے گھر میں ادا کر۔

نماز:

جب وضو کر تو حتی الامکان اختلاف سے بچ، مکمل وضو کر جیسے کوئی نماز کے لیے وضو کرتا ہے، اور اسے پورا کر، وضو کرتے وقت ہر حرکت سے پہلے اللہ کا نام لے، اپنے ہاتھوں کو اس طرح دھو کہ دنیا سے نجات حاصل ہو، ذکر اور تلاوت کی کلی کر، ناک میں پانی ڈالتے وقت عطریاتِ الٰہی کو سونگھ، اور ناک اس طرح صاف کر جیسے تو نے تکبر ترک کیا اور فرمانبرداری کو اپنا لیا، اپنے چہرے کو ایسے دھو کہ اس پر شرم و حیا ہو، اور بازوؤں کو کہنیوں تک ایسے دھو کہ توکل نصیب ہو، عاجزی، محتاجی اور اعترافِ ندامت سے اپنے سر کا مسح کر، اپنے کانوں کا مسح کر

منها، ومَضمِض بالذكر والتلاوة، واستنشِقْ بشَمِّ الروائح الإلهيّة، واستنثر بالخضوع وطَرْح[1] الكِبر، واغسل وجهك بالحياء، وذراعيك إلى مرفقيك بالتوكّل، وامْسح رأسك بالذِلَّة والافتقار والاعتراف، وامسح أذنيك باستماع القول واتّباع أحسنه، واغسل قدميك لإيطاء كثيبِ المشاهدة.

ثمّ أثن على الله بما هو أهله، وصَلِّ على رسوله الذي أوضح لك سنن الهدى – صلّى الله عليه وسلّم – وقِفْ في مصلّاك بين يدي ربّك من غير تحديدٍ ولا تشبيهٍ، وواجِهْه بقلبك كما تواجه الكعبة بوجهك، وتحقّق أنّ ما في الوجود أحدٌ إلّا هو وأنت فتخلص ضرورة، وكبّره بالتعظيم ومشاهدة عبوديّتك. وإذا تلوتَ فكن على حسب الآية المتلوّة، فإن كانت ثناءً على الله فكن أنت المُحدَّث وهو الذي يتلو[2] كتابه عليك، فيعلّمك الثناء عليه فيما يُثني به على نفسه، وكذلك في آية الأمر والنهي وغير ذلك لتقف عند حدوده، وتعرف ما وجَّهَ عليك سيِّدُك من الحقوق فتُحْضِرها في قلبك لأدائها والمحافظة[3]، والحظ ناصيتك بيده في ركوعك، ورفعك وسجودك، وجميع حركاتك، فتسقط لك الدعوى في هذه الملاحظة حتّى تُسلِّم، فإذا سلَّمتَ فابقِ على عَقدِك أنّه ما ثمّ أحد غيرك وربّك – سبحانه –. وسلّم باللفظ على مَن أمرك؛ فإنّ سلامك على نفسك ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾[4] ومتى دخلت بيتك فحيّه بركعتين، وكذلك كلّ موضع تدخله.

فصل الأكل والشرب

ولا تأكل إلّا عن فاقةٍ، ولا تَشْبَع، ولا تُكْثِر شرب الماء، ولا تأكل تصنُّعًا ولا

---

[1] ش: وترك.

[2] م: يتلوه.

[3] ك: + عليها.

[4] [النور: ٦١]

کہ بات سن تو اِس کے اچھے حصے پر عمل کر، اور اپنے پاؤں کو ایسے دھو کہ وہ مشاہدہ کثیب کے لیے روانہ ہوں۔

پھر اللہ کی ویسے تعریف کر جیسے اُس کا حق ہے، اور اُس کے رسول ﷺ پر دُرود بھیج جنہوں نے تجھے ہدایت کی سنتیں بتائیں۔ پھر اپنے رب کے سامنے مصلے پر بغیر تحدید اور تشبیہ کے کھڑا ہو، اپنا دل اُس کی طرف ایسے موڑ جیسے تو اپنا چہرہ کعبہ کی طرف موڑتا ہے۔ اِس بات کا یقین کر کہ وجود میں اُس کے اور تیرے سوا کوئی نہیں، یوں تو لازماً (مشاہدۂ غیر سے) پاک ہو گا، تعظیم اور مشاہدۂ عبودیت سے اُس کی تکبیر پڑھ۔ جب کسی آیت کی تلاوت کر تو اِس آیت کے حساب سے عمل کر، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں ہے تو خود کو مخاطب سمجھ کہ وہ خود تجھے اپنی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے، اور تجھے اپنی تعریف کا درست طریقہ سکھا رہا ہے، جیسے وہ خود اپنی تعریف کرتا ہے۔ اِسی طرح اَمر و نہی اور دوسری آیات میں اُس کی حدود کا خیال رکھ، اور ان فرائض کو جان جو تیرے آقا نے تیرے ذمے لگائے، ان کی حفاظت کر اور ادائیگی کے لیے اپنے دل میں انہیں حاضر رکھ۔ یہ جان کہ رکوع کرنے، رکوع سے اٹھنے، سجدہ کرنے اور دیگر تمام حرکات میں تیری پیشانی اسی کے ہاتھ ہے، یوں اس ملاحظے میں تیرا دعوی ختم ہو جائے گا جب تک کہ تو سلام نہ پھیر لے، جب تُو سلام پھیر لے تو اپنے اِس میثاق اور عہد پر قائم رہ کہ یہاں تیرے اور تیرے رب سبحانہ کے سوا کوئی نہیں۔ اور ان ہستیوں پر ان الفاظ سے سلام بھیج جیسا تجھے حکم ہے؛ کیونکہ تیرا سلام تیرے اپنے نفس پر ہے ﴿جب تم گھروں میں داخل ہو تو خود کو سلام کرو﴾ جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر اِسے سلام کر، اِسی طرح ہر وہ جگہ جہاں تو جائے۔

کھانا پینا:

ہمیشہ بھوک لگنے پر کھا، پیٹ نہ بھر اور نہ ہی بہت زیادہ پانی پی، کبھی بناوٹی اور متکبّرانہ انداز میں کھانا مت کھا، بلکہ جس قدر ضرورت ہو اتنا ہی کھا، اور بھوک کے باعث کھانے کی حد سے زیادہ رغبت نہ دکھا، بلکہ درمیانہ نوالہ اٹھا، جب اِسے منہ میں ڈال تو اللہ کا نام لے اور اِسے خوب چبا، جب تو نے اسے چبایا اور نگل لیا تو اللہ کا شکر ادا کر کہ اُس نے یہ لقمہ تیرا نصیب کیا، پھر

تعزُّزًا، ولكن كل علىٰ قدر حاجتك إلىٰ الطعام ولا تَشْرَه إليه لجوعك، بل خذ اللّقمة متوسّطةً فإذا جعلتها في فيك فاشدد مضغها وسمِّ الله عليها، فإذا مضَغْتَها فابتلعها، ثمّ احمد الله الذي سوَّغَكَها، وحينئذ تمدّ يدك إلىٰ لقمة أخرىٰ فتسمّ[1] الله أيضا مثل الأولىٰ حتّىٰ تبتلعها، ثمّ تحمد الله، وحينئذ تمدّ يدك إلىٰ غيرها حتّىٰ تأخذ حاجتك.

وكل ممّا يليك ولو كنت وحدك لئلا تَعتَاد سوء الأدب، واحذَر الشهوة، ولا تنظر إلىٰ وجه أكيلك ولا إلىٰ يده، ولتنظر بقلبك في ذلك إلىٰ تنزيه مَن ﴿يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾[2] فيتبيّن لك نقصك وعجزك، فتكون في عبادةٍ في أكلك، ولا تلتفت ولا تصغ لمن يقول لك أنّك تأكل قليلا فيؤدّيك ذلك إلىٰ أن تتركه رياء[3] حتّىٰ يقال أنّك تأكل قليلا.

وإذا حضرتَ علىٰ مائدة طعامٍ فكن آخر من يرفع يده، ولا تقم حتّىٰ تُرفَع المائدة، ولا تأكل في بيتك ثمّ تأتي إلىٰ الجماعة فتأكل معها بالتعزُّزِ كأنّك قليل الأكل فإنّ ذلك من شيم المنافقين، وليكن أكلك من وقتٍ إلىٰ وقتٍ.

فصل الكسب والتوكّل

ولتحترِفْ إن عدمتَ اليقين؛ ولا تُظْهِر التوكّل، وليس عندك منه شيء، وتتخيّل أنّ عجزك من قوّة يقينك وحسن توكّلك، وإنّما هو من نقص[4] همّتك ودناءةِ أصلك، وقِلّة معرفتك، فاحترف علىٰ حدِّ الورع، واجهَد في ذلك جُهدك؛ فإن طالبَتْكَ نفسك بالقعود والتوكّل، فلا تُجاهدها في ذلك واسمَحْ لها في[5] دعواها، وارْحَل بها

---

[1] ي، ك، ش: فتسمي.

[2] [الأنعام: ١٤]

[3] ي، ك: – رياء.

[4] ك: نقس. (كتب هكذا)

[5] ف: – في.

اِس کے بعد دوسرے نوالے کی طرف ہاتھ بڑھا، اس پر بھی اللہ کا نام لے اور اسے بھی پہلے کی طرح کھا، پھر اللہ کا شکر ادا کر اور تیسرے نوالے کی طرف ہاتھ بڑھا، یہاں تک کہ تیری بھوک مٹ جائے۔

اپنے سامنے سے کھا چاہے اکیلا ہی کیوں نہ ہو، کہیں تجھے بُری عادت نہ پڑ جائے۔ شہوت سے چو کنارہ، اور اپنے ساتھ کھانے والے کے چہرے اور ہاتھ کی طرف مت دیکھ (کہ وہ کتنا کھا رہا ہے) بلکہ اپنے دل میں اُس کی تنزیہ کے بارے میں سوچ ﴿جو کھلاتا ہے اور اُسے نہیں کھلایا جاتا﴾ یوں تجھ پر تیری بے بسی اور خامی واضح ہو گی اور تیرا کھانا بھی عبادت ہو گا، کبھی اس شخص کی بات پر دھیان مت دے جو یہ کہتا ہے کہ تو بہت کم کھاتا ہے، اور تو ریاکاری کی خاطر یہ بھی چھوڑ دے، تاکہ کہا جائے کہ تو بہت کم خوراک ہے۔[۱۱۳]

جب دستر خوان پر بیٹھ تو تجھے سب سے آخر میں کھانے سے ہاتھ اٹھانا چاہیے، اور اُس وقت تک نہ اٹھ جب تک کہ دستر خوان نہ اٹھالیا جائے، اور ایسا مت کر کہ پہلے اپنے گھر سے کھا کر جا اور پھر باہر دوسروں کے ساتھ بھی کھا اور یہ ظاہر کر کہ تُو بہت کم کھاتا ہے کیونکہ یہ منافقین کی عادت ہے، اور تیرا کھانا مناسب وقت پر ہونا چاہیے۔

کسب اور توکل:

اگر تجھ میں یقین کی کمی ہے تو کوئی پیشہ اختیار کر اور (غیر یقینی والا) توکل مت ظاہر کر؛ کیونکہ یہ تیرے پاس نہیں، تو یہ گمان کرتا ہے کہ تیرا عجز تیرے یقین کی قوت اور تیرے حُسنِ توکل سے ہے، جبکہ یہ تیری کم ہمتی اور تیرے نفس کی اصلیت، اِس کے گھٹیا پن اور معرفت کی کمی سے ہے، لہذا پرہیز گاری کے مطابق پیشہ اختیار کر اور پوری محنت سے روزی کما؛ اگر تیرا نفس تجھے بیٹھ جانے اور توکل کا مطالبہ کرے، تو اِس بارے میں اُس کی مخالفت نہ کر بلکہ اُسے یہ کرنے دے،[۱۱۴] اُس جگہ سے کوچ کر جہاں لوگ تجھے جانتے ہیں اور ان بڑے شہروں کی طرف چل پڑ جہاں کوئی مسافر پہچانا نہیں جاتا، اِس شہر کے کسی ایک حصے میں مستقل قیام نہ کر بلکہ جگہیں بدلتا رہ، اور کسی سے زیادہ میل جول اور سلام دعا نہ رکھ۔[۱۱۵]

عن الموطن الذي تُعْرَف فيه إلىٰ الأمصار الكبار الّتي[١] لا يعرف فيه الغريب من البلدِي، ولا تقعدها في موضعٍ واحدٍ من ذلك البلد، بل خالف بها المواضع، ولا تعاشر أحدًا، ولا تتعرّف إليه.

فإذا رأيت إنسانا وتوسّمتَ فيه أنّه قد جاءك بشيءٍ أو سمعت حركته ولم تره، وقالت لك النفس: هذا فتح من الله، فدَخَل عليك ذلك بذلك الفتح، فلا تقبله وردّه عليه؛ فإنّه أتاك باستشراف ولتعلّقِها بالرزق حتّىٰ كوشفت عليه، فأين الله منها في ذلك الوقت، فلا تقبله ولو كنت علىٰ الهلاك.

فإذا أتاك الشيء من غير استشرافٍ، وحَصَلَ بين يديك، فانظر علىٰ الفور ما تجد في نفسك في أوّل خاطرٍ عند رؤية ذلك الفتوح، فإن وجدت في نفسك انقباضًا منه فرُدَّه عليه، و«دَعْ ما يريبك إلىٰ ما لا يريبك»، وإن لم تجد انقباضًا ووجدت شرهًا فإنّ صاحبه[٢] شرِهٌ فردّه ولا تقبله، وإن لم يصحبه شره فحينئذ خذ منه قدرَ ما تحتاج إليه في ذلك الوقت، وردّ عليه ما بقي، ولا تقعد في ذلك الموضع، وارحل عنه إن كان المصر كبيرا[٣] إلىٰ موضع آخر،[٤] ولا تَرِد المواضع التي[٥] جرت العادة بإتيان الفتوح إليها؛ كالرّوابط والمساجد وما أشبه ذلك.

وهذا كلّه حتّىٰ يتقَوّىٰ يقينك، وإن لم تفعل هذا، وإلّا فقد خُنْتَ نفسك، ولا تسمع من صُوفي نطق من مقامه فقال: لا أرىٰ غير ربّي، ما قالها حتّىٰ قاسَىٰ ما ذكرته لك وحينئذٍ، وأمّا أن تفعل ذلك ابتداء فشغل البطّالين.

---

[١] ي، ك، ف: الذي.

[٢] ك: صاحبها.

[٣] ل، م، ف: + جدا.

[٤] ل: - إلىٰ موضع آخر.

[٥] ف: الذي.

اگر تو کسی شخص کو آتا دیکھ اور تجھے فراست سے یہ پتا چل جائے کہ یہ کوئی چیز لے کر آرہا ہے یا تو اِس کی آہٹ سنے اور وہ تجھے نہ دیکھے، تیرا نفس تجھے کہے: یہ اللہ کی طرف سے آیا رزق ہے، اگر وہ یہ رزق لے کر تیرے پاس آئے، تو قبول مت کر اور اُسے واپس لوٹا دے؛ کیونکہ وہ تیرے پاس تیرے نفس کی طلب پر آیا کہ اس نفس نے رزق سے دل لگایا تاکہ اس کی بھوک مٹے، اِس عمل میں اللہ کہاں ہے؟ یہ کھانا کبھی مت لے چاہے تو مر ہی کیوں نہ رہا ہو۔

ہاں اگر وہ کوئی شے بغیر طلب کے لائے اور تجھے پیش کرے، تو غور کر کہ اِس رزق کو دیکھنے کے بعد تیرے دل میں پہلا خیال کیا آیا؛ اگر تجھے دل میں اِس (کھانے) سے تنگی محسوس ہوئی تو یہ اُسے لوٹا دے، اور "جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اُس چیز کے لیے جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔" ہاں اگر تنگی محسوس نہ ہوئی البتہ کھانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی تو جان لے کہ یہ شخص لالچی ہے، لہٰذا اِس کو بھی لوٹا دے اور کچھ قبول مت کر، اگر کھانے کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی تو وقت کی ضرورت کے مطابق تھوڑا سا لے لے اور باقی واپس کر دے۔ اَب اس جگہ مزید نہ بیٹھ، بلکہ اگر بڑا شہر ہے تو کسی اور جگہ پر چلا جا، اور ان مقامات - مثلاً مساجد، مزارات، یا خانقاہوں- کا رخ مت کر جہاں زیادہ تر لوگ نذر و نیاز وغیرہ بانٹتے ہیں۔

یہ سب اُس وقت تک کر جب تک کہ تیرا یقین کامل نہ ہو جائے، اگر تو نے یہ سب نہ کیا تو اپنے نفس سے خیانت کی۔ اور اُس صوفی کی بات پر کان مت دھر جو اپنے مقام سے یہ کہتا ہے: "میں اپنے رب کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا" اُس نے یہ قول ان ساری تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد ہی کہا ہے، تب تو بھی ایسا کہہ سکتا ہے، لیکن اگر ابتدا میں ہی تو ایسا کہنا شروع کر دے گا تو یہ نکموں کے کام ہیں۔

فصل الصحبة

والصحبة أشرُّ شيء على المريد؛ فإنّ الطريق مبنيٌّ على قطع المألوفات وترك المستحسَنات. ولما كانت الصحبة تؤدّي إلى الألفة والأنس، وتغيير المحلّ بوجودِ الألم عند وقوع المفارقة، لهذا[١] كرهناها. ولهذا تقول المشيخة: مَن وجد الأنس في الخلوة والوحشة في الملإ؛ فأنسه بالخلوة لا بالله، وإنّما التبس عليه. فالأَوْلى بالمريد الاعتزال عن الصحبة جملةً، ولتكن همّته في طلب الشيخ، فإن وجد الشيخ فلا يلحَظْ غيره، ولا يصاحب إخوته من تلامذة الشيخ، ولا يجالسهم إلّا إن أمرَهُ الشيخ بذلك. فينبغي للمريد أن يكون مع الخلق - مع جنسه وغيره - كالوحش يَفِرُّ يطلب بذلك الأنس بالله، ويُكثِرُ الذكر ويَسْتَهْتِر فيه. ولا يبايت أحدًا ولا يجالسُه، فإن اضطُرَّ إلى الصحبة فليرقُبْ نفسه مع صاحبه، فإن وَجَد عند مغيبه وحشةً إليه فليتخَلَّ عن صحبته، فإن تبعه ذلك وطالبه فليفرَّ من البلد.

وكذلك في ثوبه ومَسْكَنِه، حتى[٢] إذا أحسَّ من نفسه أنّه أحبَّ ثوبَه باعه واشترى غيره، وإن استغنى عنه أعطاه. وإن أحبَّ مكانه تحوَّل منه، ولا يبقى مع شيء يأخذ من قلبه نصيبًا حتّى يكونَ فردانيًا في الوجودِ، فإنّ الحقّ - سبحانه - لا يتجلّى لقلبٍ له أنس بغيره، لا من الطّائعين ولا من غيرهم.

ولولا أنّ الشيخ له طبيبٌ، ووجود العلّة الّتي فيها هلاك المريد عنده، لم يجز له أن يجلس معه[٣]، ولكن يجلس معه[٤] لا على وجه الأنس به ولكن على وجه تعليم الأدب؛ فإنّ الطالب إذا تعلّق أنسه بالشيخ طال عليه الطريق وصَعُب على الشيخ طبّه وتعذّر عليه، واستبطأ البُرء من علّته وذلك لأنسه به.

---

[١] م: بهذا.

[٢] سائر النسخ ما عدا م: - حتى.

[٣] ي، ل، ف: - معه. ش: إليه.

[٤] ك: - معه.

صحبت یا دوستی:

دوستی مرید کے لیے سب سے بڑھ کر نقصان دہ ہے؛ کیونکہ طریقت کی بنیاد مانوس اور پسندیدہ چیزوں کا ترک کرنا ہے۔ چونکہ دوستی، محبت اور اُنس پیدا کرتی، اور جدائی کے وقت دردِ جدائی دیتی ہے، اسی لیے ہمیں یہ پسند نہیں۔ بعض مشائخ کا قول ہے: جو خلوت میں اُنس اور محفل میں وحشت محسوس کرے؛ تو اُس کا انس خلوت سے ہے نہ کہ اللہ سے، اور اُس پر معاملہ واضح نہیں۔ لہذا مرید کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ دوستی سے دور رہے، اُس کا واحد مقصد مرشد کی تلاش ہو، اور اگر مُرشد مل جائے تو اُس کے سوا کسی کی طرف نظر نہ کرے، اپنے پیر بھائیوں سے میل جول نہ رکھے، اور ان کی مجلس میں شیخ کے حکم پر ہی جائے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے ہم جنسوں اور غیر جنسوں سے یوں بھاگے جیسے جانور (شکاری کو دیکھ کر) بھاگتے ہیں اور اللہ کا انس تلاش کرے، کثرت سے ذکر کرے اور اسی میں مگن رہے، نہ کسی کے ہاں رات گزارے اور نہ ہی اس کی مجلس میں جائے، اگر مجبوراً دوستی کرنی پڑ جائے تو اپنے دوست کے ساتھ اپنے نفس کی حالت پر غور کرے، اگر اُس کی عدم موجودگی میں اُس کی یاد ستائے تو اُس کی دوستی سے جان چھڑائے، اگر وہ دوست اُسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پیچھے آئے تو مرید کو چاہیے کہ وہ شہر ہی چھوڑ جائے۔

اِسی طرح اپنے لباس اور گھر میں بھی احتیاط کرے، اگر دیکھے کہ کوئی لباس نفس کو پسند ہے تو اُسے بیچ کر دوسرا خرید لے، اگر صاحبِ استطاعت ہو تو صدقہ کر دے۔ اگر کوئی جگہ پسند آئے تو وہ چھوڑ دے، اُس کے دل میں کسی بھی چیز کی وقعت نہیں ہونی چاہیے یہاں تک وہ وجود میں فرد رہ جائے، کیونکہ حق سبحانہ اُس دل پر تجلی نہیں کرتا جو کسی غیر سے مانوس ہو، چاہے فرمانبرداروں میں سے ہو یا نافرمانوں میں سے۔

اگر شیخ اُس کا طبیب نہ ہوتا اور اُس کے پاس اس مرض کا علاج نہ ہوتا جس میں مرید مبتلا ہے تو اُس کا شیخ کے پاس بیٹھنا بھی جائز نہ ہوتا، (مرید کو چاہیے کہ) شیخ کے پاس جائے لیکن اُس سے مانوس نہ ہو بلکہ اُس سے ادب سیکھے؛ کیونکہ جب مرید اپنے شیخ سے مانوس ہو جاتا ہے تو اُس پر

وغرضُ الشيخ من التلميذ أن يجده في كلّ وقتٍ معمورَ القلب بالذكر حتّىٰ إذا ألقىٰ عليه[1] ما يؤدّيه إلىٰ مجالسة أحد في فعله زمانًا واحدًا يراه يتألّم، فيعرف الشيخ أنّ المريد قد فُتِح عليه واعتُنِيَ به، ولتكن معاشرته بالإيثار والفتوّة وسخاوة النفس، وترك طلب الحقوق منهم، ويرىٰ الفضل لهم، ولا يرىٰ لنفسه حقّا عندهم، فكيف فضلا عليهم.

ولهذه العلّة أمرْنا المريد بترك الصحبة؛ فإنّ للصحبة حقوقا يجب عليه أداؤها تَشْغَلُه عن أداء حقوق الله – تعالىٰ – في قلبه؛ وهو ضعيفٌ، فالعزلة به والفرار أَوْلىٰ. فإنّ الصحبة من شيم المتمكّنين الأكابر. وكن معهم علىٰ نفسك: إن ذمّوك فأنت للذمّ أهْل، وإن حمدوك فأوصافهم تكلّمت عنهم، وستر الله عليهم أمرَك، ولو كشفه لهم رأوْا عَوْرَةً، فلا تفرح بحمدهم وثنائهم عليك.

فصل السعي إلىٰ المساجد

وينبغي للمريد أن لا يُكثِر الحركة؛ فإنّها مفرِّقة؛ ولهذا منعناه من السفر – لتشوّش حاله – إلّا في طلب شيخ يُرشِده. فإذا خرج إلىٰ المساجدِ أو إلىٰ ضرورةٍ فلا يلتفِتْ يمينًا ولا شمالًا، وليَجْعَل بصره حيث يجعل قدميه مخافة النَظْرَةُ الأولىٰ، ويكون مشتغلًا بالذكر في مَشْيِه، وبرَدّ[2] السلام علىٰ من سلّم عليه، ولا يقف مع أحدٍ، ولا يقل[3] لأحدٍ: كيف حالك؟ وليحذَرْ[4] من هذا؛ فإنّه صعب عندنا.

ويزيل من طريقه كلَّ ما يجده من أذىٰ من حجرٍ، أو شوكٍ، أو عذرةٍ، ولا يجد رُقْعَةً في الأرض إلّا يرفعها في كوّة، ولا يتركها تدرس بالأرجُل، ويُرشِد الضالّ،

---

[1] ش: إليه.

[2] ك: يرد.

[3] ل: تقل.

[4] ل، م: ولتحذر.

راستہ طویل ہو جاتا ہے، شیخ پر اِس کا علاج دشوار اور اس کا رُو بہ صحت ہونا تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے؛ یہ سب اُس کے انس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شیخ کی مرید سے یہی غرض ہونی چاہیے کہ وہ ہر وقت اِس کے دل کو ذکر سے معمور پائے یہاں تک کہ اگر مرشد اِسے کوئی ایسا کام کرنے کا کہے جس میں مرید کا کسی دوسرے سے ملنا ہو- چاہے ایک لمحے کے لیے ہی سہی- تو وہ مرید کو درد محسوس کرتا پائے، اُس وقت شیخ جان جاتا ہے کہ مرید کا معاملہ کھل چکا ہے اور یہ صاحب عنایت میں سے ہے۔ مرید کو چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ ایثار، سخاوتِ نفس اور کرم کا برتاؤ کرے، اُن سے اپنے حقوق کا تقاضا نہ کرے، انہیں ہی افضل سمجھے، اُن پر اپنا کوئی حق نہ جتلائے، ان سے افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔

اسی علت کے باعث ہم نے مرید کو دوستی نہ کرنے کا حکم دیا؛ کیونکہ دوستی کے کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی واجب ہے، یہ اُس کے دل کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے مصروف رکھیں گے؛ جبکہ وہ کمزور ہے، لہذا (دوستی سے) تنہائی اور فرار ہی بہتر ہے۔ بیشک دوستی اکابرین اور صاحبِ تمکین شیوخ کی صفات میں سے ہے۔ ان کے ساتھ ویسا ہو جیسا تو اپنے نفس کے ساتھ ہے: اگر وہ تیری برائی کریں تو تُو اس کا اہل ہے، اور اگر وہ تیری تعریف کریں تو ان کے اوصاف انہی کا تذکرہ کر رہے ہیں، اللہ نے ان سے تیرا معاملہ چھپا لیا، اگر (اللہ) ان پر یہ کھول دیتا تو وہ تیرا باطن جان جاتے، لہذا اِن کی تعریف سے خوش نہ ہو۔

مسجد کی طرف جانا:

مرید کو غیر ضروری حرکت سے گریز کرنا چاہیے؛ کیونکہ یہ دھیان بانٹتی ہے؛ اسی لیے ہم نے اِسے سفر سے منع کیا، کہیں اس کا حال نہ بگڑ جائے، سوائے تلاشِ مرشد میں جو اس کی رہنمائی کرے۔ جب وہ مساجد یا دیگر ضروریات کے تحت باہر جائے تو دائیں بائیں زیادہ نظر نہ دوڑائے، نظر بچاتے ہوئے چلے اپنی نظر قدموں پر ہی رکھے، چلتے ہوئے ذکر میں مصروف رہے، اگر کوئی سلام کرے تو اُسے جواب دے اور کسی کے پاس کھڑا نہ ہو جائے، کسی سے حال احوال نہ پوچھے، اِن امور سے بچے، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ مشکلات لاتے ہیں۔

ويُعِين الضعيف، ويحمل عن المثقل، هذا كلّه واجب عليه. وإذا سلّم فليُسَلِّم علىٰ كلّ عبدٍ صالحٍ لله في الأرضِ والسماءِ[١]، من ذلك المقام يُرَدُّ عليك. وإيّاك والسعي في مشيك، ولكن بالتأنّي من غير عجب؛ فإنّه أوفر لهمّك، وإذا كنت حامِلًا شيئا فأردتَ الراحة فتعدل[٢] عن طريق الناس ولا تُضَيِّق عليهم طرقهم.

وإيّاك وحضور مجالسِ السماع، فإن أشار عليك شيخك بحضورها فاحضر ولا تسمَعْ واشتغل بالذكر، فإنّ سماعك من ذكرك أَوْلىٰ من سماعك من الشعر ولا سيّما والقوّال قَلَّما يُنْشِد إلّا في باب المحبّة والشوق، والنفس تهتزّ عند ذلك وتُورِث الدعوىٰ عندك. فإن أنشد القَوَّال في الموت، وما يَرُدُّكَ إلىٰ الخوفِ، والقبض[٣]، والحزن، والبكاء في ذكر جهنّم، أو ذهاب العمر، أو الموتِ وكرباته، أو الحساب والقصاص، أو مواقف القيامة، فأصْغِ إليه، وفكِّر فيما جاء به، فإن غلبك حالٌ يفنيك[٤] عن إحساسك، وقمتَ؛ فليس قيامك لك، وإنّما أقامك واردُك.

فمتىٰ ما رجعتَ إلىٰ إحساسك فاقعد من حينك، وارجع إلىٰ هيئة اعتدالك، فإنّ الحركة في السماع انحراف عن مجرىٰ الاعتدال وتتنوّع بحسب القصدِ. فإن تحرّكتَ وأنت تُحِسّ بحركتك فحركتك إلىٰ أَسْفَل كمن ينزل من عُلوٍ إلىٰ سفلٍ حتّىٰ يستقِرَّ في سجّين، نسأل الله العافية. وإن تحرّكتَ وأنت فانٍ عن نفسك وإحساسك، فإن فنيت في الله – تعالىٰ – باستيلاء عظمتِه في قلبك أو في الجنان أو في النار فحركتك عُلويّة حتّىٰ تستقرّ في علّيّين. وإن فنيت في معشوقٍ لك من امرأةٍ أو حَدَثٍ فحركتك في جهنّم في سجّين[٥] مع كونك فانيا، وحالك حالٌ صحيحٌ ولكن في الفساد، ويتوهَّمُ

---

[١] ش: + فأنه.

[٢] ش: فاعدل.

[٣] ش: القبض، والخوف.

[٤] ش: يغيبك.

[٥] ش: + نسأل الله العافية.

راستے سے ہر تکلیف دہ چیز مثلاً پتھر، کانٹے اور گندگی وغیرہ ہٹائے، اگر زمین پر کوئی کاغذ کا ٹکڑا پائے تو اسے اوپر کسی دیوار پر رکھ دے، اسے پاؤں میں روندا جانے کے لیے نہ چھوڑے۔ بھٹکے ہوئے کو راہ دکھلائے، کمزور کی مدد کرے اور ناتواں کا بوجھ اٹھائے، یہ سب مرید پر واجب ہے۔ جب اُسے سلام کیا جائے تو اُسے چاہیے کہ زمین و آسمان میں موجود اللہ کے ہر صالح بندے کو سلام پہنچائے، اِسی مقام سے تجھے جواب دیا جاتا ہے۔ اپنی چال میں تیزی مت دکھا،[116] تیری چال میں خود پسندی کی بجائے وقار ہونا چاہیے؛ کیونکہ یہ توجہ قائم رکھے گی۔ اگر تو نے کوئی چیز اٹھا رکھی ہے اور تھک کر رکنا چاہے تو راستے سے ہٹ کر رُک اور لوگوں پر راستہ تنگ نہ کر۔

سماع کی محفلوں میں ہر گز مت جا، اگر تیرا مُرشد تجھے جانے کو کہے تو جا، لیکن سماع مت سُن بلکہ ذکر الٰہی میں مصروف رہ، کیونکہ تیرا ذکر سننا شعر سننے سے بہتر ہے، کیونکہ قوال زیادہ تر محبت اور شوق کے بند باندھتے ہیں جن سے نفس بد مست ہوتا اور باطل دعوے کی راہ ہموار کرتا ہے۔[117] اگر قوّال موت کا ذکر کرے، یا تجھے خوف، قبض، غم ناکی، ذکر جہنم میں اشک باری، زندگی کے خاتمے اور موت کی سختیاں، حساب و کتاب اور مقامِ حشر کی کیفیات بتائے تو کان لگا، سوچ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اگر اِس دوران تیرا حال تجھ پر ایسا غالب ہوا کہ تیرا احساس جاتا رہا، اور تو اٹھ کھڑا ہوا؛ تو تیرا یہ اٹھنا تیرے اپنے اختیار سے نہیں، بلکہ تجھے تیرے وارد نے اٹھایا ہے۔

لہٰذا جب بھی ہوش بحال ہوں فوراً بیٹھ جا، اور اپنی اعتدال والی حالت کی طرف لوٹ، کیونکہ سماع میں حرکت راہِ اعتدال سے انحراف اور نیت کے حساب سے متنوع ہوتی ہے۔ اگر تو نے حرکت کی اور تیرے حواس بجا تھے تو تیری حرکت نیچے کی طرف ہے، جیسے کوئی اوپر سے نیچے کی طرف آئے یہاں تک کہ سجین میں جا ٹھہرے، اس سے اللہ کی پناہ۔ لیکن اگر تُو نے حرکت کی اور تیرے حواس گم تھے، اب اگر تو اللہ میں فنا ہوا کہ اُس کی عظمت تیرے دل میں قائم ہوئی، یا پھر جنت اور دوزخ میں فنا ہوا تو تیری حرکت عُلوی ہے، یہاں تک کہ تو علیین میں جا ٹھہرے گا۔ لیکن اگر تو اپنی معشوقہ؛ کسی لڑکی یا محبوب شے میں فنا ہوا تو تیری حرکت جہنم میں سجین کی طرف ہے، حالانکہ تو حالت فنا میں ہے، تیرا حال تو صحیح ہے لیکن غلط عمل میں ہے۔ لوگوں کا خیال تو یہ تھا کہ تو حق تعالیٰ میں فنا ہے۔ لہٰذا مجالس سماع میں شرکت سے گریز کر۔

الناس أنّك في حقّ الله فنيت. فإيّاك وحضور مجالس السماع.

فإن اضطررتَ إلى الصحبة ولا بدّ فصاحب العُبَّاد، والمجتهدين من أهل المعاملة حتّى تجد الشيخ، فإن لم تجدهم في المدن فاطلبهم بالسواحل والمساجد الخربة؛ فإنّهم يطرقونها[1]، وقُنن الجبال،[2] وبطون الأودية. وإذا عزمتَ على أن تكون منهم فإيّاك أن يَدخُل عليك وقتُ الصلاة إلّا وأنت في المسجدِ، والمُفرِّط من المريدين مَن يَصل والصلاة تقام. فإن جئت المسجد والصلاة تُقام فقد فرَّطتَ غاية التفريط ولست منهم، وأمّا أن تفوتك تكبيرةُ الإحرام أو ركعةٌ مع الإمام، فلا يتكلّم على هذا؛ فإنّ هذا من حكم العامّة المطعون في إيمانهم، فتُبْ إلى الله واستأنف، وإيّاك وملازمة مسجدٍ واحدٍ ولا صفٍّ واحدٍ ولا موضع واحدٍ في المسجد.

فصل الخواطر

واعلم أنّك إن عاشرتَ الفقراءَ، وخدمتَهم فلا ترُدَّ خاطرًا يخطر لك في مصالحهم من خدمتهم؛ فإنّ خواطرهم رُسل إليك. فافعل كلّ ما يخطر لك من غسل ثيابٍ أو طبخ طعامٍ أو شيء من هذه المنافع. فإنّ الفقراء الصادقين تخطر لهم الخواطرُ، ومجاهدتُهم تمنعهم من التحدُّثِ بها حتّى لا يسعى لنفسه في شهوته، والله - سبحانه[3] - يريد أن يجمع بين الأمرين معا بصدقهم، فيلقي في نفسك فعل ما خطر لهم. فقُم عند ذلك وافعله، وأْتِ به إليهم، فيحصل لهم درجة المجاهدة ونيل المطلوب، وتتعلّم أنت تصديق الخواطر، سوى ما لك من الأجر في ذلك.

ولا تحتقر بشيء من الخير، فإنّ هذا الطريق طريق الأرباح، ولا يَهلِك على الله إلّا هالكٌ. وأربعة مَن أحكمها فقد فاز بجميع الخيرات كلّها: خدمة الفقراء، وسلامة

---

[1] ف: يطلبونها.

[2] ك: - والمساجد الخربة؛ فإنّهم يطرقونها، وقنن الجبال.

[3] ش: - سبحانه.

اگر تجھے لازماً کسی کی صحبت اختیار کرنی ہو تو عبادت گزاروں اور اہل معاملہ میں سے مجتہدین کی صحبت اختیار کر، یہاں تک کہ تجھے مُرشد مل جائے، اگر یہ لوگ تجھے شہروں میں نہ ملیں تو ساحلی علاقوں، پرانی مسجدوں، پہاڑوں کی غاروں اور وادیوں کے دامن میں تلاش کر، کیونکہ یہ انہی جگہوں پر ہوتے ہیں۔ اگر تو اِن جیسا بننا چاہتا ہے تو نماز کا کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں تو مسجد میں نہ ہو، وہ مریدین کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں جو اُس وقت نماز میں شامل ہوں جب نماز شروع ہو چکی ہو۔ اگر تو اُس وقت مسجد پہنچا جب نماز شروع ہو چکی تھی تو تُو نے کوتاہی کی انتہا کر دی، تو اِن لوگوں میں سے نہیں، اگر تیری تکبیر تحریمہ یا امام کے ساتھ ایک رکعت چھوٹ گئی تو ایسے شخص کی بات کرنا ہی فضول ہے؛ کیونکہ یہ تو عوام کا رویہ ہے جن کا ایمان بھی پوری طرح درست نہیں ہوتا، لہذا اللہ سے توبہ کر اور پھر سے شروع کر، ہر گز کسی ایک مسجد، ایک صف اور مسجد میں کسی ایک جگہ کو خود سے مخصوص نہ کر۔

خواطر:

جان لے اگر تجھے فقرا کا ساتھ اور اُن کی خدمت کرنا میسر آئے تو اپنے دل میں گزرے اِن کے فائدے اور خدمت کے کسی خیال کو رد نہ کر؛ کیونکہ ان کے خیالات ہی تیری طرف اِن کے پیامبر ہیں۔ لہذا تجھے جس قسم کے خیالات آئیں – مثلاً اِن کے کپڑے دھونا، ان کے لیے کھانا پکانا وغیرہ جس میں ان کا بھلا ہو –تو وہ کام کر۔ بیشک سچے فقیروں کو خیالات آتے ہیں، لیکن اِن کا مجاہدہ انہیں بیان سے روکتا ہے کہ کہیں وہ اپنی نفسانی شہوات کی تکمیل میں کوشاں نہ ہو جائیں، جبکہ اللہ تعالی اِن کے صدق کے سبب ان کے لیے دونوں معاملات کو جمع کرنا چاہتا ہے، لہذا وہ ان کے خیالات تیرے دل میں ڈالتا ہے۔ (ایسا خیال آتے ہی) فوراً اٹھ اور یہ کام کر کے ان کے پاس لے جا، یوں انہیں مجاہدے کا درجہ ملے گا، مقصد پورا ہو گا اور تو خیالات کی سچائی کو جانے گا، یہ اُس اجر کے علاوہ ہے جو تجھے اِن کی خدمت میں ملے گا۔

نیکی کے کسی عمل کو حقیر مت جان، کیونکہ یہ منفعت کی راہ ہے، اور یہاں صرف وہی برباد ہوتا ہے جو خود اپنی بربادی کا خواہاں ہو۔ جس کسی نے ان چار چیزوں کو لازم کر لیا اِسے تمام

الصدر، والدعاء للمسلمين بظَهْرِ الغيب، وأن تكون معهم على نفسك. وقلّما يسلم مريد في ابتداء حاله من الخواطر الرديئة في كلّ جانبٍ من جانب الحقّ ومن جانب الخلق. فآكد ما على المريد السعي في أن يَسْلَم الناس من سوء ظنّه بهم. وإن كنتَ صادقاً صحيحَ الخاطر[1] والكشف بالعادة والتجربة لذلك، فيخطر لك خاطر سوء في واحد وهو كما خطر لك؛ فاعلم أنّه من إلقاء[2] الشيطان، وتُبْ إلى الله - تعالى - منه، واستغفر الله، وسَلْه أن يعمّر باطنك لا بالاشتغال بخلقه، فكيف[3] وقد شغلك بمساوئهم، وإنما الشيطان يحبّ أن يستدرجك، ويصدّقك ليكذّبك، ويكرمك ليهينك؛ فتحفّظ. وإنّما ينقطع هذا بالذكر، وينقطع ما كان في جانب الحقّ عنك بالعلم.

تمّ الكتاب والحمد لله رب العالمين.[4]

---

[1] ي، ك، ش: الخواطر.

[2] م: - إلقاء.

[3] ل، م، ي: وكيف.

[4] م: وصلى الله على سيدنا محمد خاتم النبين وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم تسليما كثيرا كثرا ....
[تم قراءة] الكتاب الموسوم بالتدبيرات الإلهيه على مصنفه الشيخ الامام العالم الراسخ المحقق محيي الدين أبو عبد الله محمد بن علي بن محمد بن العربي الحاتمي الطائي رضي الله عنه وأرضاه. وكتب محمد بن الحسن ... المقدسي الأنصاري عفا الله عنه.

ل: وصلواته على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وأزواجه وذريته وسلم وكرم ونعم. بلغ سماعا على مؤلفه رضي الله عنه.

ي: وصلّى الله على سيّدنا محمد خاتم النبيّين، وعلى آله وصحبه أجمعين وسلّم تسليما كثيرا كثيرا كثيرا.

ك: وصلّى الله على سيّدنا محمد وآله أجمعين. تم الكتاب على يدي الفقير ابن المروري عفا الله عنه في شهر جمادى الأولى من سنة ثلاث وستين وستمائة وهو ابن خمسين سنة، غفر الله له بمدينة قونية.

بھلائیاں میسر آ گئیں: ۱- فقرا کی خدمت، ۲- سینے کو صاف رکھنا، ۳- پیٹھ پیچھے مسلمانوں کے لیے دعا کرنا، ۴- اور اُن کے ساتھ اپنے نفس کا سا معاملہ کرنا۔ ابتدائے حال میں مرید شاذونادر ہی ہر جانب -یعنی جانبِ حق اور جانبِ خلق- سے تعلق رکھنے والے بُرے خیالات سے بچ سکتا ہے۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے دل میں پیدا ہونے والی بدگمانیوں سے بچائے۔ چاہے تو ان خیالات میں تجربے اور عادت سے ٹھیک کشف والا ہی کیوں نہ ہو، کہ تجھے کسی کے بارے میں بُرا خیال آئے اور وہ ویسا ہی ہو، تو جان جا کہ یہ خیال شیطان کی طرف سے آیا ہے، اس پر اللہ سے توبہ و استغفار کر، اور اُس سے دعا کر کہ وہ تیرے باطن کو مخلوقات کے تعلق سے آزاد کر دے، یہاں پر تو تُو ان کی برائیوں کو دیکھ رہا ہے، شیطان تجھے دھوکا دینا چاہتا ہے، وہ تیری تصدیق کرتا ہے تاکہ تجھے جھٹلائے، وہ تیری تکریم کرتا ہے تاکہ تجھے رسوا کرے، لہٰذا اس سے بچ۔ (شیطان کا یہ وار) ذکر سے ختم ہو جاتا ہے، اور تیرے دل میں حق تعالیٰ کی جناب میں لاحق بدگمانیاں علم سے ختم ہوتی ہیں۔

کتاب مکمل ہوئی اور سب تعریف اللہ کے لیے جو عالمین کا رب ہے۔[۱۱۸]

اور دُرود ہوں ہمارے آقا و سردار محمد ﷺ خاتم النبیین پر، آپ کی آل اور تمام اصحاب پر اور بہت بہت سلامتی ہو۔[۱]

نمبر شمار	ترجمہ و پروف	نام	بوقت	بروز	بتاریخ
۱	پہلا ایڈیشن مکمل ہوا	ابرار احمد شاہی			۱۰ نومبر ۲۰۰۸ء
۲	دوسرا ایڈیشن مکمل ہوا	ابرار احمد شاہی	بوقت ظہر	پیر	۱۴ جنوری ۲۰۱۳ء
۳	پروف مکمل ہوا	ملک ہمیش گل		ہفتہ	۲ فروری ۲۰۱۳ء
۴	تصحیح ثانی مکمل ہوئی	ابرار احمد شاہی	بوقت ظہر	جمعرات	۲۱ فروری ۲۰۱۳ء
۵	آخری پروف مکمل ہوا	ملک ہمیش گل	بوقت عشا	اتوار	۱۴ اپریل ۲۰۱۳ء
۶	تیسرا ایڈیشن مکمل ہوا	ابرار احمد شاہی	بوقت ظہر	سوموار	۳۰ مارچ ۲۰۲۰ء
۷	پروف مکمل ہوا	ملک ہمیش گل		جمعرات	۲۲ اپریل ۲۰۲۰ء

ف: تم الكتاب بحمد الله وحسن توفيقه والصلاة على سيّدنا محمد وآله وصحبه وسلّم. وكان ذلك برسم السيد الإمام العلامة الفرد الجامع المحقق زين الدين الهروي بلغه الله أماله وختم بالصالحات أعماله. على يد العبد الفقير إلى الله علي بن يحيى الشريف عفا الله عنه وعن والديه آمين آمين؟ وكان فراغه مستهل رجب ... من شهور سنة أربع عشرة وثمان مائة.

ش: وصلواته على سيدنا محمد وآله الطاهرين وصحبه وسلم تسليما كثيرا.

علّقه الفقير إلى الولي الغني أبو الرضا بن سيد علي بن محمد الجويني في جمادي الآخرة لسنة أربع وعشرين وسبعمائة. وقصدت أن أعلّقه في مثل مدّة تصنيفه تأسّيا بالمصنّف، أعاد الله علينا وعلى جميع المسلمين من بركاته. فاتفق مثل ذلك تقريبا والحمد لله حق حمده، والصلاة والسلام على نبيّه محمد وعبده، بمقام سميساطية دمشق. ثم أقول: رأيت في النسخة المنقولة عنها، أنّه زعم كاتبها نقلَها عن خط المصنف والمقابلة به، فقلّدت الأصل. وإن وقفتَ على مواضع ما كانت تتمشى إما أترك أي حيز على ما ظننتُ حالة التحرير، ولعل ذلك يزول بالتأمّل على فراغ، وبالله التوفيق.

تمت المقابلة بمعاونة السيد المكرم منيع ... وفقير المال ... جعفر بن يوسف بن علي الحسيني الشيرازي ... والأخ الصالح جنيد بن عثمان ....

أردت بالتأسّي بالمصنف – قدّس الله روحه – تأسّيا بوجه مّا، وإلا تصنيف مثل هذا الكتاب الشامل على الفوائد التي لا تعد ولا تحصى في دون الأربعة أيام، قريب من الإعجاز عند كل صاحب فطنة منصفٍ، وليس بمقدورٍ إلا لمثل هذا الولي المؤيّد من عند الله سبحانه. والسلام على من اتّبع الهدى.

۸	پروف مکمل ہوا	نذیر احمد		جمعرات	۲۳ اپریل ۲۰۲۰ء
۹	پروف مکمل ہوا	سعدیہ قادری		جمعہ	۱۹ جون ۲۰۲۰ء
۱۰	آخری پروف مکمل ہوا	ملک ہمیش گل	بوقت عشا	منگل	۲۳ جون ۲۰۲۰ء

اردو حواشی
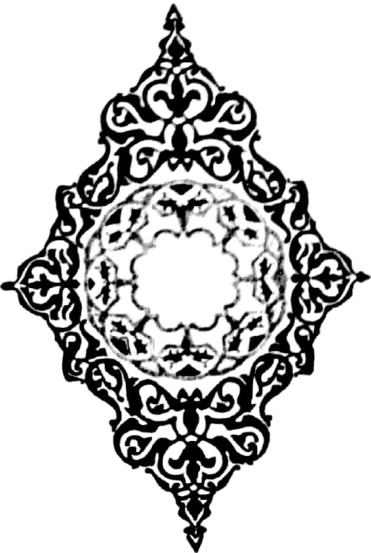
حواشی

۱ ﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبہ: ۱۰۲) مکمل آیت یوں ہے اور کچھ لوگوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور نیک اور بُرے ملے جلے اعمال کیے، شاید کہ اللہ تعالی ان کی توبہ قبول کرے۔ اور بیشک اللہ تعالی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

۲ شیخ البیتامی شرح تدبیرات الٰہیہ میں لکھتے ہیں: تصوف کے راستے اور مشرب تو بہت ہیں لیکن یہ سب ایک اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں؛ کہ حقائق سے اخذ کیا جائے اور مخلوقات کی ملکیت کو ترک کیا جائے۔ آگے فرماتے ہیں: محققین کے نزدیک اہل اللہ کے عرفانی علوم کا سیکھنا سکھانا، اس پر ایمان لانا اور اِن کا ادب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے، اِن کا انکار کفر اور گمراہی ہے۔ کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ طالبین حق کو اِن علوم سے روکے۔ شیخ اسماعیل جبرتی سے روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے ایک مرید سے کہا: شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرو۔ وہ بولا: اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ عرصہ بعد یہ کہیں تا کہ میرا معاملہ کھل جائے۔ شیخ بولے: جس چیز کے لیے تو رکنا چاہتا ہے شیخ اکبر نے بعینہ وہی باتیں اپنی کتابوں میں لکھیں ہیں۔ اسی طرح شیخ اکبر کا وہ خواب جس میں انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ یہ کتاب (یعنی فصوص الحکم) لو اور لوگوں تک پہنچاؤ تا کہ وہ اِس سے فائدہ اٹھائیں۔

۳ شیخ اکبر بعینہ یہی دلیل مرید کے ادبِ شیخ کے بارے میں بھی لائے ہیں۔ چونکہ شیخ وارث ہے لہذا مرید کے لیے روا نہیں کہ وہ شیخ سے کسی کام کی حکمت پوچھے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر کامیاب کیسے ہو گا۔ شیخ کا حکم در اصل اللہ کا حکم ہے، یہ شیخ کے نفس کی پکار نہیں، اور اسی شرط پر حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی کہ وہ آپ سے کوئی سوال نہیں پوچھیں گے، کیونکہ سوال فراق کا پروانہ ہے، اسی لیے بعد میں وہ آپ سے جدا ہو گئے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

۴ شرح تدبیرات میں شیخ البیتامی لکھتے ہیں: مرید کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، اگر وہ اپنی طلب میں سچا اور اپنے مرشد کو کامل مانتا ہے تو پھر اس کی کسی بات کا انکار نہ کرے، اس سے معاملات کی حکمت دریافت نہ کرے، اور نہ ہی اِس پر تنقید یا اعتراض کرے، ایسا کرنے والا مرید کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ شیخ کی مخالفت کرے گا تو شیخ سے نفع کیسے اٹھائے گا؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اس اعتراض اور مخالفت کے باعث شیخ کی توجہ اِس سے ہٹ جاتی ہے، چاہے باطن میں ہی سہی، کیونکہ اہل طریقت کے ہاں باطن بھی ظاہر جیسا ہے، شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ہم خواطر کے مکلف ہیں، ہمیں ہر اچھی خاطر سے فائدہ اور ثواب اور ہر بری خاطر پر نقصان اور سزا ملتی ہے۔

۵ شیخ البیتامی لکھتے ہیں: اِس کی وجہ منکر کے دل میں ایک قبیح صورت کا ہونا ہے لیکن اسے یہ (صورت) صوفی کے مَن کی صفائی کے باعث صوفی میں نظر آتی ہے، یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس پر اعتراض اور انکار کیا جائے، یہ صورت صوفی میں نہیں، بلکہ وہ صوفی تو خود اِس (قبیح) صورت پر اعتراض کرتا ہے جس پر اِس منکر نے اعتراض کیا، اور منکر کا صوفی پر اعتراض وہی تھا جو اس نے اپنے نفس کے آئینے میں صوفی کی شکل میں دیکھا، اور اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی تھی کہ وہ اس صوفی کے کمال کا درست ادراک نہ کر سکا، یوں اپنی فہم قاصر میں اسے یہ بات خطا اور شریعت کے مخالف نظر آئی، کیونکہ ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے، جبکہ وہ یہ سمجھا کہ یہ سب صوفی میں ہے۔ در حقیقت اس کا یہ انکار اس کی غلط فہم اور مخالفت پر مبنی تھا، یہ سب اسی کی تخلیق ہے اور اُسی کی طرف لوٹا، اور صوفی ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس معترض اور منکر نے دیکھی، جیسا کہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد کی بجائے (نعوذ باللہ) مذمم کہتے تھے، جب آپؐ کو یہ بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ان کی گالیاں اور بدخوئیاں مجھ تک نہیں پہنچتیں کیونکہ میں تو محمد ہوں، اور انہوں نے اپنے نفوس میں ایک شخص بنا کر اس کا نام مذمم رکھ دیا ہے، یہ اُسے ہی گالیاں دیتے ہیں مجھے نہیں۔ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، جب ان سے پوچھا گیا باغی تو آپ کے بارے میں یہ یہ کہتے ہیں، تو بولے: ان کے شیاطین انہیں مجھے شیطان بنا کر دکھاتے ہیں۔

اسی طرح شیخ اکبر محیی الدین محمد ابن العربی قدس اللہ سرہ کے دور میں ایک شخص جب آپ کو دیکھتا (نعوذ باللہ) تو آپ پر لعنت کرتا۔ جب شیخ اکبر کو یہ بتایا گیا تو بولے: وہ مجھ پر لعنت نہیں کرتا، بلکہ اس نے اپنے دل میں ایک خبیث فاجر فاسق شخص بنا رکھا ہے جس پر وہ لعنت کرتا ہے، چنانچہ اس کی

لعنت اس کے دل میں موجود اس صورت پر پڑتی ہے مجھ پر نہیں، میں ویسا نہیں جیسا وہ میرے بارے میں سوچتا ہے۔ (شرح تدبیرات از شیخ البیتامی، ص ۴۸)

[6] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: باخدا یہ بہت بڑی کرامت ہے، اور ایسا کوئی ولی اللہ ہی کر سکتا ہے کیونکہ کوئی عام شخص تو چار دنوں میں اسے نقل بھی نہیں کر سکتا، تالیف کرنا تو دور کی بات ہے۔ ہمارے نزدیک شیخ اکبر اکابر اقطاب اور عزیز احباب میں سے ہیں، اس کا نصیب تباہی اور بربادی ہے جو آپ کے بے دین ہونے کی بات کرے بلکہ خدا کی قسم ایسے بدبخت شخص کا نصیب محرومی، مذمت اور دھتکار ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۵۵)

[7] عربی زبان میں لفظ "مِن" دو طرح کا ہے: ۱- بیانیہ، ۲- تبعیضیہ۔ لیکن اس جگہ من بیانیہ استعمال ہوا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے: مثلاً اگر تو کہے: ثوب من حرير یعنی ریشم کا لباس تو یہاں یہ واضح کر رہا ہے کہ یہ لباس ریشم کا ہے، سوت یا کسی اور دھاگے کا نہیں، اس مقام پر من کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے ثوب حرير یعنی ریشمی لباس۔ اور بعض اوقات من "تبعیض" کے لیے استعمال ہوتا ہے، مثلاً تو کہے: "أخذتُ من الدراهم" میں نے چند درہم لیے، اگر اس جگہ من کو حذف کر دیا جائے تو معنی تبدیل ہو جائے گا اور اس سے مراد یہی ہو گی کہ اس نے سارے درہم لے لیے، یہ سمجھ۔

[8] اس کی مثال دحیہ کلبی والی حدیث میں نمایاں ہے، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دیہاتی کی صورت میں آئے تو آپؐ نے ان کے لیے دیہاتی کا لفظ استعمال کیا۔ اسی طرح ایک جگہ کہا: اس شخص کو میرے پاس لے آؤ، حالانکہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ آپؐ نے بھی اسی صفت سے ان کو پکارا جو اس وقت ان پر نمایاں تھی۔ بعد میں صحابہ کرام سے فرمایا: وہ جبرائیل تھے، تمہارے سامنے اس لیے آئے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔ (شرح تدبیرات از شیخ البیتامی)

[9] کیونکہ اسباب خود مخلوق ہیں، اور مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ فعل کی قدرت یا تاثیر رکھتی ہو۔

[10] اس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ آپ نوعِ انسانی میں پہلے سبب کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی آپ کسی نطفے سے تخلیق نہیں ہوئے، آپ کی تخلیق ظاہری سابق سبب کے بغیر ہے، آپ ہی بعد میں آنے والے تمام انسانوں کی تخلیق کا سبب بنے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

۱۱ یہاں عدم محض سے مراد محال یا ناممکن الوجود ہے، وہ جس کا علم الٰہی میں کوئی ثبوت نہیں، اور یہ عدم ثابت کے بر خلاف ہے جو کہ علم الٰہی میں ثبوت رکھتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

۱۲ یہ مماثلت نسبی اور لغوی ہے حقیقی نہیں کیونکہ ہم انہی الفاظ میں اس کی تعبیر کر سکتے ہیں، یہ ہماری مجبوری ہے، ورنہ جس کی نہ کوئی صورت ہو نہ شبیہ، نہ مثل نہ مثال، نہ نظیر نہ کیفیت، نہ حالت نہ حد، نہ زمان نہ مکان، اور جو ان حوادث سے پاک ہو اُس کی مثال کیسے بیان کی جا سکتی ہے۔ (شرح تدبیرات از شیخ البیتامی، ص ۶۸)

۱۳ ان صفات میں قدرت، ارادہ، علم، حیات، سماعت، بصارت اور کلام ہے۔ ان میں سے ہر صفت کا اپنے مقتضٰی سے تعلق ہے؛ سوائے صفتِ حیات کہ اس کا تعلق کسی چیز سے نہیں؛ کیونکہ وہ سب صفات کی اصل ہے۔ یہ معنوی صفات ہیں، انہیں معنوی اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے خود میں معانی ہیں، اور یہ (معانی) اس موصوف ذات سے زائد ہیں جن میں یہ قائم ہوتی ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۶۸)

۱۴ یعنی ذات کی وہ غیبی صفات جن کے بغیر ذات کا تصور نہ ہو، یعنی اس ذات کو ذات تصور کرنے کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے یہ وہ صفات ہیں۔ (مترجم)

۱۵ شیخ البیتامی لکھتے ہیں شیخ اکبر کی اس بات میں عرفان شناس لوگوں کے لیے ایک اشارہ ہے، اگر مجھے شیخ کی عزت و توقیر کا پاس نہ ہوتا کہ انہوں نے خود اسے واضح نہیں کیا تو میں اسے واضح کر دیتا، لیکن اہل اللہ کو کسی وضاحت کی کیا ضرورت، وہ تو اپنے نفوس سے یہ جانتے ہیں۔

۱۶ یعنی اگر وزیر (بمعنی عقل) فیض کرتا بھی ہے تو وہ صرف تیرے نفس نباتی کو ہی سنبھال سکتا ہے؛ مطلب تیرے ظاہری اعضا کی دیکھ بھال ہی کر سکتا ہے، لیکن تیرے باطنی معاملات اس کی پہنچ سے باہر ہیں، لہٰذا باطنی معاملات کے لیے روح (یعنی خلیفہ) کا فیض ضروری ہے۔

۱۷ یہاں دائرے سے مراد تمام موجودات ہیں، اور مرکز سے مراد اس کا وہ نقطہ جس پر اس دائرے کا بھروسا ہوتا ہے یا جس سے وہ دائرہ قائم ہوتا ہے۔

۱۸ یہاں سفلی ماؤں سے مراد نفس ہے۔ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے: أنا ابن آباء أرواح مطهرة وأمهات نفوس عنصريات. میں پاک روحوں والے آباء اور عنصری نفوس والی امہات کا بیٹا ہوں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

[19] یعنی نفس دونوں پکاروں سے راضی تھا: ایک روح کی پکار اور دوسری خواہش کی پکار، ان دونوں کا معاملہ اس کے لیے برابر تھا؛ کیونکہ وہ دو قابل اطاعت سرداروں میں پھنس گیا کہ ایک اس طرف بلائے اور دوسرا اُس طرف، جبکہ دونوں کی پکار ہی اللہ کے حکم سے تھی۔ چنانچہ نفس دونوں صورتوں میں اللہ کے تکوینی حکم پر عمل پیرا تھا۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۸۹)

[20] یہاں ناپسندیدہ چیزوں سے مراد وہ تکالیف ہیں جو فرائض اور نوافل کی ادائیگی میں اٹھانا پڑتی ہیں، اور یہی خلیفہ کو ابدی نعمتوں سے ہمکنار کرواتی ہیں۔ اس میں تمام طرح کی آزمائشیں، تکلیفیں، پریشانیاں شامل ہیں جو اللہ تعالی نے اس لیے بندے کا مقدر کیں تاکہ اس کے درجات بڑھیں، وہ صبر کرے اور اسے اللہ تعالی کی معیت نصیب ہو؛ کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۸۹)

[21] کافر دنیا میں ہر طرح کی شہوات میں پڑا رہتا ہے، اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ تکمیل شہوات اسے دوزخ سے قریب کر رہی ہیں، ان کی حقیقت ہی عذاب ہے۔ ان سے جو لذت محسوس ہوتی ہے وہ بھی دراصل عذاب کی ایک صورت ہے اسی لیے تو کہا: یہ ظاہر میں نعمتیں ہیں لیکن باطن میں عذاب۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۸۹)

[22] یہاں ایک عظیم راز پنہاں ہے؛ وہ یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے مومن بندے سے گناہ اسی لیے کروائے کہ ان گناہوں سے اس کے درجات میں اضافہ ہو، اور وہ اسم الغفار کے تحت اس کا قرب پا سکے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: بیشک اللہ تعالی بہت توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور بہت توبہ بہت گناہوں پر کی جاتی ہے۔ بعض اوقات مومن بندہ جب گناہ نہیں کرتا تو خود کو کچھ سمجھنے لگتا ہے، اس میں ایک طرح کا تکبر آجاتا ہے، پھر جب وہ گناہ کرتا ہے تو یہ تکبر جاتا رہتا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے: اللہ تعالی بندے کے کردہ گناہ سے بھی اسے فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ (ابو نعیم، الحلیہ) ایک دوسری حدیث میں ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: اگر میرے مومن بندے کے حق میں گناہ تکبر سے بڑھ کر نہ ہوتے تو میں کبھی اسے گناہ نہ کرنے دیتا۔ ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے: اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو مجھے تم پر اس سے بھی بڑی چیز کا خوف ہے؛ اور وہ تکبر ہے۔ ابن عطا اللہ اسکندری لکھتے ہیں: وہ معصیت یا گناہ جو عاجزی اور محتاجی دے اس نیکی سے بہتر ہے جو فخر اور تکبر پیدا کرے۔ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: بیشک اللہ تعالی اپنی وعید کے خلاف کر سکتا ہے لیکن اپنے وعدے کے

خلاف نہیں کرتا، اور جو اپنے رب کو جانتا ہے تو وہ اس کی جنابِ کرم میں اپنے گناہوں کو بہت حقیر پاتا ہے۔(شرح تدبیرات از شیخ البیتامی، ص ۹۳)

[۲۳] روح نے اس سوال کے جواب میں بلی کہا، یعنی بیشک تو ہی ہمارا رب ہے۔ اِس سے پتا چلتا ہے کہ روح خطاب کو سمجھتی اور عقل رکھتی ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۹۶)

[۲۴] یعنی یہ نفس پہلے ہی روح کے ماتحت ہے، روح کے احکام کو پورا کرنا اس کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اب یہ اس خلافت سے نکل کر کسی اور خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا۔

[۲۵] روح اور شریعت میں یہ مماثلت ہے کہ روح اللہ کا وہ حکم ہے جو مخلوقات میں پھونکا گیا، اور شریعت اللہ کا وہ حکم ہے جو اس کے بندوں کی طرف اتارا گیا۔

[۲۶] خواہش کے نزدیک دنیاوی خواہشات اور لذات کی تکمیل ہی سراسر نجات ہے اور اسے (نجات کی) صرف یہی صورت دکھائی دیتی ہے لہٰذا وہ اسی کے لیے کوشاں ہے، جبکہ روح کے نزدیک اللہ تعالی کے احکام ونواہی پر عمل کرنا؛ یعنی خواہشات نفس کو روکنا ہی دنیا اور آخرت میں اس مملکت انسانی کی نجات کا سبب ہے، لہٰذا وہ اسی کے لیے کوشاں ہے۔

[۲۷] خواہش کی حقیقت آگ ہے، یہ غیریت کی زمین سے تخلیق ہوئی۔ اہل اللہ کے ہاں آگ وادی اغیار کا کنایہ ہے جس کی طرف نفوس مائل ہوتے ہیں، اسی سے خواہش اور اس کے وزیر ابلیس کی تخلیق ہوئی۔ اسی لیے اصحاب خواہش اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل میں حق سے منہ پھیر کر پستی کے راہی ہوتے ہیں۔ جس قدر پستی میں گرتے جاتے ہیں ان کی غفلت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۰۴)

[۲۸] یہ سیاہ رنگ کا مکھی نما کیڑا ہوتا ہے جو زیادہ تر گندگی پر ہی بیٹھتا ہے، اِسے بدبو ہی مزہ دیتی ہے اور خوشبو سے دور بھاگتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۰۴)

[۲۹] یہ حاضرت مقام الجمع سے تخلق ہے جس میں ظاہری شریعت کا امتزاج نہ ہو جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ خلیفہ بعض ضروری حالات میں توحید محض کو ظاہر کر سکتا ہے لیکن اسے روزانہ کی بنیاد پر اِس توحید کا اظہار نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ کثرت سے توحید محض کا اظہار رعایا کے لیے فتنے کا باعث ہے، جس کا نتیجہ احکام شریعت کا معطل ہونا اور دین کو ترک کر دینا ہے۔ یہی تو زنادقہ اور ملحدین کا مذہب ہے کہ وہ بس توحید محض -جو کہ مقام الجمع ہے- سے ہی چمٹے

رہتے ہیں، اور وہ بھی حکم الٰہی کے بغیر، بلکہ اپنے نفس کے دھوکوں اور خیالات کی شیطانیوں سے، پھر اس کے نتیجے میں وہ احکام شریعت - جو کہ مقام فرق ہے - کو معطل کرتے ہیں چنانچہ کتاب کے ایک حصے پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ یہود و نصاری سے بھی بڑھ کر کافر ہیں؛ کیونکہ یہ اللہ کے احکام کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ اس کی حرام کردہ چیزوں کو بھی حلال جانتے ہیں۔ اس بارے میں ان کی دلیل یہی ہوتی ہے: "اب ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت کیونکہ ہم تو اللہ تک پہنچ چکے ہیں، وہ ہم میں ایسا سما گیا ہے کہ ہماری ذوات اللہ ہو گئیں ہیں" یا ان کا یہ کہنا کہ "صورتوں میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ سب - نعوذ باللہ - اللہ ہی ہے۔" جان لے کہ اہل اللہ کا یہ مذہب (یعنی اعتقاد) نہیں، اہل اللہ کا مذہب تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالی انہیں توحید محض کے مقام پر داخل کرتا ہے تو اعمال صالحہ سے انہیں کمال بخشتا ہے اور اپنی حدود کی حفاظت کرواتا ہے، اور جب انہیں مقام فرق میں ٹھہراتا ہے تو اعمال کے شرک سے بچاتا ہے، انہیں مشاہدہ کرواتا ہے کہ کیسے یہ عالم اس کے وجود سے قائم ہے، یہی لوگ عقل الٰہی کے حامل، انبیائے کرام کے وارث اور علم الٰہی میں راسخ ہیں۔ (شرح تدبیرات الٰہیہ از البیتامی، ص ۱۱۲)

۳۰ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: کروبیوں سے مراد عشق الٰہی سے سرشار اور بارگاہ الٰہی میں معتکف ارواح ہیں، یہ اُس ذات کے سوا کسی کو نہیں جانتیں، اور جو کچھ اس ذات کے بارے میں جانتی ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتیں، انہیں اپنا بھی کوئی علم نہیں۔ (مخطوط: السِفر-۱۱، ص ۹۷ ب)

۳۱ وہ اِس طرح کہ جب تو اپنے رب کی خدمت میں لگ گیا، اُس پر بھروسا کیا اور تجھے یہ یقین حاصل ہوا کہ اُسی کے پاس سب بھلائی ہے، تو پھر تجھے یہ بھی پتا چلا کہ تیرا نصیب کبھی چھوٹ نہیں سکتا اور جو تیرا نصیب نہیں وہ تو کبھی پا نہیں سکتا، یوں تیرا دل غم روزگار اور طلبِ رزق کی جھنجھٹ سے نجات پائے گا، تو اللہ تعالی کی طرف لوٹ آئے گا، اور ایک بلند مقام پائے گا، صبح شام اس کی تسبیح بیان کرے گا اور رات دن اُس کے گن گائے گا۔ پھر دنیا خود تیری خدمت کو آئے گی کہ اُس وقت تو اللہ کا بندہ ہو گا، نہ کہ درہم و دینار کا بندہ۔ (شرح تدبیرات از شیخ البیتامی، ص ۱۱۴)

۳۲ دنیا ملعون ہے سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا کی جو چیز اللہ کی یاد سے غافل کرے وہ ملعون ہے، اسی لیے آگے ذکر اور دیگر اعمال صالحہ کا استثنا بیان کیا گیا؛ کیونکہ یہ اعمال اللہ سے غافل نہیں کرتے۔ نبی

کریم ﷺ کا ارشاد ہے: تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میرے لیے محبوب بنائی گئیں ہیں: ۱- عورتیں، ۲- خوشبو، ۳- اور میری آنکھوں کا قرار نماز میں رکھا گیا۔

دنیا سے مراد: مال و دولت منصب و جاہ، کھانے پینے، پہننے، رہنے سہنے، کھیل تماشے اور نکاح کی وہ لذات ہیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک دنیاوی زندگی کھیل تماشا، زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا، مال و اولاد میں کثرت ہی ہے﴾ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب وہ شہواتِ نفسانی ہیں جو بصیرت نہ رکھنے والے صاحب عقل کو دھوکے میں ڈالے رکھتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بیشک دنیا کی زندگی ایک دھوکے کا سامان ہے﴾ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۱۴)

۳۳ شیخ البیتامی لکھتے ہیں: اس مذکورہ مثال سے شیخ اکبر کی مراد یہ ہے کہ اگر تو بغیر حاجت کے خلاف عادت کام کرے گا تو یہ رعونتِ نفس سے ہو گا اور تو قابلِ مذمت ٹھہرے گا۔ لیکن اگر تو بوقت ضرورت مخلوق کے لیے خرق عادت سے کام لے گا تو یہ ان پر تیرا احسان ہو گا، مخلوق تیرا یہ عمل سراہے گی۔ لیکن عادت کے تحت صبر کرنا اور اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا ہی اصل مردانگی ہے۔ (شرح تدبیرات الٰہیہ از شیخ البیتامی، ص ۱۲۱)

۳۴ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: جو شخص مخلوق میں علم الٰہی کا حصول چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اشیا میں ترتیب کی حکمت اپنائے، جسے اللہ نے آگے رکھا اُسے آگے رکھے اور جسے اللہ نے پیچھے کیا اُسے پیچھے کرے۔ بیشک المقدم اور المؤخر اللہ تعالیٰ کے اسما میں سے ہے، اگر تو کسی مقدم چیز کو موخر یا کسی موخر کو مقدم کرے گا تو یہ بھی ایک باریک ناموافقت ہے جو محرومی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿کسی بارے میں یہ مت کہہ کہ میں کل ایسا کروں گا، مگر جو اللہ چاہے﴾ (الکہف: ۲۳-۲۴) پس اللہ نے استثنا (یعنی جو اللہ چاہے) کا ذکر آخر میں کیا، جب حضرت موسیٰ نے اسے پہلے ذکر کیا تو صبر نہ کر سکے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسے موخر کرتے تو صبر کرتے۔ (مخطوط: السفر-۱۴، ص ۱۵۵ب) مراد یہ ہے کہ کسی کام کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر ان شا اللہ کی مہر لگانی چاہیے تاکہ اللہ کی مرضی سے وہ کام پورا ہو۔

۳۵ یہاں مملکت سے مراد صورتِ انسانی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہی مبارک رات ہے؛ اسے رات اس لیے کہا کیونکہ کائنات ظلمت میں ہے، کائنات اندھیر ہے اور ہر اندھیرا رات کہلاتا ہے۔ اسے مبارک

اس وجہ سے کہا کیونکہ یہ اسرار الٰہی اور امور ربانی کے نزول کی جا ہے، حق تعالیٰ نے اس میں تمام تفاصیلِ کائنات کو جمع کر رکھا ہے۔ اس طرح انسان واحد بھی ہے اور کثیر بھی، اس کے اعمال، اقوال اور احوال جیسا مخلوقِ خدا میں دوسرا کوئی نہیں، اسی وجہ سے یہ انسانی صورت مبارک ہے۔ فرمایا: اس میں ہر پُر حکمت معاملہ نپٹایا جاتا ہے؛ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی آخری تخلیق ہے، اس دنیا میں انسان کے بعد کچھ تخلیق نہیں ہوا۔ یہ صورت انسانی حلال و حرام، پاک اور نجس، اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرتی ہے، یہ مسئلہ تفصیل سے تیسرے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۲۶)

۳۶ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کسی کو کچھ نہ دے) اور نہ ہی اسے اتنا کھلا کر (کہ سب کچھ ہی لٹا دے) کہ پھر خود ملامت اور حسرت کا شکار ہو جا﴾ (الاسراء: ۲۹)

۳۷ شیخ البیتامی شرح میں لکھتے ہیں: باطن میں اِس کا اعتبار اور طریقت میں شیخ اکبر کی اِس سے مراد یہ ہے کہ جب بندہ توحیدِ محض میں داخل ہوتا ہے یا اِس میں حد سے زیادہ غلو کرتا ہے تو وہ تمام امور کو تخلیق، تقدیر اور فعل سے حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا اور خود کو اِن سے عاری تصور کرتا ہے۔ اس موقع پر جب اس سے صادر کسی فعل پر اُس سے جواب طلب کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کرنا ہے، بندے کا اس میں کیا اختیار؟ لہذا بندے کو ملامت کا نشانہ بنانا درست نہیں۔ ایسے شخص نے حدود شریعت سے تجاوز کیا اور دعوی وجود میں افراط سے کام لیا؛ کیونکہ ایسا کہنے سے تو بندوں پر احکام شریعت کی قید ہی ختم ہو جائے گی، اور یہ تو زنادقہ کا مذہب ہے جن کے پاس علوم محمدیہ کے کمال کا علم تک نہیں۔ دوسری صورت میں جب بندہ جمودِ محض کی جانب بڑھتا ہے، جو کہ مقام فرق کا دعوی ہے اور اس میں اس قدر غلو کرتا ہے؛ کہ تمام افعال کو تاثیر تدبیر اور ایجاد سے اپنی جانب ہی منسوب کرنا شروع کر دیتا ہے اور حق تعالیٰ کو اس سے بری جانتا ہے؛ جب اس سے کسی عمل کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتا ہے: یہ میرا عمل، میری تدبیر اور میرا اختیار تھا، میں نے اللہ کی مدد کے بغیر خود سے ایسا کیا ہے۔ ایسا شخص حدود الٰہیہ سے تجاوز کرتا ہے اور استقلال نفس کا دعوی کرتا ہے۔ یہ مقام بھی کتاب و سنت کی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہ دونوں اطراف ہی حقیقت سے دور ہیں کہ ایک نے احکام شریعت کو پس پشت ڈالا اور دوسرے نے ظاہری معقولات میں اتنا زور لگایا کہ باطنی بصیرت اور مخلوق میں قیام حق کی معرفت، تصرفات ربانی اور تجلیات رحمانی سے اندھا ہو گیا۔

اور یہ اندھاپن اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ مخلوق کے فعل کو انہی کا فعل سمجھنے لگا، خالق کا عمل دخل اس کی نظروں سے اوجھل رہا۔ پہلا زندیق ہے؛ کیونکہ وہ ظاہری شریعت کا منکر اور تارک ہے جبکہ دوسرا کافر ہے؛ کیونکہ وہ باطنی حقیقت کا منکر ہے۔ ان دونوں مقامات کا جامع ہی درست ہے کہ وہ بندے کے تمام افعال کو حق تعالی کی تخلیق دیکھتا ہے۔ انصاف پسند ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ تمام افعال بندے کا کسب ہیں؛ کیونکہ بندہ تو عاجز ہے، کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اور اسی طرح حق تعالی بھی بندوں کے خسیس افعال سے مبرا ہے؛ کیونکہ وہ بے صورت ہے، اسے ان افعال کی کیا ضرورت۔ اسی لیے حق تعالی نے تخلیق کو اپنی طرف منسوب کیا، فرمایا: ﴿اللہ ہر چیز کا خالق ہے﴾ ﴿اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے افعال کو تخلیق کیا﴾ اور ﴿اس نے ہر چیز کو تخلیق کیا اور پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا﴾ اور اس کا کہنا: ﴿یہ کچھ تخلیق نہیں کر سکتے بلکہ یہ خود تخلیق کیے گئے ہیں﴾ پھر اس نے افعال کو بندوں سے منسوب کیا، فرمایا: ﴿جو کرنا ہے کرو وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے﴾ اور ﴿جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اسے موجود پائے گا﴾ اور ﴿میں تم میں سے عمل کرنے والوں کے عمل ضائع نہیں کروں گا﴾ اور ﴿عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے﴾ وغیرہ وغیرہ۔ پس جو بندہ افراط اور تفریط کو چھوڑ کر وسط راہ اپناتا ہے تو وہی علوم انبیا کا حقیقی عارف اور وارث ہے؛ یہ ایسا محقق ہے جو کفر اور زندقہ سے پاک ہے۔ کم فہم لوگوں کو ہماری بات غلط نہیں سمجھنی چاہیے کیونکہ ہماری ذکر کردہ یہ تفصیل ظاہری احکام شرع میں شریعت کی حیثیت سے مقام فرقان سے ہیں، یہ نہیں کہ ہم نے حادث وجود کو قدیم وجود کے ساتھ ملا دیا ہو، اور پھر اس حادث سے چند اشیا کو منسوب کر دیا ہو۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۲۸)

[۳۸] اصحاب سلب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کی محبت نے ایسا سلب کر رکھا ہے کہ وہ مقامات کی طرف نگاہ اور وقوف سے پاک ہیں، ان کی نگاہ میں صرف ان کا محبوبِ حقیقی سمایا۔ یہی وہ نیک بندے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے خود سے مخصوص کیا اور مقربون کا لقب دیا، اللہ کے سوا نہ کوئی انہیں جانتا ہے اور نہ یہ اس کے سوا کسی غیر کو جانتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۳۰)

[۳۹] گھر سے مراد اپنے قلب کو آراستہ کرنا ہے، چراغ جلانے سے مراد علم کی شمع روشن کرنا ہے، پردے لٹکانے سے مراد تنہائی اختیار کرنا ہے اور صورتوں کو باہر نکالنے سے مراد دل کا تعلق ہر بے وجود

صورت سے توڑ کر اس حقیقی وجود سے جوڑنا ہے جو خود بے صورت ہے، ایسا کرنے سے ہی حکمت الٰہی؛ یعنی اسرار و معارف ظاہر اور حقائق ربانی آشکار ہوں گے۔ یہی علم لدنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے علم سکھایا﴾ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۳۲)

[40] جیسا کہ شیخ حسن بصری نے کیا؛ جب ارباب مملکت میں سے ایک شخص ان کے پاس قیمتی جوڑے، پانچ سو دینار و درہم اور (متعدّد) غلام لے کر آیا اور بولا: "فلاں شخص آپ کو سلام پیش کرتا ہے اور اس نے آپ کے پہننے کے لیے یہ جوڑے اور صَرف کے لیے یہ پیسے بھیجے ہیں" تو شیخ نے وہ واپس بھجوا دیئے اور ان میں سے کچھ قبول نہ کیا۔ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو بولے: "جو مجھ جیسے کی مجلس میں بیٹھتا ہو تو اُسے اِس جیسے شخص سے کچھ قبول نہیں کرنا چاہیے۔" (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۳۴)

[41] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: ہمارے شیخ ملا الیاس الکُردی الکورانی (قدس اللہ سرہ ونور ضریحہ) کا یہی حال تھا، آپ دنیاداروں کے تحفے تحائف قبول کرتے لیکن وہ سب غریبوں میں بانٹ دیتے، اور اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس کثیر تعداد میں سونا آیا تو آپ نے اسی دن وہ سب بانٹ ڈالا، اس میں سے مجھے پانچ سونے کے مغربی سکے ملے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۳۴)

[42] دعوی انسان کا غفلت کے باعث یہ کہنا ہے: میرا مال، میرا عمل، میرا قول وغیرہ وغیرہ، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی طرف نظر نہیں کرتا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ یہ سب دعوے اس وقت ہوتے ہیں جب حق خلق میں چھپ جائے، یوں جب وہ تصرفات حق کو بھلا بیٹھتے ہیں اور اپنے تصرفات کو اسباب کے تحت پاتے ہیں تو دعوی کرتے ہیں۔ اہل اللہ کے ہاں یہ گناہِ کبیرہ ہے؛ کیونکہ اس میں حق کے بغیر تکبر، اللہ کے ساتھ وجود کا دعوی اور افعال میں حق کے ساتھ اشتراک کا شائبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوے کے حجاب سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

[43] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: ہمارے شیخ نے درس میں اِس مقام پر ایک عجیب واقعہ سنایا، کہتے ہیں: ایک مرتبہ ہندوستان کے ایک بادشاہ نے اپنے محل میں ایک بڑا سا ہال تعمیر کروایا، اس کی ایک دیوار پر نقش ونگاری کے لیے اپنی مملکت سے بہترین نقاش بلوائے، تو اس کی دوسری دیوار کے لیے عرب کے

نقاشوں کو دعوت عام دی کہ وہ بھی اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ اس نے ان دونوں گرہوں کو یہ حکم دیا کہ ایسا قیامت خیز نقش بنائیں کے دیکھ کر عقل دنگ رہ جائے۔ عرب کے نقاشوں نے ہندوستان کے نقاشوں سے کہا کہ درمیان میں ایک پردہ لگا دو، تاکہ نہ ہمارا کام تم دیکھ سکو اور نہ تمہارا ہم دیکھیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ہندوستان کے نقاش اپنی دیوار پر ایسے عجیب و غریب نقش بناتے رہے جن کی مثال ملنا ممکن نہ تھا، جبکہ عرب کے نقاش اپنی دیوار پر شیشے جڑتے رہے اور اسے ایسا سجایا کہ اس کی مثال بھی پہلے نہ تھی۔ جب دونوں گروہ کام مکمل کر چکے اور درمیان سے پردہ اٹھایا گیا تو ہندوستانی نقاشوں کے بنائے گئے تمام نقوش عربوں کی دیوار پر اپنا عکس دینے لگے اور عربوں کی دیوار سے منعکس شدہ روشنی ہندوستانیوں کی دیوار پر پڑنے لگی۔ لیکن عرب اس وجہ سے فاتح قرار پائے کہ جب کوئی انسان شیشوں کے سامنے آتا تو اسے اپنا عکس بھی ان میں دکھائی دیتا۔ اسی طرح یہاں جب عقل کی منقوش دیوار روح کی شفاف دیوار کے سامنے آئی تو عقل کے تمام نقوش روح میں ظاہر ہو گئے اور روح کا نور اور چمک عقل پر پڑی اور یہ اس وقت جب ان دونوں کے مابین حجاب نفس اٹھا، اس مثال کو سمجھ اور ناسمجھوں میں سے مت بن۔ (شرح تدبیرات از شیخ البیتامی، ص ۱۴۴)

[۴۴] اسی مقام پر بایزید بسطامی سے کہا گیا، جب آپ رب کی کھوج میں اپنے وطن سے دور کسی جگہ پہنچے تو کسی نے پوچھا: اے ابویزید! کہاں کا ارادہ ہے، بولے: رب کی تلاش میں نکلا ہوں، وہ بولا: واپس لوٹ جا کیونکہ تو اُسے وہیں چھوڑ آیا ہے جہاں سے تو چلا تھا۔ یعنی اپنے نفس کی طرف لوٹ جا، تو اسے اپنے پاس ہی پائے گا۔ یہاں نفس سے مراد ہر چیز سے قطع تعلق کر کے اپنے دل میں اس کو ڈھونڈنا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: میں زمین و آسمان میں نہ سما سکا لیکن اپنے بندہ مومن کے دل میں سما گیا۔ لہٰذا جو کوئی اپنے نفس کے راستے سے اپنے دل میں داخل ہوتا ہے وہ لازماً حق تعالیٰ کو وہاں موجود پاتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۴۵)

[۴۵] کیونکہ ظلمت یعنی عالم اجسام کا بھی انسان پر حق ہے؛ یعنی حدودِ شریعت پر توقف کرنا اور اس کے احکام اور آداب کو اس طرح پورا کرنا کہ کتاب و سنت پر عمل اور تحریف اور تبدیلی سے اجتناب حاصل ہو۔ جسم کے حقوق پورے کرنا مثلاً اسے غذا دینا، کپڑے پہننا، اس کی حفاظت کرنا اور خیال رکھنا وغیرہ، جیسا کہ اہل اللہ میں سے کاملین کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے اجسام کے حقوق سے بھی بے

پروائی نہیں برتتے، ظاہری اعمال میں شریعت کا دامن نہیں چھوڑتے اور باطنی معاملات کو ظاہر پر اس طرح حاوی نہیں کر لیتے کہ ظاہر کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگے۔

[۴۶] مراد یہ کہ اگر وہ اپنی تمام توانائیاں نورِ محض کے حصول میں مرکوز کرے گا اور عقل کی بات نہیں مانے گا تو اُس کا عالم شہادت اور اس کی عبادت زائل ہو جائے گی یوں وہ مجذوبوں اور مجنونوں سے جا ملے گا۔

[۴۷] یعنی اپنے ظاہری معاملات کو اتنا سر پر نہ چڑھالے کہ باطنی معاملات سے بالکل ہی انجان ہو جائے، مثلاً شریعت کی حدود و قیود اور جسم کے تقاضوں کو ہی حقیقت سمجھ بیٹھے، اور اِن احکام کی روح اور احوال پر کوئی توجہ نہ دے، تو یہ رویہ بھی قابل مذمت ہے۔ معاشرے میں بہت سے گروہ ایسے بھی ہیں جو دین کے ظاہر کو ہی اصل اسلام سمجھتے ہیں۔

[۴۸] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: جب یہ حجابات اٹھتے ہیں تو آئینۂ قلب صاف شفاف ہو کر اپنی اصل صورت پر لوٹ آتا ہے۔ چونکہ انسان کی حقیقت روح الٰہی ہے-جو کہ عالم شہادت کی مدبر ہے اور جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا- جو کہ اللہ تعالیٰ کا پاک امر ہے۔ جب یہ امر کثیف اجسام کی طرف اترا اور ان میں قناعت کر بیٹھا تو اس کی صورت مسخ ہو گئی، یہ سفلی اجسام کے عشق میں ایسا ڈوبا کہ اپنا علوی مقام و مرتبہ بھلا بیٹھا، خود اس جسم کا مدبر بن گیا اور رب تعالیٰ سے اپنا تعلق فراموش کر بیٹھا۔ ایسی حالت پر اسے زنگ یا جہالت کے حجاب، دل پر لگی سیاہ مہر اور دیگر حجابات نے آن گھیرا۔ اسی مقام پر صوفیا نے ریاضت اور خلوت سے کام لیا اور مریدین کو ان اعمال کی تلقین کی، تاکہ ان کے دلوں پر لگا یہ زنگ صاف ہو سکے اور وہ علوم الٰہی کے حقائق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جب ریاضت اور مجاہدے سے دل کو صاف کیا جاتا ہے تو یہ حجابات اٹھ جاتے ہیں اور دل عالم علوی کے مشاہدے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۶۴)

[۴۹] اہل ملکوت سے مراد ارواحِ مجردہ ہیں جو اِس خاکی عنصری جسم سے پاک ہیں؛ کیونکہ جب ارواح مجرد ہوتی ہیں تو وہ عالم شہادت سے نکل کر عالم ملکوت میں چلی جاتی ہیں، اور قیود سے اطلاق کے باعث انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے اسی نور کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں ہر انسان اپنی موت کے بعد جاتا ہے، جبکہ عارفین اپنی ظاہری موت سے پہلے جاتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۶۵)

۵۰ یہ ارواحِ ملکوتیہ پر پھیلا وجود کا وہ نور ہے جو ان کی شناخت کا باعث ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

۵۱ کتاب حفیظ سے مراد اس کا اعمال نامہ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿یہ ہے ہماری کتاب جو ٹھیک ٹھیک تمہاری باتیں بتاتی ہے، جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ ہم لکھ لیا کرتے تھے﴾ (الجاثیہ: ۲۹) اس روز مجرم کہیں گے: ﴿اس کتاب کو کیا ہوا ہے کہ اس نے ہر چھوٹا بڑا عمل لکھ رکھا ہے﴾ (الکہف: ۴۹) یہاں مراد تمام اعضا پر لکھا گیا عمل ہے، اسے محفوظ اس لیے کہا کیونکہ اللہ تعالی نے اسے اپنے نور سے محفوظ کیا۔

۵۲ یہ اللہ کا وہ نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے۔

۵۳ اسی مقام پر عارف باللہ شیخ علی الخواص (قدس اللہ سرہ) نے اپنے مرید خاص شیخ عبد الوہاب الشعرانی سے کہا: بیٹا "حاضرتِ جمع" سے حتی الامکان بچ؛ کیونکہ یہ ایسی حاضرت ہے جہاں (بڑوں بڑوں کے) قدم پھسل جاتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۷۴)

۵۴ تشبیہ ایسے کہ وہ رب اور مربوب، خالق اور مخلوق کو ایک جیسا سمجھے۔ چونکہ کلام مجید میں رب تعالی نے اپنے لیے بہت سے ایسے اوصاف کا ذکر کیا ہے جو مخلوق میں حادث صفات تصور ہوتی ہیں؛ جیسا کہ اعضا میں سے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، چہرہ، کان اور افعال میں سے آنا، جانا، ہنسنا، تعجب کا اظہار وغیرہ۔ اب اگر کوئی اپنی ناقص عقل سے سوچے گا کہ رب تعالی بھی ان صفات کا حامل ہے چنانچہ وہ بھی ایک جسم ہے اور جسم حادث ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسی سوچ اسے تجسیم و تشبیہ کی طرف لے جائے گی۔

۵۵ یہاں عدم کے اس درجے کی طرف اشارہ ہے جب معلومات اعیان کی صورت میں "عدم میں موجود" تھیں، اسی لیے کہا "جو تھا؛ یہ اس وقت جب وہ نہ تھا" مزید تفصیل کے لیے شیخ اکبر کا رسالہ انشاء الدوائر دیکھئے۔

۵۶ یہ مقام فرق ہے مقام جمع نہیں؛ کیونکہ جمع روح کا مقام ہے جسے عرش کہتے ہیں، جبکہ فرق نفس کا مقام ہے جسے کرسی کہتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۸۱)

۵۷ مطلب یہاں فرق نہیں کیا جاتا کہ اچھے کی تعریف ہو اور بُرے کی برائی، یہ تو مقدس علوم کی جا ہے۔ تعریف اور مذمت تو جہانِ تکلیف میں سے ہے؛ جو کہ کرسی کے نیچے کا عالم ہے۔

۵۸ شیخ البیتامی لکھتے ہیں: اہل تحقیق کے مشرب کے مطابق یہ مبارک رات جس میں ہر پر حکمت معاملے کا فیصلہ ہوتا ہے؛ وہ یہ بندہ مومن ہی ہے۔ اس بارے میں ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں ان معانی کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کا نام ہے "اشراق البدر فی اللیل البہیم" بیشک مومن ہی شب قدر ہے۔ ہم یہاں ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، آپؐ کا ارشاد ہے:

"جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی پکار سنوں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اسے بخشوں۔" (رواہ بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی عن ابی ہریرۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے آخری پہر کو وہ خصوصیت اور شرف حاصل ہوا جو اس کی پہلی دو تہائیوں کو نہ ہو سکا، حالانکہ ان میں بھی رب کا نزول ہوتا ہے، لیکن یہ گزر گئیں اور ان میں حکم نزول کا تعلق نہ ہوا، پھر آخری تہائی بچی جس میں رب تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، یہ عالم فلک ہے۔ اصحاب اشارات کے نزدیک پہلی تہائی آسمان دنیا اور دوسری تہائی زمین ہے جبکہ تیسری تہائی رات انسان کامل ہے؛ کیونکہ آسمان باپ ہے اور زمین ماں اور انسان ان کا بیٹا؛ جو کہ رات کی آخری تہائی کہلایا۔ یہاں رات سے مراد کائنات کی ظلمت ہے، حقیقت کی روشنی کے سامنے یہ ظلمت ہی ہے۔ پہلی دو تہائیاں اللہ کے اس حکم سے خالی گزر گئیں: "نہ میں آسمان میں سما سکا نہ زمین میں" پھر نزول کی توجہ تیسری تہائی کی طرف فرماتے ہوئے کہا: "اور میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سما گیا" اس اعتبار سے زمین اور آسمان کا بیٹا، یعنی انسان کامل ان دونوں سے زیادہ وسعت کا حامل ہے بلکہ ہر چیز اسی میں موجود ہے؛ کیونکہ یہی روحانی املاک اور ربانی اسماء کے نزول کی جا اور اسرار رحمانی اور تکالیف شرعی کے اتار کا مقام ہے، جیسا کہ کہا گیا: اے آخر کُل، تجھ ہی میں کُل ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۸۲)

۵۹ علم یعنی فرقان کہ وہ کیا لکھے کیونکہ نزول سے پہلے یہ مختصر ہوتا ہے اور حاضرت قلب میں تفصیل لکھی جاتی ہے۔ اور عین یعنی تمیز حاصل ہوتی ہے جس سے وہ خیر اور شر، نفع اور ضرر کے مابین فرق کرتا ہے۔

۶۰ یہ قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے؛ کیونکہ ہر چیز کا صدور اللہ تعالیٰ سے ہے اور وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اسی طرح کامل معرفت والا شخص بھی ہر چیز میں فاعل حقیقی کو ہی دیکھتا ہے، جو ہر چیز

پر قیوم ہے۔ دوسری حالت میں جب وہ فعل دیکھے اور بعد میں فاعل کا پتا چلے تو کہتا ہے: ”میں نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے بعد اللہ کو دیکھا۔“ اور جب وہ فعل اور فاعل حقیقی کو ایک ساتھ دیکھے تو کہتا ہے: ”میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ کو اس کے ساتھ دیکھا۔“ کشفِ حقیقی بھی ان معانی کی تائید کرتا ہے، اللہ فرماتا ہے: وہی اول اور آخر، ظاہر اور باطن ہے۔ اور تم جہاں بھی جاؤ وہیں اللہ ہے۔ یہ محققین کے ہاں مقرر ان قواعد کے مطابق ہے کہ فاعل کبھی اپنے فعل سے الگ نہیں ہوتا۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۸۷)

[61] مرقوم؛ علم قدیم اور غیب ہے، جبکہ مسطور؛ علم تفصیل اور شہادت ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

[62] اللہ تعالی نے مسطور کی عالم شہادت میں قسم کھائی؛ کیونکہ طور اسرار ازل کا حامل اور حقائق اول اور معانی کا عیاں کرنے والا ہے، جبکہ مرقوم کا تعلق عالم غیب سے جوڑا اور اس کے دو مقام بتائے: ا- سجین، ۲- علیین۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۸۹)

[63] یعنی وہ ارواح جو اجسام میں مقید ہیں، اور یہ فرش سے عرش تک کا عالم ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

[64] جو کوئی ان معانی کی مزید تفصیل چاہتا ہے تو اسے ہمارے شیخ عبد الغنی النابلسی کی ”کتاب الوجود“ کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس کتاب کی ابتدا میں اس مقام کا کثیر حصہ زیر بحث آیا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۹۰)

[65] وقوف سے مراد کائنات کی اشیا کو زیر خاطر لانا ہے، مثلاً جب توجہ حق تعالی سے ہٹ کر مخلوق کی جانب ہو جائے تو یہی حجاب ہے۔ محجوب لوگوں کی بھی قسمیں ہیں: ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے گناہوں اور غفلتوں سے محجوب ہیں، کچھ دنیاوی شہوات سے محجوب ہیں، کچھ عبادات اور نمازوں سے محجوب ہیں، کچھ اپنے ورد و ظائف سے محجوب ہیں، کچھ جاہ اور مقام کی محبت سے محجوب ہیں اور کچھ ذوالجلال والاکرام کے قرب کی چاہت سے محجوب ہیں، یوں ہر شخص کسی نہ کسی چیز سے محجوب ہے، کوئی جنت کی لالچ میں اور کوئی جہنم کے خوف سے، یہ حجابات اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک کہ ہر اُس چیز کا خیال دل سے نہ نکل جائے جو اُسے حق سے محجوب رکھے ہوئے ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۱۹۸)

۶۶ اس کے تین مراتب ہیں: ۱- مخلوق پر اللہ تعالی کے احکامات؛ یہ کتاب و سنت اور اجماعِ امت کی اتباع ہے۔ ۲- راہ تصوف؛ یہ مکارم اخلاق ہیں اور یہ حُسن کردار نبی کریم ﷺ کے اخلاق کی اتباع ہے۔ ۳- علم حقیقت؛ یہ دل سے پردے کا اٹھنا ہے۔ پھر وہ شخص اللہ کے نور سے ہر شے میں اُس کے اسما اور صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یوں اس پر اپنے تمام اقوال، افعال اور احوال میں ادب الٰہی کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۰۱)

۶۷ کیونکہ عامی اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے لیکن انہیں اللہ کی نعمتیں نہیں سمجھتا، بلکہ وہ تو انہیں اپنی محنت اور کمائی سمجھتا ہے، لہذا ہر وقت ظاہر اسباب کی تلاش میں خالق اسباب کو بھول جاتا ہے۔ ان نعمتوں کو شہواتِ نفس میں استعمال کرتا ہے اور اللہ کی نگرانی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتا، یوں وہ ان کا حقیقی شکر بھی ادا نہیں کرتا؛ کیونکہ حقیقی شکر گزاری تو یہی ہے کہ بندہ نعمت دینے والے کے احسان کو مانے کہ اس نے یہ نعمت بغیر کسی سبب کے خاص اپنی عطا سے دی؛ کیونکہ وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ ان کا خالق ہے۔ جب وہ نعمتوں کی اس شکر گزاری سے غفلت برتتا ہے تو یہی نعمتیں اس کے لیے باعث آزمائش بن جاتی ہیں، یوں اسے تکالیف اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات تو یہ سب اللہ سے منہ موڑنے اور اس کی نافرمانیوں میں لگ جانے کا موجب ہو جاتا ہے، دنیا کی ہوس بڑھتی جاتی ہے اور آخرت کا حساب و کتاب بھی، کہ وہ محشر کے مقامات میں کتنی دیر کھڑا رہے گا، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا﴾ (التکاثر: ۸) یہ ان پر شکر نہ ادا کرنے کی صورت میں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کفران نعمت دنیا میں بھی اسے عذاب شدید میں مبتلا کر دے، جیسا کہ قارون کے ساتھ ہوا، کہتا ہے: یہ سب مال میں نے اپنے علم سے جمع کیا۔ یا جیسا کہ ثعلبہ اور اس کے گھر کے ساتھ ہوا، جب اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل سے زکوۃ کے بارے میں کہا: یہ تو جزیہ ہے، پہلے وہ اور اس کا مکان زمین میں دھنس گیا اور پھر اللہ تعالی نے اس کی منافقت سب پر ظاہر کر دی۔ بہت سے لوگ یہی رویہ اپنائے ہوئے ہیں لیکن غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اگر تم شکر کرو گے تو میں اور دوں گا لیکن اگر کفران نعمت کرو گے تو میری پکڑ بہت شدید ہے﴾ (ابراہیم: ۷) (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۰۱)

۶۸ نکاح میں بہت سے فوائد ہیں یہ ایک عظیم عبادت اور کریم سنت ہے جو اسے اپنائے وہ کامیاب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: "تمہارے جماع کرنے میں بھی صدقہ ہے" جب اس کو نیک نیتی کے

ساتھ اپنی زوجہ سے کیا جائے، اور نیک اولاد سے بڑھ کر صدقہ کیا ہو گا۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں نکاح کی اس قدر فضیلت بیان کی ہے کہ یہ شخص مجاہد سے بھی بڑھ کر اجر و ثواب کا حامل ہے۔ شیخ البیتامی لکھتے ہیں: جان لے کہ جماع کی شہوت محبوب ہے، اِسے انبیا کرام علیہم السلام نے بھی پسند فرمایا ہے؛ یہ دل کو نرم کرتی ہے، جبکہ دیگر شہوات دل کو سخت کرتی ہیں۔ نکاح جنت میں بھی قابل رغبت بنایا گیا ہے۔ اسی طرح مجرد رہنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ وحشت لاتا ہے۔ نکاح کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، رابطے بڑھاتا ہے، نئے رشتے بناتا ہے اور کنبہ بڑھاتا ہے، لہذا جو شخص شرعی نکاح سے منہ موڑے وہ اہل سنت میں سے نہیں؛ کیونکہ وہ اللہ کے رسول کے اس حکم سے منہ موڑ رہا ہے: کثرت سے نکاح کرو اور اولاد پیدا کرو کیونکہ میں قیامت والے دن تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (امام مسلم)

مالک بن دینار فرماتے ہیں: تورات میں لکھا ہے: وہ عورت جو اپنی عفت کی حفاظت نہیں کرتی وہ ایک ایسے خنزیر کی مانند ہے جس کے سر پر تاج ہو اور گلے میں سونے کا ہار۔ کہنے والا کہے گا: یہ زیور کتنا خوبصورت اور جانور کتنا بدصورت ہے۔ ایک خبر میں آیا ہے: تمہارے بدترین لوگ کنوارے لوگ ہیں اور سب سے بری موت کنوارے پن کی موت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: مسکین ہے، مسکین ہے، مسکین ہے وہ شخص؛ جس کے پاس مال و دولت تو ہو لیکن بیوی نہ ہو، اور مسکینہ ہے، مسکینہ ہے، مسکینہ ہے وہ عورت؛ جس کے پاس مال و دولت ہو لیکن شوہر نہ ہو۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۰۲)

[۶۹] کیونکہ اگر وہ ایسا کام کرے گا جس میں دنیاوی تھکاوٹ ہو گی تو تھک جائے گا، اور پھر ان عبادات میں بھی کم ہمتی دکھائے گا جس کا اُسے مکلف کیا گیا۔ اگر ایسا کام کرے گا جس پر پکڑ ہو گی تو آخرت میں عذاب کا حق دار ٹھہرے گا اور اپنی عاقبت برباد کرے گا۔ جہاں تک ایسے کام کا تعلق ہے جس پر کوئی اجر نہیں تو یہ سب وہ مباح کام ہیں جنہیں اگر عبادت کی نیت سے نہ کیا جائے تو ان پر اجر مرتب نہیں ہوتا جیسے کہ کھانا پینا سونا وغیرہ۔ اور جہاں تک اس حکم نامے میں نفس برزخی کو یہ حکم ہے کہ وہ ان کاموں کو اجر کی نیت سے نہ کرے تو یہ حکم نفس کو ہے روح کو نہیں اور مکلف روح ہے جس نے عبادت کی نیت سے ان کاموں کو کروانا ہے۔

[۷۰] یہ سیکھنے کے لیے اس کے پاس بیٹھ کہ جو رہنمائی میں اسے دے رہا ہوں تو بھی اس سے بہرہ یاب ہو۔

[71] اسی مقام پر ابلیس جاہل عبادت گزار کے پاس آکر اسے یہ کہتا ہے: عبادت کی کثرت کر اور اپنے قیام اور قعود میں تیزی لا تا کہ زیادہ نمازیں پڑھی جا سکیں، اور دن میں روزے رکھ اور رات کو قیام کر اور کسی لمحے بھی عبادت سے غافل نہ ہو تاکہ اللہ کے ہاں تیرا ثواب بڑھتا جائے، جس سے تیرے درجات میں اضافہ ہو گا اور لوگوں میں تیری مثال دی جائے گی۔ یوں وہ اسے کثرتِ اعمال کی گھمن گھیریوں میں ڈال دیتا ہے۔ اور یہ کثرت اعمال اور تھکاوٹ کے باعث اتنا نحیف اور لاغر ہو جاتا ہے کہ پھر واجب شرعی اعمال کی ادائیگی کے قابل بھی نہیں رہتا، یوں سلوک الی اللہ کا مقصد بھلا کر ثواب اور عذاب کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۱۸)

[72] بیشک ہر آسمان کا ایک دروازہ ہے جس پر ایک دربان مقرر ہے، جو خاص قسم کے اعمال کو اس آسمان میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ مثلاً پہلے آسمان کا دربان ایسے اعمال کو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے روکتا ہے جن میں غیبت کا عنصر ہو۔ دوسرے آسمان کا دربان ایسے اعمال اس میں داخل نہیں ہونے دیتا جن میں دنیاوی طلب نمایاں ہو۔ تیسرے آسمان کا دربان ایسے اعمال داخل نہیں ہونے دیتا جن میں تکبر ہو۔ چوتھے آسمان کا دربان ایسے اعمال کو داخل ہونے سے روکتا ہے جن میں خود پسندی ہو۔ پانچویں آسمان کا دربان ایسے اعمال کا مانع ہے جن میں حسد ہو۔ چھٹے آسمان کا دربان ایسے اعمال کو روکتا ہے جن میں مخلوق پر رحم نہ کیا گیا ہو۔ اور ساتویں آسمان والا کسی ایسے عمل کو جانے سے روک لیتا ہے جو لوگوں میں مرتبے کے حصول کے لیے کیا گیا ہو۔ جو اعمال ان غلاظتوں سے پاک ہوتے ہیں وہی بارگاہ حق جل جلالہ تک پہنچائے جاتے ہیں۔ فرشتے تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب نیک اعمال ہیں لیکن اللہ تعالی ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے: تم میرے بندے کے اعمال پر نگران ہو اور میں اس کی نیت کو دیکھتا ہوں، اس نے یہ اعمال خالص میری رضا کے لیے نہیں کیے بلکہ ان میں ریاکاری ہے، تو اِس پر میری لعنت ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جسے ابن مبارک نے اپنی کتابِ زہد میں معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۲۲)

[73] یہاں پر اہل ظاہر اور اہل باطن کے علم کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ بیشک اس علم میں اہل باطن کی نگاہ اپنے رب پر ہوتی ہے تو انہیں یہ کائنات مقدس ارواح اور پوشیدہ اسرار دکھائی دیتی ہے، جن پر اسما اور افعال کے تنوع کے باعث حق کا رخ ظاہر ہوتا ہے، یوں وہ اپنے علوم میں صرف اللہ تعالی، اِس کی صفات، اسما اور افعال کا تذکرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ اہل ظاہر اپنا علم مخلوق سے اخذ کرتے

[۷۷] فرمایا: ﴿اور بائیں طرف والے، بائیں طرف والے کون ہیں؟ یہ دوزخ کی لپیٹ، کھولتے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہیں﴾ (الواقعہ: ۴۱-۴۳) یعنی دوزخ میں ہیں۔

[۷۸] کیونکہ علم باللہ ایک نور ہے جو اندھیروں کو مٹاتا ہے۔ جب تک کوئی اندھیروں میں نہ چلے وہ علم کی روشنی تک نہیں پہنچ پاتا، اور جو نور میں پہنچ جائے وہ نار سے بچ جاتا ہے۔ اسی لیے علم حاصل کرنا تمام عبادات سے بڑھ کر ہے؛ کیونکہ تمام عبادات بھی علم سے ہی درست ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ کے بندوں میں سے علم والے ہی اس کا خوف رکھتے ہیں﴾ (فاطر: ۲۸) اور ﴿کیا کبھی عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں﴾ (الزمر: ۹) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "عالم کی ایک رکعت جاہل کی ایک ہزار رکعت سے بہتر ہے۔" (جامع الصغیر از امام السیوطی) اسی طرح فرمایا: "علم کی مجلس ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔" "اور علما کی سیاہی شہدا کے خون سے بڑھ کر ہے۔" "بیشک فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔" اور اگر اللہ کے اولیا علما نہ ہوں تو اللہ کا کوئی ولی نہ ہو۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۲۷)

[۷۹] چونکہ شیخ اکبر اوپر بیان کر چکے ہیں کہ پہلا جفت عدد دو ہے اور پہلا طاق عدد تین ہے تو جفت طاق سے پہلے ہوا۔ اس مثال میں اعداد کی طبعی ترتیب بیان کی گئی ہے، کہ تین کے بعد چار اور چار کے بعد پانچ آتا ہے، اور دو تین سے پہلے ہے جو کہ پہلا جفت عدد ہوا لہذا پہلے جفت ہے پھر طاق۔

[۸۰] توحید احدیت یعنی ذات کی توحید، اس کا مطلب ہے ذات کو واحد جاننا اور مخلوق اور خالق کے درمیان فرق نہ کرنا۔ اور حق تعالی کو ہر چیز پر یوں محیط دیکھنا ہے کہ مخلوق نظر نہ آئے، یہ امت مسلمہ کے بھٹکے ہوؤں کی توحید ہے۔ شیخ اکبر نے انہیں بھٹکے ہوئے اس لیے کہا کیونکہ یہ لوگ اس توحید کو شریعت کے احکام معطل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، جبکہ عالم عناصر میں تکلیف شرعی سے کسی صورت چھٹکارا نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جب توحید میں غلو کیا تو یہ غلو انہیں توحید احدیت کی جانب لے آیا؛ اسی لیے انہیں بھٹکے ہوئے کہا گیا۔

[۸۱] توحید فردانیت سے مراد الہ کی الوہیت میں توحید ہے، یعنی ایک وہی الہ ہے باقی سب مالوہ ہیں۔

[۸۲] یہاں حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسی علیہ السلام کے مابین مناسبت شب معراج کا وہ مکالمہ ہے کہ آپ حضرت موسی علیہ السلام کے کہنے پر بار بار رب تعالی کی بارگاہ میں لوٹے اور اپنی امت پر سے

نمازوں کی تخفیف کروائی، چنانچہ یہ توحید احکام شرعی پر مبنی ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۴۱)

۸۳ یعنی تجھے شریعت مطہرہ کے واضح راستے سے نہ ہٹا دے۔

۸۴ یہ جہت حق سے غالب ہوتی ہے اور جہت مخلوق سے مغلوب ہوتی ہے، لہذا اس کے غلبے کی جہت پر اس کو تھام لے، یعنی اس کا بندہ بن جا جیسا کہ وہ تیرا رب ہے۔ اور جب یہ توحید مغلوب ہو تو توحید احدیت کو تھام لے؛ کیونکہ وہی اول، آخر، ظاہر اور باطن ہے، وہ ہر چیز پر محیط ہے اور تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۴۱)

۸۵ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے جیسا نہیں، جب میں اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اللہ والوں کو بھی اس وراثت سے وافر حصہ ملا ہے چنانچہ ہم سنتے ہیں کہ بعض اللہ والے بھی کئی کئی دن، مہینے یا سال کھائے پیے بغیر زندہ رہتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۴۲) شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں بھی اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ اس مقام پر آئے تو انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا لیکن وہ دن بدن موٹے ہونے لگے لوگ الٹا ان سے یہ کہنے لگے کہ لگتا ہے آپ آج کل زیادہ کھاتے ہیں۔

۸۶ روز قیامت نبی کریم ﷺ کا وہ حوض جس میں لاتعداد کوزے ہوں گے اور جس کا پانی شیریں اور ٹھنڈا ہو گا، اس میں سے جو کوئی ایک دفعہ پانی پیئے گا اُسے دوبارہ کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اہل ظاہر کے نزدیک حوض سے مراد یہی معروف مقام ہے جو جنت کے دروازے پر ہو گا اور جس نے اس میں سے پانی پی لیا اسے نہ کبھی پیاس لگے گی اور نہ وہ بدبخت ہو گا، جبکہ اہل اللہ کے نزدیک حوض سے مراد نبی کریم ﷺ کا روحانی قلبی علم اور معرفتِ ربانی ہی ہے، جس کسی نے اس علم میں سے کچھ پا لیا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی، اہل اللہ کے ہاں یہی وسیع علم الٰہی کا حوض ہے، اور اس سے پینا مطلب اس علم کو اخذ کرنا اور اس سے خود کو متخلّق کرنا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۴۷)

۸۷ یہاں علم لدنی کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ کی طرف لے جانے والے یہ اعمال، یہ سختیاں، یہ آزمائشیں بندہ برداشت کرتا ہے اور پھر یہی شرعی اعمال ایک نئی راہ کا پتا دیتے ہیں۔ اس کو ان علوم تک لے جاتے ہیں جن تک جانے کا کوئی اور راستہ نہیں چنانچہ جب ان لطیف علوم تک بندے کی

رسائی ہوتی ہے جنہیں علوم لدنیہ کہا جاتا ہے تو وہ اِن سختیوں اور تکلیفوں کو بھول جاتا ہے۔ شیخ اکبر کی مراد یہی ہے کہ ان علوم کی ایک جھلک دنیا میں بھی تُو اللہ کے اس قول میں دیکھ چکا ہے۔

۸۸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی گواہی تو خود حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور آپ کی رائے بھی نزول قرآن سے موافقت اختیار کر گئی، چنانچہ آپ علم شریعت کے امام ہیں جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ علم حقیقت کے امام ہیں۔ فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہی ہوتا۔" (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۵۶)

۸۹ طالب علم سے مراد علم باللہ کا طالب ہے، کیونکہ جب اس کی رسائی کسی ایک علم تک ہوتی ہے تو وہ اس سے آگے کی طلب میں لگ جاتا ہے یوں اس کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، جبکہ دنیا کے لیے علم حاصل کرنے والے جب اپنی غرض کو پورا ہوتے دیکھتے ہیں تو علم پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ بھی جان کہ دنیا کے دو رخ ہیں: ایک حق تعالی کی طرف اور دوسرا مخلوق کی طرف، جو کوئی دنیا کو حق تعالی کے رخ سے طلب کرتا ہے تو اس کے لیے یہ نعمت تصور ہوتی ہے اور وہ خوش نصیب کہلاتا ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معاملہ تھا، جب انہوں نے رخِ حق کے لیے دنیا مانگی تو کہا گیا اب چاہے اس دنیا کو اپنے استعمال میں لا چاہے کسی دوسرے کو دے تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ لیکن جو کوئی دنیا کو بغیر حق کے مانگتا ہے تو وہ گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں میں گر کر بدبخت کہلاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا ہے: "درہم کا بندہ ہلاک ہوا، دینار کا بندہ ہلاک ہوا۔" اسی طرح علم کے بھی دو رخ ہیں: ایک مخلوق کی طرف اور دوسرا خالق کی طرف۔ جو کوئی حق کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو یہ علم اس کے لیے نور اور ہدایت کا سامان ہوتا ہے اور جو کوئی دنیاوی اغراض کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو یہی اس کے لیے گمراہی اور آزمائش کا مقام ہوتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

۹۰ قدموں کے نیچے سے پانے سے مراد کسب کرنا ہے یہ عقلی علوم ہیں جن پر تیری عقل حاکم ہوتی ہے، یعنی جن کا فیصلہ تو اپنی سمجھ سے کرتا ہے۔ قدموں کے نیچے سے مراد ان پر تیرا تصرف ہے۔

۹۱ ان کی طرف دھیان جانا لازم ہے کیونکہ ثواب کی طلب اور عذاب سے نجات کا دارومدار انہی پر ہے۔

۹۲ مشابہت کی بہت سی اقسام ہیں: جیسا کہ حق اور خلق میں مشابہت، یا خلق کی آپس میں مشابہت، یا جیسے کہ کائنات اصغر اور کائنات اکبر میں مشابہت وغیرہ۔ اسی وجہ سے دو لوگوں میں مشابہت اور مناسبت ہوتی ہے اور یہی ان کے رابطے کا ذریعہ ہوتی ہے، اگر یہ مناسبت نہ ہو تو دو لوگ ایک گھنٹہ اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام غزالی نے دیکھا کہ ایک کبوتر ایک کوے کے ساتھ اڑ رہا ہے، یہ

دیکھ کر اسے بڑا عجیب لگا جب وہ نیچے اترے تو یہ ان دونوں کو دیکھنے گیا، معلوم ہوا کہ وہ دونوں ہی لنگڑے تھے۔ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک اللہ والا کسی سفر پر تھا کہ قافلے میں ایک شخص سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی لیکن بعد میں اسے جب پتا چلا کہ یہ صاحب تو مشرک ہیں تو اسے بڑا عجیب لگا، دل میں سوچنے لگا میرے اور اس کے درمیان کیا چیز مشترک ہے جو ہماری دوستی کی وجہ بنی، جب اس نے اپنے احوال پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے سوا مخلوق سے احسان کی طمع رکھتا ہے اور اللہ والوں کے نزدیک یہ شرک ہے چنانچہ ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ شرک ہی تھی۔ جب اس کو یہ بات سمجھ آئی تو اس نے اسی وقت سچی توبہ کی اور اپنے دل کو غیر اللہ کی طمع سے پاک کر لیا، اسی وقت وہ مشرک اسے چھوڑ گیا اور اس کے بعد ان کی نہ بنی۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۵۹)

[۹۳] اسی لیے اے سالک اگر تو کسی کے احوال سے آگاہی چاہتا ہو تو اس کے دوستوں اور ساتھیوں کو دیکھ، اگر وہ ہدایت اور کمال پر ہوں تو یہ بھی ویسا ہی ہو گا اور اگر وہ گمراہی اور کوتاہی پر ہوئے تو یہ بھی ان جیسا ہی ہو گا۔ یہ سب اس نسبت اور مناسبت کے باعث ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: اس شخص سے مت پوچھ جس سے پوچھنا چاہتا ہے بلکہ اس کے دوست سے پوچھ کیونکہ لوگ اپنے جیسوں کو ہی دوست بناتے ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۶۰)

[۹۴] یہی تو اس کی قدیم صفات اور ہماری حادث صفات کے مابین کا فرق ہے اگر نعوذ باللہ ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی ہماری طرح حادث ہوتا، جبکہ ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ وہ اپنی ذات، صفات، اسما، افعال اور احکام میں قدیم ہے۔ اور ہم میں اس کی طرف سے پیدا کی گئیں یہ صفات حادث ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۶۲)

[۹۵] یعنی جو مشاہدہ حق چھوڑ کر اس جسمانی حجاب کی اوٹ میں آگیا تو وہ دیدار کی جنت سے شہوات کی جہنم میں گرتا چلا جائے گا۔ جنت دیدار اور نعمتوں کا نام ہے جبکہ جہنم غفلت حجاب اور عذاب کا مقام ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۶۵)

[۹۶] جیسا کہ خانہ کعبہ زمین کے وسط اور بیت المعمور آسمانوں کے وسط میں ہے اسی طرح قلب انسانی جسم کے وسط میں ہے۔

[۹۷] ایسا صاحب حال کاملین میں سے نہیں اور نہ ہی یہ اللہ والوں کا حال ہے۔ بعض اوقات شیطان ہی اس طرح کے حال والوں پر غالب ہو جاتا ہے اور ان کے سامنے باطل حق کی صورت میں اور جھوٹ سچ بنا کر پیش کرتا ہے، ایسا شخص اپنے صحیح الحال ہونے کے دعوے کرتا ہے جبکہ وہ شیطان کی مکاری کا شکار ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال مزین کر کے پیش کیے﴾ (الانفال: ۴۸) شیخ اکبر محیی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب روح القدس (اصلاح نفس کا آئینہ حق) میں اس طرز کی مثالیں دی ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ عبد الغنی النابلسی نے اپنی کتاب کشف النور فی اصحاب القبور میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔ ہمارے اکثر معاصرین کا حال تو ان دونوں سے جدا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۷۳)

[۹۸] اصحاب سماع و وجد کے بارے میں شیخ اکبر نے اپنی کتاب روح القدس (اصلاح نفس کا آئینہ حق) میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔

[۹۹] اس کی بہترین مثال حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل ہے، آپ خلوت میں بیٹھے ذکر الہی میں مشغول تھے کہ اچانک دیوار سے بہت شدید روشنی ظاہر ہوئی، پھر آواز آئی: "اے عبد القادر! میں تیرا رب ہوں، میں نے تیرے لیے حرام چیزیں بھی حلال کر دیں۔" آپ اسی وقت بولے: چل بھاگ یہاں سے اے مردود... (یعنی کہ وہ شیطان تھا) چند سال بعد جب کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی آواز سے اسے کیسے پہچانا، بولے: اس کے اس قول سے کہ "میں نے تیرے لیے حرام چیزیں بھی حلال کر دیں۔"

[۱۰۰] مشترک اس طرح کہ فعل کا کسب اور صدور بندے کی طرف سے ہے اور اس کی تخلیق رب کی طرف سے۔

[۱۰۱] چنانچہ آدمی کی دو آنکھیں ہیں ایک ظاہری آنکھ جس سے وہ ظاہری اشیا کو دیکھتا ہے اور دوسری باطنی آنکھ جو کہ دل کی آنکھ ہے۔ ان دونوں آنکھوں کا خاص نور اور ادراک ہے۔ اسی نور بصیرت کی جانب اللہ تعالی نے اپنے اس قول میں توجہ دلائی: ﴿جس کے لیے اللہ کوئی نور نہ بنائے تو اس کے پاس کوئی نور نہیں﴾ (النور: ۴۰) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۸۷)

[۱۰۲] مطلب جس کی صفات جانوروں جیسی ہوں، مثلاً: کھانا، پینا، شہوات خوری، غفلت اور اسراف سے کام لینا، تو یہ شیطانی وصف ہیں، چنانچہ نفس شیطان کے دستر خوان پر ہے جبکہ روح رحمن کے دستر خوان پر ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص۲۸۸)

[۱۰۳] اچھے اعمال کی طرف اس طرح کہ جب وہ ان کی طرف نظر کرتا ہے تو اسے ان میں نقص دکھائی دیتا ہے یوں اس کا دل تنگ ہوتا ہے اور برے اعمال کو دیکھتا ہے تو انہیں تقدیر کا لکھا پاتا ہے جس سے مفر نہیں، لہذا پھر تنگی محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ ان اعمال کی طرف نظر نہ کرے اور یہ سوچے کہ وہ کسی چیز پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالی ہی اس کے ان اعمال کا خالق ہے، جیسا کہ اللہ والوں کی حالت ہوتی ہے کہ وہ اعمال پر بھروسا نہیں کرتے بلکہ ان کا بھروسا تو اللہ پر ہوتا ہے۔ جب وہ بھی ایسا کرے گا تو اس کی گھٹن اور تنگی انشراح صدر سے تبدیل ہو جائے گی۔ (شرح تدبیرات از البیتامی)

[۱۰۴] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: جو مقام نبی اور ولی کو ملاتا ہے وہ مقامِ جمع ہے جہاں کوئی فرق نہیں اور جو ان دونوں کے مابین فرق کرتا ہے تو وہ مقام فرق ہے۔ کیونکہ جس بارگاہ سے نبی اپنی ولایت کی حیثیت سے علم اخذ کرتا ہے اسی بارگاہ سے ولی بھی علم اخذ کرتا ہے، لہذا مرتبہ ولایت یعنی اللہ تعالی سے بلا واسطہ علم اخذ کرنے میں دونوں اکٹھے ہیں لیکن مقام نبوت میں دونوں جدا ہیں کہ ایک نبی ہے اور دوسرا نبی نہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۰)

[۱۰۵] قلم دوات کے علوم کو مفصل لکھتا ہے؛ دوات میں تو صرف سیاہی تھی جو الفاظ کی اشکال میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتی تھی لیکن قلم نے ہی اس سیاہی کو ان الفاظ کی اشکال میں ڈھالا اور اِس دوات کے علوم کو تفصیل بخشی۔ لہذا ولی دوات اور سیاہی کا ایک ہی رنگ اور ایک ہی انداز دیکھتا ہے یہ مقام الجمع ہے جبکہ نبی اس کے مختلف رنگ اور متعدّد معانی کا مشاہدہ کرتا ہے یہ مقام فرق ہے۔ نبی اور ولی دوات کو دیکھتے تو ہیں لیکن مختلف انداز سے۔ یہ بھی جان لے کہ یہاں دوات سے مراد بارگاہ حق تعالی ہی ہے جو کہ ہر چیز پر جامع اور محیط ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے دوات کی بھی قسم کھائی اور قلم کی بھی، فرمایا: ﴿ن، قسم ہے قلم کی اور جو وہ لکھتے ہیں﴾ (القلم: ۱) محققین کے ہاں ن سے مراد دوات ہی ہے جو کہ علوم اجمالی ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۱)

[۱۰۶] یہ چار اقسام کے فرشتے ہیں:

۱- ایک جو اجسام کی تدبیر کرتے ہیں یہ ملائکہ ارواح ہیں جو کہ اجسام میں نزول کرتے ہیں اور ہر جاندار کی تدبیر کرتے ہیں لیکن انسان میں ان کی تدبیر بہت زیادہ ہے۔

۲- انہی میں رزق اور بارش کے فرشتے ہیں جن کی ذمہ داری اللہ تعالی نے یہ لگائی ہے کہ وہ بارش برساتے ہیں تاکہ مخلوق کے کھانے کے لیے رزق پیدا ہو سکے۔

۳- کچھ مجرد اور عابد فرشتے ہیں؛ یہ دعا اور استغفار کے فرشتے ہیں۔ اللہ تعالی انہیں بندے کے اعمال سے تخلیق کرتا ہے اور ان کی عبادت روز قیامت تک بنی آدم کے لیے دعا اور استغفار کرنا ہے۔

۴- اسی طرح چوتھی قسم بھی مجرد فرشتوں کی ہے لیکن یہ ملائکہ عرش ہیں جو کہ اللہ کے عشق میں ایسے گم ہیں کہ وہ اس کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۱)

۱۰۷ شیخ البیتامی لکھتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے خواب میں رب عزوجل کا دیدار کیا، کہ میرا رب کرسی پر بیٹھا ہے لیکن اس کی کوئی معین صورت نہیں۔ وہ عربی زبان میں بات کر رہا ہے لیکن مجھے اس کے ہونٹ نہیں دکھائی دیئے۔ رب تعالی نے لطیف پیرائے میں مجھ سے بات کی جبکہ میں اس کے سامنے تھا، میں نے سنا کہ یہ آواز تو میرے دل سے آ رہی ہے یا میرے تمام اعضا سے یا پھر تمام زمین و آسمان سے حتی کہ میں نے دیکھا کہ میں ہی بات کر رہا ہوں اور مجھ ہی سے بات کی جا رہی ہے، میں نے بہت قریب سے آواز سنی جو کہ دور بھی نہ تھی اور مجھے یہ بھی پتا نہ چلا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے جبکہ میں رب تعالی کو دیکھ رہا تھا، وہ ایک شخص کی صورت میں کرسی پر بیٹھا ویسے ہی بات کر رہا تھا جیسے عموماً بات کی جاتی ہے۔ جب میں جاگا تو مجھے اس خواب سے یہ سبق ملا کہ یہ خواب اطلاق کی حقیقت کو بیان کر رہا تھا جس میں کوئی قید نہ ہو۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۳)

۱۰۸ مثلاً یہ کہ جب اُس سے کچھ پوچھ تو فوراً ہی اُس کے جواب کا منتظر مت رہ، کہ یہ شیخ کے ساتھ بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے، بلکہ پوچھ کر چپ ہو جا، اگر اس نے چاہا تو وہ تجھے جواب دے گا، اور اس کا ارادہ نہ ہوا تو وہ خاموش رہے گا، معاملے کی درستگی شیخ کی رائے پر موقوف ہے۔ ہاں اگر مسائل شریعت پر تمہاری بات چیت ہو رہی ہے اور تو شرعی جواب سننا چاہتا ہو تو تُو شیخ سے کسی معاملے کا شرعی حکم پوچھ سکتا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۷)

[109] اس کی وجہ یہ ہے کہ مرید صادق کی نگاہ سے شیخ کامل کبھی اوجھل نہیں ہوتا اور مرید کو ہر لمحہ یہی خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا شیخ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسی اعتبار سے سلسلہ مولویہ کے شیوخ اپنے شیخ کی بیٹھک کو سلام کرتے ہیں کیونکہ یہ روحانیت والی جگہ ہے اور وہ دراصل شیخ کو سلام کر رہے ہوتے ہیں نہ کہ اس بیٹھک کو لیکن جاہل لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بیٹھک کے سامنے جھکتے اور بوسے دیتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۲۹۹)

[110] کیونکہ شیوخ عادت کے غلام نہیں ہوتے اور نہ ہی اپنی مرضی سے کچھ کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ لہذا تجھے تمام امور میں اس کی پیروی کرنی چاہیے، چاہے تو اس کا مطلب جانے یا نہ جانے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۰۰)

[111] چونکہ وہ شریعت اور طریقت میں تیرا امام ہے لہذا تجھے اس سے پیچھے ہونا چاہیے اور حتی الامکان کوشش کر کہ اس کی طرف پیٹھ نہ ہونے پائے، نماز میں بھی اور نماز کے سوا بھی۔

[112] ہم نے دیکھا ہے کہ آج کل کے مرید شیخ کے ساتھ کھاتے ہیں سوتے ہیں مذاق کرتے ہیں اور بے تکلف ہوتے ہیں وہ اپنی طرف سے اسے قربت شیخ سمجھتے ہیں، اور پھر اس کی اکثر باتوں کے خلاف کرتے ہیں، اس کے مشورے کے بغیر بہت کچھ کرتے ہیں، کھانے کے ایک لقمے کے لیے اسے شہر کے ایک سرے سے اٹھا کر دوسرے سرے تک لے جاتے ہیں یا اس طرح کی دوسری وہ باتیں جو کہ طریقت میں ممنوع ہیں یہ سب آج کل کے مریدوں میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے ایسے مرید ساری ساری زندگی شیخ کے پاس گزار دیتے ہیں اور ان کے درجے میں ایک درجہ بھی ترقی نہیں ہو پاتی۔ یہ تو سب سے بڑی مصیبت ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۰۱)

[113] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: ایسا میرے ساتھ ایک دفعہ پیش آیا کہ میں اپنے شیخ ملا الیاس الکردی کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھا تھا لیکن ادبِ شیخ اور حاضرین کو دکھانے کی غرض سے میں نے بہت تھوڑا کھایا تا کہ وہ سمجھیں کہ میں بھی زاہد ہوں، لیکن میرے شیخ میری نیت بھانپ گئے اور میری طرف بڑے غور سے دیکھا، جب ہمیں تنہائی میسر آئی تو آپ نے مجھے خوب سنائیں اور دوبارہ ایسا کرنے سے منع کیا، فرمایا: تو اس خبیث نفس کی وجہ سے دکھاوا کرتا ہے اللہ سے توبہ کر۔ میں نے پوچھا: یا شیخ کیسے اس سے بچا جائے بولے: جب کھانا ہو تو اپنی ضرورت کے مطابق اپنی پسند کی چیز کھا اور تیرے دل

میں دکھاوے کی نیت نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے آپ کی بات سنی اور پلے باندھ لی۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۰۶)

[۱۱۴] توکل سے مراد بندے کا اپنے تمام معاملات کو رب تعالی کے سپرد کرنا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ویسے توکل کرو جیسے توکل کا حق ہے تو اللہ تعالی تمہیں بھی ویسے رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو دیتا ہے؛ خالی پیٹ گھر سے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کے لوٹتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالی کا اپنی مخلوق سے معاملہ یوں ہے کہ جو کوئی غیر اللہ پر اعتماد اور بھروسا کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کی کفایت کرتا ہے اور اسے ہر چیز سے بے پروا کر دیتا ہے کیونکہ غیر اللہ پر بھروسا کرنا اللہ سے دوری ہے جبکہ اللہ تعالی پر توکل کرنا اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۰۹)

[۱۱۵] بیشک مرید صادق کے لیے اس سے خطرناک چیز کچھ نہیں کہ اِس کی شہرت پھیل جائے؛ کیونکہ یہ نفس کی چال ہے جو اسے ترک مجاہدہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی لیے عارف ابن عطا اللہ اسکندری فرماتے ہیں: اپنے آپ کو بے نام زمین میں دفن کر لے؛ یعنی لوگوں میں غیر معروف ہو جا، اور اپنے لیے شہرت کا دروازہ بند کرنے کی کوشش میں لگا رہ؛ کیونکہ یہی آفت عظمی ہے۔ اسی طرح بشر ابن الحارث کا کہنا ہے: وہ شخص حلاوت آخرت کو نہیں پا سکتا جو یہ پسند کرے کہ لوگ اسے پہچانیں۔ لہذا شہرت کی محبت بندے کے اخلاص کو عیب دار کرتی ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پوچھا کہ دانا کہاں اگتا ہے؟ وہ بولے زمین میں، فرمایا: اسی طرح حکمت بھی اس دل میں جنم لیتی ہے جو پست زمین کی مانند ہو۔ اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: مردہ لوگوں کے پاس مت بیٹھا کرو کہ کہیں تمہارے دل بھی مردہ نہ ہو جائیں، پوچھا گیا مردہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اس کی طلب میں سرگرداں ہیں۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۱۰)

[۱۱۶] یعنی نماز کے لیے مسجد جاتے وقت یا جنازے میں شرکت کرتے وقت تیزی مت دکھا کیونکہ تو ایک نیکی کو چھوڑ کر دوسری نیکی میں جلدی کر رہا ہے، وہ جس کا کہ ابھی وقت بھی نہیں آیا۔ کیونکہ وقار کے ساتھ مسجد کی طرف جانا بھی عبادت ہے اور جب تو تیزی دکھاتا ہے تو اس عبادت کو ترک کرتا ہے لہذا ایسی غلطی مت کر۔ (شرح تدبیرات از البیتامی، ص ۳۱۶)

[117] شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی ابن العربی نے اپنی کتاب اصلاح نفس کا آئینہ حق میں سماع کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے، لہذا وہاں دیکھ لیا جائے۔

[118] شیخ البیتامی لکھتے ہیں: جان لے کہ میں نے قطب العارفین نخبہ العلما والمحققین شیخ محی الدین ابن العربی الطائی الاندلسی قدس اللہ سرہ کی اس لطیف کتاب اور شریف متن پر جو تعلیقات ثبت کی ہیں وہ اپنے احباب کے ساتھ مشورہ کرنے اور اپنے شیخ عارف باللہ المحقق المدقق مولانا الشیخ عبد الغنی ابن الشیخ اسماعیل النابلسی قدس اللہ سرہ کے سامنے اس متن کو پڑھنے کے بعد ہیں۔ یہ تمام عمل صالحیہ دمشق میں شیخ کے گھر میں ایک عظیم محفل میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ہم نے تدبیرات الٰہیہ کتاب کے بہت سے نسخے اکٹھے کیے حالانکہ نسخوں میں فرق نمایاں تھا لیکن شیخ کی توجہ اور برکت سے ہم درست متن ترتیب دینے میں کامیاب ہوئے اور پھر میں نے اس درست متن پر یہ شرح لکھی۔ یہ شرح زیادہ تر شیخ عبد الغنی النابلسی کی طرف سے ہے، اسی لیے جو تسلیم واخلاص سے اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا یہ اس کی کفایت کرے گی، جو اِس سے اپنے دل کے روگ کا علاج چاہے گا یہ اسے شفا بخشے گی۔

صاحبِ عقل حضرات میں سے جو اپنی عقل اور رائے سے اس میں غور کرنا چاہیں گے تو ان پر معانی نہیں کھل پائیں گے کیونکہ عقل عالم اجسام سے مربوط اور مقید ہے جبکہ یہ معانی عالم ارواح سے منسوب ہیں۔ یہ عارفین اور اصطلاحات قوم سے واقف لوگوں کے نزدیک واضح اور درست ہیں اور کتاب وسنت سے سند یافتہ ہیں۔ یہ بھی جان لے کہ مجھے یہ سعادت اور اس شرح کی توفیق اپنے شیخ کی برکت سے ہوئی، ان کا ادب کرنے اور ان سے تربیت پانے کی وجہ سے ملی، جیسا کہ کہا گیا ہے: اگر مربی نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچانتا اور جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔

یہ بھی جان لے کہ یہ عظیم کتاب شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں ایک نمایاں کتاب ہے جو حقائق سلوک، آدابِ شرعیہ، مجاہدہ، باطنی تدبیر و سیاست اور ظاہری رابطوں پر مشتمل ہے۔ یہ گمراہ کے لیے نشانی اور سالک کے لیے رہنمائی ہے، اسی طرح یہ حاضرت معرفت میں داخلے کا دروازہ ہے۔ اِس کے مصنف شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ تو علوم کا سمندر اور مفہوم کا باغ ہیں، آپ کے اسرار حیران کن اور معارف ظاہر ہیں۔ غافلین اور منکرین میں سے جو بھی آپ کے علوم کا انکار کرتا ہے تو وہ محجوب ہے، وہ غلامی نفس میں محبوس ہے، نہ وہ آپ کے حال سے واقف ہے اور نہ ہی آپ کے علم اور قول سے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک جماعت نے شیخ اکبر کے

بارے میں کلام کر کے دنیا اور آخرت کی گمراہی خرید لی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں ان جاہلوں اور گمراہوں کے شر سے بچائے۔

یہ شرح محض اللہ تعالی کی مدد اور حسن توفیق سے مکمل ہوئی۔ میں نے اسے لکھتے وقت کسی کتاب کا سہارا نہیں لیا، بلکہ یہ تو رب الوہاب کا فیض ہے؛ اسی لیے اللہ تعالی نے مجھ سے درست بات لکھوائی۔

اور درود ہوں ہمارے آقا محمد ﷺ خاتم الانبیا، آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے جس کی نعمت سے تمام صالح اعمال اپنی تکمیل کو پہنچتے ہیں اور وہ رب العالمین ہے۔ اللہ کی توفیق اور امداد سے کتاب کی شرح جمعہ یکم رجب المبارک سن ۱۰۴۸ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ سے دعا ہے کہ جو اسے تھام لے یہ اُس کے لیے رہنمائی کا سبب بنے، سفر طریقت میں اس کے لیے روشن چراغ، روحانی مراتب کے حصول کے لیے غیر متزلزل سیڑھی اور حقائق توحید پر ثابت قدمی کے لیے مرشد اور دلیل ہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وھو حسبنا ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر۔

عربی فہارس

فهارس

١-فهرس الآيات

٠٢-فهرس الأحاديث

٠٣-فهرس الأقوال

٠٤- فهرس الأعلام

٠٥ - فهرس الكتب

فتوحاتِ مکیہ اردو ترجمہ

آج ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے نہایت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نے ابن العربی فاؤنڈیشن میں شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب فتوحات مکیہ کے اردو ترجمے کا آغاز کر دیا ہے۔ ابتدا میں ہم شیخ اکبر کے مرتب کردہ طریقے کے مطابق (۳۷) سینتیس اجزا میں سے دو اجزا شائع کیے ہیں۔

فتوحات مکیہ شیخ اکبر کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کے بارے میں آپ کا کہنا ہے کہ "ایسی کتاب نہ پہلے کبھی لکھی گئی ہے اور نہ آیندہ کبھی لکھی جائے گی۔" آپ نے اس تصنیف کا آغاز سن ۵۹۸ھ میں مکہ مکرمہ سے کیا فرماتے ہیں: "اس کتاب میں میں نے زیادہ تر وہ باتیں بیان کی ہیں جو اللہ تعالی نے اپنے عزت والے گھر کے طواف، یا اس کے پاس بیٹھنے کے دوران مجھ پر کھولیں۔" اور ٹھیک ۳۰ سال بعد ۶۲۹ھ دمشق میں آپ نے اسے مکمل کیا۔ یہ وہ کتاب ہے جو صحیح معنوں میں شیخ اکبر کے علوم کا خلاصہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "میں نے اس کتاب میں اس کے کثیر الحجم ہونے کے باوجود بھی راہ طریقت کی کسی ایک خاطر کو پوری طرح بیان نہیں کیا اور نہ ہی راہ طریقت کا کوئی نقطہ اس کتاب میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔" لہذا فتوحات مکیہ ہی اس راہِ طریقت کا جامع اختصار ہے۔

آج اللہ تعالی کی توفیق اور مدد سے ابن العربی فاؤنڈیشن میں ہم اِس عظیم کتاب کو سہل معاصر اردو میں شائع کرنے کے لیے پُرعزم ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم کام کے لیے منتخب کر لے، اس کام کو ہمارے لیے آسان بنا دے اور ہمارے لیے ایسے اسباب مہیا کرے جن سے ہم محض اس کی توفیق سے اس کام کو احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

عَنقاءُ مُغرِب

فِی مَعرِفَۃِ خَتمِ الاَولیاءِ وَشَمسِ المَغرِب

ختم الاولیاء کی معرفت کے حوالے سے شیخ اکبر کی مستند ترین تحقیق۔ اس کتاب میں آپ نے کشفی اور شرعی دلائل سے خاتم الاولیا کی تحدید کی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب ذات الٰہیہ، صفات الٰہیہ، اسمائے الٰہیہ اور حقیقت محمدیہ کے حوالے سے بہت بہترین تحقیق پیش کرتی ہے۔ سالکین کے لیے تحفہ خاص۔

PAGES: 472, EDITION: 1ST, 2020
ISBN: 978-969-9305-14-6
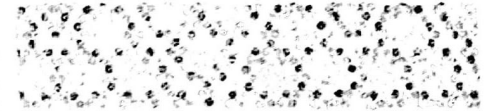
الفتوحات المكيّة

في معرفة الأسرار المالكية والملكية

ISBN: 978-969-9305-14-6
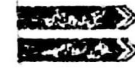
الفتوحات المكية
في معرفة الأسرار المالكية والملكية

شیخ اکبر کی مشہور ترین کتاب فتوحات مکیہ کا آخری باب پہلی مرتبہ تحقیق شدہ عربی متن اور سلیس اور قابل فہم اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ یہ دو جلدیں کتاب کے آخری باب پر مشتمل ہیں اور یہ باب اس قدر آسان ہے کہ ہر کوئی اسے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ ان شاء اللہ اگر اللہ نے چاہا تو باقی جلدوں پر بھی کام ہوگا۔

PAGES: 448, EDITION: 1ST, 2016
ISBN (VOL-36): 798-969-9305-092
ISBN (VOL-37): 798-969-9305-108

مِشْكَاةُ الْأَنْوَارِ فِيمَا رُوِيَ عَنِ اللهِ مِنَ الْأَخْبَارِ
101 احادیث قدسی

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے سن 599ھ میں شہر مکہ میں احادیث قدسی کا یہ بیش قیمت مجموعہ مرتب کیا۔ ابن العربی فاونڈیشن کی طرف سے کتاب مکمل اعراب شدہ عربی متن اور سہل اردو ترجمے اور منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔

PAGES: 256, EDITION: 2ND, 2016
ISBN: 978-969-9305-03-0

ابن العربی فاونڈیشن کی تمام کتابیں بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 03345463996،

ابن العربی فاؤنڈیشن فہرست

كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار روحانی اسفار اور ان کے ثمرات

اس کتاب میں آپ نے روحانی اسفار کی مختلف اقسام مثالوں سے بیان کی ہیں اور قرآن کریم میں بیان کردہ مختلف انبیائے کرام کے اسفار کا اپنے نفس میں جائزہ لیا ہے۔ ہم نے کتاب کو تحقیق شدہ عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

PAGES: 256, EDITION: 2ND, 2016
ISBN: 978-969-9305-11-5

روح القدس في مناصحة النفس اصلاح نفس کا آئینۂ حق

Scanned with CamScanner

ISBN: 978-969-9305-11-5
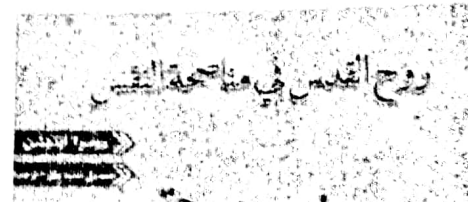
روح القدس في مناصحة النفس اصلاح نفس کا آئینۂ حق

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب نفس کے ساتھ ایک مکالمہ ہے۔ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے، اس میں صحابہ کرام کے احوال سے لے کر اپنے دور تک کے شیوخ کے واقعات کے ذریعے نفس کو نیکی کی رغبت دلائی گئی ہے۔ راہ طریقت کی حقیقت جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ضروری ہے۔

PAGES: 472, EDITION: 2ND,2017
ISBN: 978-969-9305-12-2

مواقع النجوم ومطالع اهلة الاسرار والعلوم

میں نے اِسے شہر المریہ میں رمضان المبارک سن ۵۹۵ ھ کے گیارہ ایام میں تالیف کیا۔ یہ (کتاب) شیخ سے بے نیاز کرتی ہے بلکہ شیخ کو اس کی ضرورت ہے، بے شک شیوخ میں عالی بھی ہیں اور اعلی بھی، اور یہ کتاب اس اعلی مقام پر ہے کہ جس پر کوئی شیخ ہو سکتا ہے سو یہ (کتاب) جس کے ہاتھ لگے تو اُسے چاہیے کہ اِس پر توفیق الٰہی سے اعتماد کرے؛ کیونکہ اِس کا فائدہ عظیم ہے۔

PAGES: 584 , EDITION: 1ST 2019
ISBN: 978-969-9305-13-9

ابن العربی فاؤنڈیشن فہرست

فُصُوصُ الحِکَم وَخُصُوصُ الکَلِم

یہ آپ کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے جو آپ کو خواب کی صورت میں القا کی گئی۔ اس مبارک خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا: یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اسے لو اور لوگوں تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ہم نے اس کتاب کو بہترین عربی متن اور سلیس اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے

PAGES: 664, EDITION: 2019
ISBN: 976-969-9305-14-6

رسائل ابن العربی جلد اول

رسائل ابن العربی جلد اول

اس مجموعے میں شیخ اکبر کے پانچ رسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ اور یہ پانچوں رسائل پہلی مرتبہ تحقیق شدہ عربی متن، اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیے گئے ہیں، جو کہ ایک اعزاز ہے۔ ان رسائل میں کتاب الحجب اہمیت کا حامل ہے جس میں شیخ نے مختلف اقسام کے حجابات کا ذکر کیا ہے۔ دیگر رسائل میں کتاب الباء، کتاب الازل، نقش الفصوص اور مختصر الدرۃ الفاخرہ شامل ہیں

PAGES: 512, EDITION: 1ST, 2014
ISBN: 978-969-9305-05-4

کشف المعنی عن سر أسماء اللہ الحسنی اسمائے الہیہ کے اسرار و معانی

اسمائے الہیہ کے حقائق پر مبنی اپنی طرز کی ایک منفرد کتاب جس میں شیخ اکبرؒ نے 99 اسمائے الہیہ سے تعلق، تحقق اور تخلق کی حقیقت بیان کی ہے۔ جو حضرات اسمائے الہیہ کے اصل معانی تک رسائی چاہتے ہوں اُن کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ تحقیق شدہ عربی متن اور ترجمے کے ساتھ ساتھ اسمائے الہیہ کی مطالب کی شرح بھی ساتھ دی گئی ہے۔

PAGES: 432, EDITION: IST, 2014
ISBN: 978-969-9305-07-8

کشف المعنی عن سر اسماء اللہ الحسنی

اسمائے الہیہ کے اسرار و معانی

ابن العربی فاونڈیشن کی تمام کتابیں بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 03345463996،

میں نے اس میں اُن باتوں کو بھی واضح کیا جو وہ فلسفی اِس بڑی بادشاہت کی تدبیر میں چھوڑ گیا تھا۔

اور یہ سب میں نے شہر مورور میں چار ایام[i] سے بھی کم وقت میں تحریر کیا۔ اُس فلسفی کی کتاب میری اس کتاب کی ضخامت کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ہو گی۔ (میری) اِس کتاب سے بادشاہوں کا خادم ان کی خدمت میں، اور راہِ آخرت کا مسافر اپنے نفس کی اصلاح میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہر ایک کا حشر اس کی نیت اور ارادے کے مطابق ہی ہو گا۔ واللہ المستعان۔

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی

اما بعد: اللہ تیری روح پر وصل کے حقائق کھولے، اور تیرا شمار صبح و شام اُس کے سجدہ گزاروں میں کرے۔ میں نے اِس کتاب کو کم ضخامت اور چند صفحات پر استوار کیا، لیکن اِس میں بڑا فائدہ اور کثیر علم ہے، کہ یہ علمِ لدُنّی اور قابِ عدنانی سے نکالی گئی ہے، اور امام مبین - کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں - میں اِس کا نام "التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية" (اصلاح انسان کی خدائی تدبیرات) ہے۔ یہ مقدمہ، تمہید اور توحید کے اُن اکیس ابواب پر مشتمل ہے، جو نہ ختم ہونے والی بادشاہت کی پُر حکمت الٰہی تدبیر بتاتے ہیں، یہ اپنی شان میں حیرت انگیز ہے کہ اِس کا بیان رمز آمیز ہے، اِسے خاص اور عام سبھی پڑھتے ہیں، چاہے وہ پست زمین کا باسی ہو، یا پھر بزرگی اور عظمت کے تخت پر فائز، ﴿ہر شخص نے اپنے پینے کا پانی معلوم کر لیا﴾

اس میں خواص کے لیے ظاہری اشارہ ہے تو عوام کے لیے واضح طریقہ ہے۔ یہ تصوف کا جوہر اور معرفت کا وہ راستہ ہے جو کشف و مشاہدات تک جاتا ہے۔ سالک اور واصل اس پر فریفتہ ہیں، جبکہ آقا اور غلام اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ انسان کی حقیقت اور تمام ذی حیات سے اس کا بلند مرتبت ہونا بتاتی ہے؛ کہ انسان اِس عالمِ محیط کا اختصار ہے، کہ انسان کثیف اور بسیط کا امتزاج ہے، اور یہ کہ امکان میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس (انسان) کی اول نشأت اور بنیاد میں نہ رکھی گئی ہو، یہاں تک کہ انتہائی کمال پر (انسان) کا اظہار ہوا، اور یہ برازخ میں جلال اور جمال کے مابین آشکار ہوا، سخاوت میں کوئی بخل نہیں اور قدرت میں کوئی کمی نہیں۔

9789699305153